تحفۃ المفتي والقاضي

شعبۂ افتاء کی نصابی کتابوں وسرگرمیوں کا تفصیلی تعارف
اور دار القضاء کے نظام کار اور اس سے متعلقہ مسائل کا تذکرہ

پسند فرمودہ

عارف باللہ امیر شریعت حضرت اقدس مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم العالیہ

جمع وترتیب

مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی

استاذ شعبۂ افتاء وقضاء جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد

تحفۃ المفتی والقاضی

شعبۂ افتاء کی نصابی کتابوں وسرگرمیوں کا تفصیلی تعارف

اور

دارالقضاء کے نظامِ کار اور اس سے متعلقہ مسائل کا تذکرہ

جمع وترتیب

مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی

استاذ شعبۂ افتاء جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

ومفتی دارالافتاء صفا بیت المال

تفصیلاتِ کتاب

نام کتاب	:	تحفۃ المفتی والقاضی
مؤلف	:	مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی
سنِ اشاعت	:	۱۴۴۳ھ م ۲۰۲۲ء
تعدادِ صفحات	:	۲۴۸
تعدادِ اشاعت	:	۱۰۰۰
قیمت	:	۲۰۰

ملنے کے پتے

(۱) جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد 9704095041

(۲) مکانِ مؤلف مغل پورہ، حیدرآباد 8801111876

(۳) دکن ٹریڈرس چار مینار حیدرآباد 040-24521777

(۴) سنابل بک ڈپو مغل پورہ، حیدرآباد 9347024207

(۵) ہدی بک ڈپو، پرانی حویلی، حیدرآباد 040-25414892

(۶) یاسین بک ڈپو، مغل پورہ، حیدرآباد 9949020225

فہرست مضامین

● انتساب: حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم 9

● پیشِ لفظ: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم 10

● تقریظ: حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم 13

● تقدیم: حضرت مولانا مفتی انعام الحق صاحب قاسمی دامت برکاتہم 17

● ابتدائیہ: مؤلفِ کتاب (مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی) 20

بابِ اوّل

شعبۂ افتاء کی درسی کتابوں اور ان کی شروحات کا تعارف

● تعارفِ کتب کی اہمیت وضرورت 25

● تنویر الابصار اور اس کے مؤلف کا تعارف 27

● درمختار اور اس کے مؤلف کا تعارف 30

● حاشیۃ الطحطاوی علی الدر اور اس کے مؤلف کا تعارف 34

● طوالع الانوار اور اس کے مؤلف کا تعارف 36

● ردالمحتار اور اس کے مؤلف کا تعارف 40

● شرحِ عقود رسم المفتی کا تعارف 46

● الاشباہ والنظائر اور اس کے مؤلف کا تعارف 49

● سراجی اور اس کے مؤلف کا تعارف 57

● قواعد الفقہ اور اس کے مؤلف کا تعارف 60

فتوی نویسی کے اصول ومراحل

● پہلا مرحلہ: مستفتی سے سوال وصول کرنا۔ اصول وآداب 63

● دوسرا مرحلہ: جواب تلاش کرنا۔ اصول وآداب 64

● ائمۂ ثلٰثہ کے مسلک کی مستند ومتداول کتابیں 66

● مذہبِ شافعی کی کتبِ معتمدہ 67

● مذہبِ مالکی کی کتبِ معتمدہ 67

● مذہبِ حنبلی کی کتبِ معتمدہ 68

● مفتی کے لئے درکار سرمایۂ کتب 70

● کتبِ فقہ وفتاوی عربی 70

● کتبِ فقہ وفتاوی اردو 71

● کتبِ تفسیر عربی واردو 73

● شروحاتِ حدیث مع متون ومجموعے 74

● کتبِ سیرت وتاریخ عربی واردو 75

● کتبِ فقہِ مقارن 76

● کتبِ ادلّۃ الحنفیۃ 77

● لغات ومعاجم 77

● کتبِ اسرار ومقاصدِ شریعت 77

● ڈیجیٹل اور آئن لائن ذخیرہ 78

● تیسرا مرحلہ: فتوی کو جامع طریقہ پر مرتب کرنا۔اصول وآداب 78

● چوتھا مرحلہ: فتوی کو کاغذ یا کاپی پر نقل کرنا۔اصول وآداب 80

فقہ وفتاوی سے مناسبت اور اس میں رسوخ کی شکلیں

● فقہ کی تعریف 83

● فتوی کی تعریف 83

● فتوی اور قضاء میں فرق 84

● فتوی کی نزاکت واہمیت 85

● فتوی دینے کے مراتب 88

● مفتی کے اوصاف 90

● فقہ وفتاوی میں رسوخ کے لئے درکار چیزیں 97

● (ا) مسلسل محنت یا کثرتِ مطالعہ 97

● عربی کتبِ فتاوی کا مطالعہ 99

●اردو کتبِ فتاوی کا مطالعہ	101
●عربی کتبِ قواعد فقہ کا مطالعہ	102
●اردو کتبِ قواعد فقہ کا مطالعہ	104
●عربی و اردو کتبِ اصولِ فقہ کا مطالعہ	105
●عربی فقہی رسائل کا مطالعہ	108
●اردو فقہی رسائل کا مطالعہ	109
●(۲) للّٰہیت اور تعلق مع اللہ	111
●صوفیاء و اولیاء سے نسبت رکھنے والے علماء و فقہاء کی ایک فہرست	113
●(۳) ماہر و موفق مفتیانِ کرام کی صحبت	115
●(۴) غایتِ احتیاط	117

بابِ دوّم

قضاء کے نظری مباحث

●تمہید و تقریب	121
●قضاء کے نظری مباحث	124
●قضاء کے لغوی معنی	124
●قضاء کے شرعی معنی	124
●قضاء کا ثبوت	126
●کتاب اللہ سے ثبوت	126
●سنت رسول اللہ سے ثبوت	127
●قولی سنت	127
●فعلی سنت	128
●اجماع سے ثبوت	130
●قیاس سے ثبوت	131

● قضاء کی اہمیت وضرورت 132

● قاضی کے لئے درکار شرائط وہدایات 133

● ہندوستان جیسے ممالک میں نظامِ قضاء کا قیام 135

● قوتِ نافذہ کی فقہی حیثیت 140

● دارالقضاء اور محکمہ شرعیہ میں فرق 142

● قاضی ومفتی یا قضاء وافتاء میں فرق 145

● قاضی کا دائرہ کار 147

● دارالقضاء کے فیصلوں کی حیثیت ملکی عدالتوں میں 148

● اُنیس اسبابِ فسخ وتفریق 150

● قضاء کے چند اہم مسائل 152

● الف: دعوی، مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف 152

● ب: مدعی علیہ سے ثبوت وگواہان لینا 155

● ج: گواہوں سے حلف لینا 156

● د: نکول عن الحلف کی حیثیت 157

● ہ: وکیلِ مسخر اور قضاء علی الغائب کا مسئلہ 159

● قضاء سے متعلق تیس ضروری کتابوں کا تعارف 160

قضاء کی عملی مشق

● دارالقضاء کی تعریف 167

● قاضیٔ شریعت کی تعریف 167

● منشی یا محرر کی تعریف 167

● عرضی دعوی کی تعریف 168

● عرضیٔ دعوی کے قابل قبول ہونے کے شرائط 169

● عرضیٔ دعوی کا نمونہ 170

● مثنیٔ عرضیٔ دعوی کی تعریف 171

● بیانِ تحریری کی تعریف 171
● بیانِ تحریری کے مشمولات 171
● رجسٹر اندراجِ مقدمہ کی تعریف 171
● رجسٹر اندراجِ مقدمہ کا نمونہ 172
● فردِ احکام یا فردِ کاروائی کی تعریف 173
● فردِ احکام کا نمونہ 176
● نمونہ اطلاع بنام مدعیٰ علیہ برائے طلب بیانِ تحریری 177
● نمونہ اطلاع بنام مدعیہ 178
● نمونہ اطلاع برائے پیشی وسماعتِ مقدمہ 179
● مقدمہ کی سماعت 180
● نمونہ حاضری فارم 182
● وکیل بنانا 183
● نمونہ وکالت نامہ 183
● فیصلہ کی ترتیب 184
● نمونہ اعلان مفقود الخبر 186
● نمونہ اعلان غائب غیر مفقود 187
● دار القضاء کی کارروائی کے چار مراحل پر اجمالی نظر 188
● نمونہ کابین نامہ 189
● **ایک مقدمہ کی کارروائی کا مکمل نمونہ** 192

بابِ سوّم

مقالہ نگاری: اصول وآداب

● جاندار تحریر کے اوصاف 230
● تحریر کو مفید بنانے والے عناصر 232

● مقالہ نگاری کے مراحل 233

● (۱) موضوع کا انتخاب 233

● (۲) موضوع سے متعلق ذیلی عناوین کی خاکہ سازی 234

● (۳) مواد کا استخراج یا معلومات جمع کرنا 236

● (۴) مقالہ اور رسالہ کو قلمبند کرنا 237

● مقالہ کی تبییض 238

● (۵) نظرِ ثانی اور مناقشہ 240

● رموزِ اوقاف 242

● (۱) سکتہ یا وقف خفیف (،) 242

● (۲) وقفہ (؛) 243

● (۳) ختمہ یا وقفِ کامل (۔) 244

● (۴) سوالیہ یا استفہام (؟) 244

● (۵) ندائیہ یا استعجابیہ یا علامت تاثر (!) 245

● (۶) تفصیلیہ (:۔) 245

● (۷) دو نقطے (:) 246

● (۸) واوین یا علامتِ اقتباس (” “) 246

● (۹) قوسین ( ) 246

● (۱۰) مربع قوسین [ ] 247

● (۱۱) خطِّ فاصل (/) 247

● (۱۲) خطِ مستقیم (ـــ) اور نقطے (.....) 247

انتساب

استاذی و مرشدی سید الملت امیرِ شریعت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم کی خدمت میں !

جن کی ذاتِ بابرکات بندے کی نگاہ میں نہ صرف تزکیہ و احسان اور فقہ ِباطن کے میدان کی امام ہے بلکہ آپ فقہِ ظاہر کے ترجمان، مقاصدِ شریعت و اسرارِ دین کے عالی مقام معلّم بھی ہیں نیز وقتاً فوقتاً لوگوں بلکہ تنظیموں کے باہمی نزاعات و اختلافات کو حل فرما کر "اصلاحِ ذات البین" کی عظیم الشان دینی و ملّی خدمت انجام دینے والے بزرگ ہیں، بندہ اس تالیف کو حضرتِ والا کے نامِ نامی سے منسوب کر کے بارگاہِ الٰہی میں اس کاوش کی قبولیت کا خواستگار ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرتِ والا کے سایۂ رحمت کو صحت و سلامتی و عافیت کے ساتھ تا دیر قائم رکھے اور حضرت کے فیوض و برکات و تعلیمات سے ہم سب کو مستفید فرمائے !

آمین یارب العالمین۔

العبد محمد مکرم محی الدین عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم

جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا وسکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اسلام کا مقصد زمین میں عدل وقسط کو قائم کرنا ہے، بہت سے مسائل وواقعات ایسے ہیں، جن میں انسان اپنی عقل وفہم کے ذریعہ عدل وانصاف کی جہت کو طے کرسکتا ہے؛ لیکن ایک بڑی تعداد ایسے مسائل کی ہے، جس میں انسانی عقل نقطۂ عدل کا ادراک کرنے سے قاصر ہے، ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت انسان کی رہنمائی کرتی ہے، وہ انسان کو ظلم سے بچاتی اور عدل واعتدال کے راستہ پر قائم رکھتی ہے، اس کے لئے دو باتیں ضروری ہیں: ایک تو احکام شریعت سے واقف ہونا، دوسرے: احکام شرعیہ کو نافذ کرنا، اور خاص کر جب کسی مسئلہ میں نزاع پیدا ہوجائے تو ایسا حکم جاری کرنا جو انصاف پر مبنی ہو۔

پہلے مقصد کے لئے مسلم سماج میں ''دارالافتاء'' کا نظام قائم ہے، جس میں مفتی حرام وحلال، جائز وناجائز اور حقوق وواجبات کے بارے میں سوالات کے جوابات دیتا ہے، یہ بڑا اہم کام ہے، اس کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ امت میں سب سے پہلے مفتی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اہل علم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کو جمع کیا ہے، جن میں منصوص مسائل بھی ہیں اور اجتہاد پر مبنی مسائل بھی، فرق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ معصوم تھے؛ اس لئے ایک تو آپ سے اجتہاد میں خطا نہیں ہوتی تھی اور اگر کوئی لغزش ہو بھی جائے تو منجانب اللہ آپ کو اس پر برقرار نہیں رکھا جاتا تھا، پھر اکابر صحابہؓ نے فتویٰ کی خدمت انجام دی، اور اس کے بعد ہر دور میں صاحب نظر محقق اور برگزیدہ علماء نے اس ذمہ داری کو بہت ہی حُسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا، بحمد اللہ یہ تسلسل آج تک جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا، پہلے مسلم حکومتوں کے یہاں بھی یہ عہدہ ہوتا تھا، آج بھی بعض ملکوں میں حکومت کے متعین کئے ہوئے مفتی ہوتے ہیں؛ لیکن برصغیر میں جب مسلم

حکومتیں ختم ہوئیں تو دینی مدارس نے اس ذمہ داری کو قبول کیا، بظاہر اس میں خیر بھی ہے؛ کیوں کہ حکومت کے زیر اثر کام کرنے والے ادارے اکثر غیر جانبداری کے ساتھ کام نہیں کر پاتے۔

احکامِ شریعت کی تنفیذ کے لئے تین ادارے قائم تھے، ایک: نظام قضاء، دوسرے: دفعِ مظالم، تیسرے: احتساب، دفع مظالم کے تحت چھوٹے موٹے اختلافات کے فیصلے کئے جاتے تھے، احتساب کے تحت عوامی مقامات پر ہونے والے خلاف شرع کاموں کو روکا جاتا تھا، جیسے اذان ہونے کے باوجود دوکانیں کھلی ہوتیں تو دوکانداروں کو تنبیہ کی جاتی، ماضی قریب تک سعودی عرب میں یہ شعبہ ’’امر بالمعروف‘‘ کے نام سے کارکرد تھا، افسوس کہ امریکہ واسرائیل کی بڑھتی ہوئی دوستی اور سعودی عرب کے نظام میں مداخلت کی وجہ سے یہ شعبہ ختم ہوکر رہ گیا ہے، تیسرا: سب سے اہم شعبہ ’’قضاء‘‘ کا ہے، امت کے سب سے پہلے قاضی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں حضرت ابو بکر وعمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فیصلے کئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قضاء کے سلسلہ میں خصوصی بصیرت سے نوازا تھا؛ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سب سے بڑا قاضی قرار دیا تھا۔

چوں کہ کسی بھی مہذب سماج کے لئے نظام عدل کا قائم رہنا ضروری ہے؛ اس لئے ہمیشہ سے یہ نظام قائم ہے اور فقہاء نے صراحت کی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی حکومت نہ ہو اور مسلمان اقلیت میں ہوں، وہاں بھی مسلمانوں کا اپنا نظام قضاء ضروری ہے؛ کیوں کہ شریعت کے بہت سے احکام قاضی کے بغیر جاری نہیں ہو سکتے، ہندوستان میں جب مغل حکومت ختم ہوگئی، اور برطانیہ کا اقتدار قائم ہو گیا تو سب سے پہلے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے فتویٰ دیا کہ مسلمانوں پر نظام امارت اور نظام قضاء قائم کرنا واجب ہے، برطانوی عہد میں مختلف اہل علم نے اس کی کوشش کی؛ لیکن حضرت مولانا ابو المحاسن سجادؒ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انھوں نے منظم طور پر بہار میں امارت وقضاء کے نظام کی تشکیل فرمائی،

پھر اس کے کافی عرصہ بعد ہندوستان کے بعض دوسرے علاقوں میں نظام قضاء کا قیام عمل میں آیا، یوں تو کتب فقہ میں جو ابواب پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں، ان میں افتاء وقضاء کے مسائل بھی آتے ہیں، علوم اسلامی کے ہر مدرس وطالب علم کی نظر سے یہ بحث گزرتی ہے؛ لیکن دو کمیاں باقی رہ جاتی ہیں، ایک تو بہت سی بحثیں اجمال واختصار کے ساتھ آتی ہیں، دوسرے: افتاء وقضاء کے لئے صرف نظری معلومات کافی نہیں ہیں؛ بلکہ عملی تربیت بھی ضروری ہے، کتابوں کا مطالعہ یا اس کا درس اس ضرورت کو پوری نہیں کرتا؛ اس لئے اعلیٰ دینی درسگاہوں نے تربیت افتاء اور تربیت قضاء کا نظام قائم کیا، جس میں زیادہ تر عربی زبان کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اردو زبان میں اس موضوع پر بہت کم تصنیفی وتالیفی کام ہوا ہے، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی کتاب ’’الفسخ والتفریق اور ادب القاضی‘‘ نیز حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی ’’اسلامی عدالت‘‘ اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ اس اہم موضوع پر میرے عزیز دوست جناب مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی زید مجدہ استاذ دارالعلوم حیدرآباد نے قلم اٹھایا ہے اور ’’تحفۃ المفتی والقاضی‘‘ کے نام سے یہ مفید کتاب مرتب کی ہے، جس میں ایک طرف شعبۂ افتاء کی درسی کتابوں کا تعارف، فتاویٰ نویسی کے اصول وآداب، فتاویٰ سے مناسبت کے لئے مطلوبہ جدوجہد پر روشنی ڈالی گئی ہے تو دوسری طرف قضاء کے مختلف مراحل سے متعلق احکام اور ان کی عملی مشق بھی پیش کی گئی ہے اور اس ذیل میں مختلف دستاویزات کا مسودہ بھی شامل کیا گیا ہے، جس سے عملی کام میں سہولت بہم پہنچتی ہے، اخیر میں اس موضوع سے غیر متعلق؛ لیکن طلبہ کے لئے مفید ایک مضمون کا اضافہ کر دیا گیا ہے، اور وہ ہے: مقالہ نگاری کے اصول وضوابط۔

راقم الحروف نے اس کتاب کے اکثر حصہ کا مطالعہ کیا ہے، اور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ طلبۂ عزیز کے لئے ایک مفید کتاب ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور انہیں مزید علمی کاموں کی توفیق میسر ہو۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۲۰؍محرم الحرام ۱۴۴۳ھ
۳۰؍اگست ۲۰۲۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

امین الفقہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

صدر مفتی ونائب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

افتاء ایک مہتم بالشان کام ہے، اس سے بندگانِ خدا کو شرعی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، منزل کی صحیح اور سیدھی سمت کا پتہ چلتا ہے اور بالواسطہ منشاءِ خداوندی کو جان کر اس پر عمل کی سعادت نصیب ہوتی ہے، یہ بہت ہی اجر وثواب کا باعث کام ہے، اس کی نسبت بہت اعلیٰ ہے، سب سے پہلے مفتی، اللہ تعالیٰ ہیں۔ (النساء: ۱۲۷و۱۷۶) پھر وحی الٰہی کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذمہ داری اپنی پوری زندگی بحسن وخوبی انجام دی ہے، آپ علیہ السلام کے بعد آپ علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبعِ تابعین اور فقہائے امت رحمہم اللہ نے اس فریضہ کو ادا کیا اور آج بھی کر رہے ہیں، اس اپنے وفضیلت کے باوصف یہ ایک نازک اور حساس کام ہے، پُرخطر اور دشوار گزار راہ ہے، ایک سنگلاخ وادی ہے جس کا عبور کرنا ہر کس و ناکس کے لئے آسان نہیں ہے، یہاں لاپرواہی کوتاہی اور بے جا جرأت وجسارت گنہگاری ومحرومی کا سبب بن سکتی ہے۔ (ابوداؤد حدیث نمبر: ۳۶۵۷) اور امت کی ایک خاصی تعداد کے لئے گمراہ کن بھی ہوسکتی ہے۔

قضاء بھی دین کا ایک اہم شعبہ ہے، اس سے دنیا میں عدل وانصاف کا قیام ہوتا ہے، لوگوں کے حقوق تلف ہونے سے بچ جاتے ہیں اور جرائم پر قدغن لگایا جاتا ہے، انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام جہاں دینِ حق کے پیغمبر تھے اور امت کو صراطِ مستقیم کی تبلیغ فرماتے تھے وہیں ان کے مابین پیش آنے والے مسائل کو حل بھی فرماتے تھے، حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کا واقعہ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔ (الانبیاء: ۷۸، ۷۹) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے گئے فیصلے بھی

کتبِ احادیث میں موجود ہیں، آپ کے بعد آپ کی امت کے علماء وفقہاء نے اس کا بارِ گراں اپنے کندھوں پر لیا ہے؛ لیکن یہ شعبہ بھی بڑا نازک اور حساس ہے، قاضی کی بے راہ روی مجرمین کی پشت پناہی، حق تلفی اور عدل وانصاف کے خاتمہ کا سبب بن جاتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس کی نزاکت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے: جس شخص کو قضاء کی ذمہ داری دی گئی اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔(ابوداؤد حدیث نمبر:۳۵۷۱)

مذکورہ دونوں شعبوں کی اہمیت اور حساسیت کی بنا پر ہی اسلاف اس منصب کو قبول کرنے سے کتراتے تھے، اور اگر قبول کرلیں تو اللہ کے حضور جواب دہی کو مدنظر رکھ کر اس ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے اس میدان میں نہایت ہی حزم واحتیاط سے قدم رکھا اور خارزاروں سے اپنا دامن بچا کر لے جانے کی کوشش کی۔

ایک مفتی اور قاضی کے لیے یہ ازحد ضروری ہے کہ وہ احکامِ شریعت میں بے باک نہ ہو، بلاعلم رائے زنی اور اجرائے فیصلہ سے اجتناب کرے اور غایت درجہ حزم واحتیاط سے کام لے، اس وجہ سے علماء نے قضاء کے لیے کتبِ حدیث وفقہ میں مستقل ایک باب قائم کرکے قضاء کے اصول وآداب اور قاضی کی ذمہ داریوں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، یہ بھی واقعہ ہے کہ اردو زبان اس موضوع کی کتابوں سے تہی دامن ہے، اور افتاء کے اصول وآداب کے متعلق باضابطہ اگرچہ کم کام ہوا؛ لیکن اس موضوع پر بھی کتابیں تحریر کی گئی ہیں، جن سے مفتیان کو راہ نمائی مل سکتی ہے، ان میں قابلِ ذکر: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ''آداب الفتوی والمفتی والمستفتی'' علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی ''اعلام الموقعین''، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی ''شرح عقود رسم المفتی'' حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات بہ نام ''آداب افتاء واستفتاء'' جنہیں مولانا زید مظاہری ندوی مدظلہ نے ترتیب دیا ہے، مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی ''اصول الافتاء وآدابہ'' اور مفتی سلمان منصور پوری زید مجدہم کی ''فتوی نویسی کے رہنما اصول'' ہیں۔

ہندوستان میں جو شعبہ افتاء وقضاء کا نظام جاری ہے، وہ ایک امتیازی اور خصوصی حیثیت کا حامل ہے، یہ ایک مستقل نظام ہے جس کے لئے تربیت اور مشق وتمرین ضروری ہے، افتاء اور قضاء

کے اصول وآداب کے متعلق کتابیں تو ایک معتد بہ تعداد میں موجود ہیں؛ لیکن خاص اس نظام کو سامنے رکھ کر کتب ورسائل ترتیب دینے کی جانب کماحقہ توجہ مبذول نہیں کی گئی؛ لہٰذا اس موضوع پر کام کرنے اور ایک جامع ومختصر کتاب ترتیب دینے کی ضرورت تھی، خوشی کی بات ہے کہ مولانا مفتی محمد مکرم محی الدین صاحب قاسمی زید علمہ وفضلہ...... جو ایک جید عالم اور مفتی ہیں، ملک کی مثالی دینی درسگاہ دار العلوم حیدرآباد کے کامیاب استاذِ فقہ وحدیث ہیں، اسی کے ساتھ ایک بہترین مصنف اور مؤلف بھی ہیں، مختلف موضوعات پر آپ کے قلم گہربار سے کتب ورسائل نکل کر عوام وخواص سے دادِ تحسین حاصل کرچکے ہیں، آپ نے تحقیق وتدقیق کا شستہ ذوق پایا ہے، اور یہ رنگ آپ کی تحریرات پر غالب رہتا ہے..... نے بہتر طریقہ سے اس ضرورت کی تکمیل کی ہے، چناچہ آپ نے اوّلاً شعبہ افتاء کی درسی کتابوں کا تعارف پیش کیا ہے، پھر فتوی نویسی کے آداب پر روشنی ڈالی ہے، اور فقہ میں گہرائی وگیرائی حاصل کرنے کے طرق واسباب بیان کئے ہیں، اس کے بعد قضاء کے جامع واہم مباحث کا ذکر کیا ہے، پھر ہندوستان کے اندر جو دار القضاء کا نظام ہے اس کے مطابق عملی مشق کی جانب رہ نمائی کی ہے، پھر چوں کہ دار الافتاء کا فتوی ہو یا دار القضاء کا فیصلہ ہر دو میں تحریر وکتابت کا اہم کردار ہے، ان دونوں کی زبان قانونی ہوتی ہے، نپے تلے الفاظ اور جملے ان میں استعمال کیے جاتے ہیں، نیز جدید موضوعات پر مفصل طریقہ سے خامہ فرسائی کی ضرورت پڑتی ہے، ان امور کے پیشِ نظر مصنف نے مقالہ نگاری کے اصول وآداب بھی بیان کئے ہیں، اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ہر بات باحوالہ بیان کی گئی ہے، اور فقہائے کرام کی منتشر ابحاث کو سلیقہ کے ساتھ یکجا طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

غرض یہ ایک عمدہ اور بہترین کتاب ہے، علمائے کرام بالخصوص شعبہ افتاء وقضاء کے طلبہ کے لیے ایک بڑی نعمت ہے، اس سے ان کو بڑی حد تک رہ نمائی ملے گی اور ان کے لئے ان دونوں شعبوں میں معاون ثابت ہوگی، ہر طالب علم کے پاس یہ کتاب ہونی چاہیے تا کہ وہ اس کے ذریعے اپنا لائحہ عمل طے کرے اور ایک ماہر وجید مفتی وقاضی بن کر ملت کی خدمت کرسکے۔

آخر میں راقم السطور مولانا کو اس علمی کام پر مبارک باد پیش کرتا ہے، اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ

اس کتاب کو قبولیت عامہ سے نوازے، مؤلف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، علماء وعوام کے لئے اس کو نفع بخش بنائے اور مؤلف عزیز کے قلم کو یوں ہی تازہ شگفتہ رکھے؛ تاکہ ایسی مفید تصنیفات وجود میں آتی رہیں۔ آمین

۷/ ۴/ ۱۴۴۳ھ — محمد جمال الدین

۱۳/۱۱/۲۰۲۱ء — خادم دارالعلوم حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

حضرت مولانا مفتی انعام الحق صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صدر محکمۂ شرعیہ حیدرآباد و مترجم اعلاء السنن

دینی نظام تعلیم میں عالمیت وفضیلت سے فراغت کے بعد تخصصات کی تعلیم ایک خصوصی حصہ بن گئی ہے، اپنے ذوق کے لحاظ سے طلبہ علوم اسلامیہ تفسیر، حدیث، فقہ اور دعوہ کے تخصصات کے شعبوں میں سے کسی ایک شعبہ کا انتخاب کرتے ہیں، کچھ طلبہ کا ذوق زبانوں کی مہارت بھی ہوتا ہے بالخصوص انگریزی زبان کی مہارت پیدا کرنا پچھلے دنوں ایک اہم مقصد بن گیا ہے، اس کی بنیادی غرض بھی اس زبان میں دعوت اسلام پیش کرنا ہے، یہ متخصصین اپنے منتخبہ شعبہ میں خصوصی مہارت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور الحمد للہ ان شعبوں سے فراغت کے بعد کسی نہ کسی اعتبار سے دینی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہوجاتے ہیں، اور تخصص کے ان شعبوں میں مہارت پیدا کرنے سے خدمتِ دین کیلئے خود ان اصحابِ علم کو اور معاشرہ دونوں کو اچھا نفع ہوتا ہے، اس لئے طلبۂ علومِ اسلامیہ کو فضیلت کے بعد تخصص کے کسی شعبہ میں مہارت ضرور پیدا کرنا چاہئے۔

اصحابِ علم میں ان شعبوں میں سے شعبۂ افتاء یا بالفاظِ دیگر تخصص فی الفقہ کی بڑی اہمیت ہے، اس شعبہ سے ایک تو معاشرہ کی بہ نسبت زیادہ اہم ضرورت یعنی عملی مسائل میں رہنمائی کی مہارت حاصل ہوتی ہے، اصول کی گہری معرفت پیدا ہوتی ہے، اور فتوی دینے کی اہلیت بھی حاصل ہوتی ہے، نہ صرف جزوی مسائل بلکہ عقائد کی بھی گہری واقفیت شعبہ افتاء کا خاص موضوع ہے، جیسا کہ جدید وقدیم فتاوی کی کتب میں اس موضوع پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، اس لئے فضیلت کے بعد اہلِ علم کے درمیان مفتی بننے کا شوق زیادہ غالب رہتا ہے؛ لیکن اِدھر ایک عرصہ سے افتاء کے کورس کی تربیت دینے والے اداروں کی بہتات ہوگئی ہے،

جبکہ پہلے بہت تجربہ کار اصحاب علم ہی اس طرح کے شعبوں کو قائم کرتے تھے؛ مگر اب جگہ جگہ افتاء کی تربیت دینے والے ادارے وجود میں آگئے ہیں، کچھ میں واقعی طلبہ پر بڑی محنت کی جاتی ہے، اور ایسے اداروں سے فارغ طلبہ کچھ بن کر نکلتے ہیں؛ لیکن کچھ ادارے ایسے بھی ہیں جہاں افتاء کے موضوع پر مہارت پیدا کرنے پر کوئی خاص توجہ نہیں دکھائی دے رہی ہے؛ بلکہ تربیتِ افتاء کے اہم موضوعات سے مناسبت بھی پیدا نہیں ہوتی، افتاء کے نصاب کی کتابیں، تخریجِ فتاوی کی بنیادی کتابیں؛ امہاتِ کتب، متون وشروح، مصادر ومراجع کی بنیادی شد بد بھی مفقود ہوتی جا رہی ہے۔

ایسے میں شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اکابر واسلاف کے یہاں تربیتِ افتاء کے لئے جن خطوط پر کام ہوتا تھا، نظام ونصاب کے تعارف پر کوئی کتاب منصۂ شہود پر آجائے تاکہ اصحاب علم اس سے استفادہ کرکے طلبہ پر محنت کرسکیں نیز خود طلبہ بھی ان گوشوں سے واقفیت حاصل کرکے خود بھی اپنے اندر استعداد مضبوط کرنے کی کوشش کرسکیں، اللہ جزاء خیر دے برادرِ محترم مولانا مفتی محمد مکرم محیی الدین قاسمی صاحب کو، جو فقہ کی کتابوں کی تدریس، اور فقہ ومسائل کے موضوع پر متعدد کتابوں کی تصنیف وتالیف کا تجربہ رکھتے ہیں، انہوں نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اور اس کتاب کے ذریعہ اس ضرورت کو بڑی جانفشانی سے پورا کیا، جس میں آنموصوف نے شعبۂ افتاء کے تعارف پر کلام کیا ہے، اور اس شعبہ کی درسی کتب کا تعارف ان کی شروحات، فتوی نویسی کے اصول، فقہ وفتاوی سے مناسبت بلکہ رسوخ پیدا کرنے والے مضامین اور کتبِ فتاوی اور کتبِ قواعد کی اہم ترین کتابوں پر رہنمائی کی ہے۔

اس کتاب کا دوسرا اہم موضوع ''نظامِ قضاء کا تعارف'' ہے، قضاء اسلام کا اہم ترین شعبہ ہے، مسلمانوں کو اپنے باہمی تنازعات شریعت مطہرہ کی روشنی میں حل کرنے کا حکم ہے، اور ملت کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ یا تو امارتِ قہری سے خلیفۃ المسلمین، مسلمانوں کے درمیان نظامِ عدلیہ کے قیام کیلئے قضاء کے منصب پر اہل اصحاب کو فائز کریں، یا جہاں خلیفہ

المسلمین نہ ہو وہاں امارتِ ارادی یا تراضئ مسلمین سے قضاء کا کام جاری رہے، چنانچہ ہندوستان میں مغلوں کے بعد اکابر علماء نے اپنے اپنے وقت میں امارت وقضاء کے شعبہ کے قیام کیلئے محنتیں کی ہیں، ۱۹۲۰ سے جمعیۃ علماء ہند کی پہلے شرعی پنچائت کے عنوان سے اور پھر امارتِ شرعیہ ہند کے تحت محاکمِ شرعیہ کے نام سے اس شعبہ کے قیام واستحکام کے لئے تقریباً سوسالہ خصوصی محنت اور مستقل تاریخ ہے، امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ نیز مسلم پرسنل لاء بورڈ کی جانب سے دار القضاء کے اداروں کو بھی ملک کے طول وعرض میں اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔

موجودہ دور میں اس شعبہ کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، نزاعات بکثرت پیدا ہو رہے ہیں اوران کے حل کا کوئی نظام قائم نہیں ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ میں حقوق کی پامالی کا تانتا بندھا ہوا ہے، اس مسئلہ کا واحد حل شعبہ قضاء کو قائم کرنے اوراس کو مستحکم کرنے میں ہے، اوراس کے لئے امارتِ شرعیہ ہند و جمعیۃ علماء ہند کے اکابر نیز دیگر ادارے خصوصی فکریں کررہے ہیں، اس پس منظر میں اس شعبہ کی تربیت کے لئے ملک بھر میں صرف چندہ مراکز قائم ہیں۔

ضرورت تھی کہ اس شعبہ کے تعارف پر بھی رہنمائی ہو، چنانچہ اس کتاب میں اس شعبہ کے تعارف پر بھی مولانا مفتی محمد مکرم محی الدین قاسمی صاحب نے خصوصی توجہ دی ہے، اوراس کتاب میں اس شعبہ کے اصولی مباحث ومضامین کے علاوہ یہ بھی رہنمائی کی ہے کہ یہ نظام کیسے چلے گا، جولوگ اس شعبہ پرکام کرنا چاہتے ہیں، انہیں اس کتاب سے ان شاء اللہ العزیز خاصی رہنمائی حاصل ہوگی، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آنموصوف کوان کی مساعی پر بہترین اجرعطاء فرمائے اوراس کتاب کے افادہ کو عام فرمائے وما ذلک علی اللہ بعزیز، آمین۔

انعام الحق

خادم محکمہ شرعیہ حیدرآباد

یکم/جنوری ۲۰۲۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

درسِ نظامی کے جملہ شعبہ جات میں تخصص فی الفقہ والافتاء کا شعبہ، انفرادی وامتیازی شان کا حامل شعبہ مانا جاتا ہے، معتبر اداروں میں مطلوبہ معیار پر اترنے والے طلبہ ہی کو اس شعبہ میں داخلہ دیا جاتا ہے، اس شعبہ میں طلبہ کو دن رات کتابوں کے درمیان ہی اپنی سانسیں لینا پڑتا ہے، جان توڑ محنت کرنے والے طلبہ ہی یہاں سے کُندن بن کر نکلتے ہیں، درس ومطالعہ اور فکر وفہم کی یہاں ایسی راہیں کھلتی ہیں جن سے طالبِ علم اب تک ناآشنا ہوتا تھا، تمرین وتحقیق کے لئے ایسی دماغ سوزی کرنی ہوتی ہے کہ دیکھنے والوں کو گویا رحم آتا ہے، تاہم سچی بات یہ ہے کہ بحث ونظر کا حقیقی لطف وشعور طالب علم کو یہیں دریافت ہوتا ہے۔

دوسری جانب یہ بھی حقیقت کہ جس طالبِ علم نے اس شعبہ کی ناقدری کی، اوقات کو گنوایا، صرف سالانہ امتحان میں کامیابی کے لئے رسمی محنت کی، علم وتحقیق کا رنگ اپنے اوپر نہیں چڑھایا، علم کی ناختم ہونے والی پیاس نہیں پیدا کی، اساتذہ کی محنتوں اور عنایتوں سے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا، وہ پھر اس میدان میں کام کرنے کے قابل نہیں رہتا اور آئندہ اس نقصان کی تلافی کا کم ہی موقع اسے ملتا ہے اور ایسا طالب علم اَدھورا رہ جاتا ہے۔

تخصص فی الفقہ والافتاء میں ایک طرف تو فقہ وفتاوی کا مزاج بنانے والی کتابوں کو پڑھایا جاتا ہے تو دوسری طرف باقاعدہ طور پر فتوٰی نویسی کی مشق بھی کروائی جاتی ہے، اس دو رخی محنت سے بالآخر محنتی طلبہ کو فقہ وفتاوی سے مناسبت ہو ہی جاتی ہے، جسے وہ اپنی شخصی لگن اور جہدِ مسلسل کے ذریعے اَوجِ ثریّا پر بھی پہنچا سکتے ہیں، افتاء کے خواہشمند اسی طرح اس شعبہ میں داخلہ پانے والے خوش نصیب طلبہ اگر اپنی سرگرمیوں کے آغاز سے قبل اس شعبہ کے ماحول وموسم سے واقف ہو جائیں اور پڑھائی جانے والی کتابوں کی اہمیت اور تمرینِ فتاوی کے لئے درکار اصول وضوابط سے آگاہی حاصل کرلیں تو اس شعبہ سے نہ صرف جلد مانوس ہو جائیں گے بلکہ اس کے تقاضوں سے بھی جلد اپنے آپ کو ہم آہنگ کرلیں گے۔

اِدھر مسلمانوں کی سیاسی وسماجی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے ملک کے بہت سارے اداروں نے شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء کے ساتھ ''قضا'' کی ضروری بحث وتمرین کو بھی شامل نصاب کرلیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک بہت ہی دانشمندانہ اور دوراندیشانہ اقدام ہے، ازہرِ دکن جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کے شعبہ افتاء میں بھی عرصہ دراز سے یہی نظام جاری ہے، بندہ کو بھی بحمد اللہ ناظمِ جامعہ جناب مولانا محمد رحیم الدین انصاری صاحب زید مجدہم کی کرم فرمائی اور استاذِ گرامی امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہم صدر مفتی وصدر شعبہ افتاء ونائب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کی عنایت ومہربانی سے اس شعبہ میں سات آٹھ سال درِ مختار کی تدریس کے علاوہ تمرینِ قضاء اور چند طلبہ کی تمرینِ فتوی کے حوالے سے خدمت کا موقع ملا ہے۔

اِس پسِ منظر میں بندے نے میدانِ افتاء کے ماہر علمائے کرام کی تحقیقات اور باتوفیق اکابر مفتیانِ کرام کے افادات سے خوشہ چینی کرتے ہوئے کچھ اہم نوٹس اور محاضرے تیار کئے تھے، خیال ہوا کہ اس کو مرتب کرکے شائع کیا جائے کیونکہ بندہ کو ذاتی طور نہ صرف ان یادداشتوں سے فائدہ ہوتا ہے بلکہ تدریس میں بھی اس سے بڑی معاونت ملتی ہے اور اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ طلبہ افتاء وقضاء بھی اپنے علمی سفر میں اس سے ضرور فائدہ محسوس کریں گے، اس ترتیب وتحریر میں یقیناً کچھ خامیاں اور فروگزاشتیں باقی رہ گئی ہوں گی جن کی طرف بندے کی نظر نہیں گئی ہوگی، عالی مقام قارئین اور اہلِ علم سے استدعا ہے کہ وہ ان پر تنبیہ فرماکر ممنون فرمائیں۔

اِس موقع پر بندہ اپنے استاذ ومرشد سید الملت عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم العالیہ (امیرِ شریعت تلنگانہ وآندھرا) کا بے انتہا ممنون ہے کہ حضرتِ والا نے اس حقیر کاوش پر نہ صرف پسندیدگی کی نگاہ ڈالی بلکہ اپنی مقبول دعاؤں سے حوصلہ افزائی فرمائی، فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم، امین الفقہ حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہم اور شہرِ حیدرآباد کے معروف ومؤقر اور سینئر مفتی وقاضی حضرت مولانا انعام الحق

صاحب قاسمی عمت فیوضہم کا احسان مند ہوں کہ ان بزرگوں نے اپنی بلند پایہ تقریظات کے ذریعے اس طالبِ علم کی حوصلہ افزائی فرمائی، خاص طور پر مفتی انعام الحق صاحب مدظلہ نے بابِ دوم جو قضا کے مباحث سے متعلق ہے، اس کو حرفاً حرفاً ملاحظہ فرما کر مفید مشوروں سے نوازا، اور حضرت الاستاذ مفتی محمد جمال الدین صاحب دامت برکاتہم نے ازاوّل تا آخر اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی نوک و پلک کو درست فرمایا اور اپنی علمی سرپرستی ورہنمائی سے مشرّف فرمایا، اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کا سایۂ عاطفت صحت و عافیت کے ساتھ دراز فرمائے اور حضرت کی دائمی علمی سرپرستی عطا فرمائے۔

اِسی طرح اپنے مخدوم و محسن بزرگ حضرت مولانا محمد رحیم الدین انصاری صاحب زید مجدہم ناظم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کا بھی شکرگزار ہوں کہ جن کی عنایت وشفقت کے نتیجے میں نہ صرف یکسوئی سے علومِ اسلامیہ کی تدریس کا موقع ملا بلکہ آنجناب کی تحریک وتوجہ سے تحریری کاموں کو انجام دینے کی فکر وحوصلہ بھی نصیب ہوا، اپنے عالی مرتبت اور صاحبِ علم وفضل والدِ بزرگوار کا بھی بے حد ونہایت مشکور ہوں کہ جن کی نگرانی وسرپرستی کے طفیل اِس طرح کے علمی کام سرانجام پاتے ہیں، نیز صفا بیت المال انڈیا کے صدرِ عالی وقار حضرت مولانا غیاث احمد رشادی صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جنہوں نے صفا شریعت ہیلپ لائن میں افتاء وکونسلنگ کی خدمت کا موقع عنایت فرما کر بندے پر اعتماد فرمایا، الحمد للہ بندہ قریب دس سال سے، جب سے یہ شعبہ قائم ہوا ہے، اپنے رفیقِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد مجاہد خان صاحب مدظلہم نائب مفتی دارالعلوم رحمانیہ کی بافیض رفاقت میں شام کے اوقات میں یہاں مصروفِ کار رہتا ہے، اساتذۂ کرام وبزرگان میں بالخصوص تلمیذِ شیخ الاسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انصار صاحب دامت برکاتہم، فقیہ دکن حضرت مولانا مفتی محمد تجمل حسین صاحب قاسمی مدظلہ، سلطان القلم حضرت مولانا سید احمد ومیض صاحب ندوی مدظلہ، حضرت مولانا حافظ فیض اللہ قادری صاحب زید مجدہ، حضرت مولانا حافظ اسحاق کمال قادری صاحب حفظہ اللہ، حضرت مولانا مفتی سعد اللہ حمیدی قاسمی صاحب مدظلہ (کیلیفورنیا) حضرت مولانا احمد عبید الرحمٰن اطہر صاحب ندوی مدظلہ، حضرت مولانا محمد

موسیٰ خان صاحب ندوی مدظلہ، مولانا سید بشیر احمد اشرف حسامی صاحب اور رفقائے کرام میں مولانا محمد مجیب الدین حسامی صاحب ، مولانا محمد مجیب الرحمٰن صاحب دیودرگی ،جن کے مفید مشورے سے بندہ نے کتاب کے بابِ سوم کا اضافہ کیا ہے، مولانا غیاث الدین حسامی صاحب، مفتی سید ابراہیم صاحب قاسمی حسامی ،مفتی وقاضی عثمان بیگ صاحب حسامی، جو نہ صرف شہر کے ایک اُبھرتے ہوئے سنجیدہ متحرک ،صاحبِ قلم سلجھے ہوئے خطیب وعالمِ دین ہیں؛ بلکہ ملک بھر کے اکابر علماء سے بھی قریبی نسبت وتعلق رکھتے ہیں، موصوف ہی کے توسط سے بندہ کو''قضا'' سے متعلق ضروری اردو کتابوں تک رسائی ہوئی، ان تمام محسنین کا بندہ بے حد مشکور ہے اور بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام بزرگوں اور بندے کے جملہ اساتذہ ومعاونین اور خاندان کے بابرکت اکابر کو اپنے شایانِ شان اجرِ جزیل عطا فرمائے اور ان کی برکت سے اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرما کر اس کے نفع کو عام وتام فرمائے۔

آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ أجمعین والحمد للہ رب العالمین

فقط والسلام

العبد: محمد مکرم محی الدین عفی عنہ

۲۳ / جمادی الثانیہ ۱۴۴۳ھ

مطابق ۲۷ / جنوری ۲۰۲۲ء

بابِ اول

شعبۂ افتاء کی درسی کتابوں اور ان کی شروحات کا تعارف

فتوی نویسی کے اصول ومراحل

فقہ وفتاوی سے مناسبت اور اس میں رسوخ کی شکلیں

تعارفِ کتب کی اہمیت وضرورت

علامہ زاہدالکوثریؒ لکھتے ہیں:

مختلف علوم وفنون میں تالیف کردہ کتابوں کے حال احوال کی جان کاری بھی اہم ترین علوم میں سے ہے، ایک محقق اور مہم جو کے لیے بحث وتحقیق کا یہ پہلا مرحلہ ہے، جس آدمی کو اپنے موضوعِ بحث سے متعلق کتابوں کی معلومات نہ ہوں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تو اس کی جستجو وتلاش کا دورانیہ بڑھ جاتا ہے، بالفاظِ دیگر اوقات کا ضیاع ہوتا ہے اور دوسرے کوئی مفید نتائجِ بحث بھی اس کو حاصل نہیں ہوتے!

من اهم العلوم علم احوال المؤلفات فانه اول مرحلة من مراحل البحث لمن لم يتعود الاقتناع فی العلم بما حضر واراد التعمق فی علم الذی يعانيه بكل ما امكن ومن لا يعلم ما الف من الكتب فی موضوع بحثه يطول عليه أمد فحصه بدون ان يحصل منه علی طائل۔ (مقالات الکوثری: ۳۵۳)

علمِ فقہ خالص تحقیق کا علم ہے، آئے دن پیش آنے والے مسائل کے حکم کی تلاش اور تحقیق کی جاتی ہے، کتب میں تلاش کرنا پڑتا ہے، ان کی مراجعت کی جاتی ہے، مختلف کتب کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں، عبارت کی باریکیوں اور نکتوں کو سونچا جاتا ہے، یہ سب کچھ کرنے کے بعد حکم ہاتھ آتا ہے؛ لیکن ان تمام مراحل کی سب سے پہلی سیڑھی یہ ہے کہ باحث کو موضوع سے متعلق کتب سے واقفیت ہو، اگر موضوع سے متعلق کتابوں کا ہی علم نہ ہو تو ان میں سے محقَّق حکم کیسے تلاش کر کے نکالا جاسکتا ہے؟!۔

تعارفِ کتب میں وہ تمام امور شامل ہیں جو کسی بھی حوالے سے کتاب کی پہچان اور کتاب سے مانوس ہونے میں اضافہ کرتے ہوں، مثلاً کتاب کے مصنف کا علم ہونا، ایک مصنف کے ہاتھ پر کتاب مکمل ہوگئی تھی یا پھر کسی اور نے تکملہ لکھ دیا، مصنف کا کتاب میں اندازِ بیان کا علم ہونا، کتاب متن ہے یا شرح یا حاشیہ؟، اگر متن ہے تو اس کی کون کون سی

شروحات ہیں، اوران شروحات کی خصوصیت کا علم، کتاب پرکس کس نے تحقیق یا تعلیق کی ہے اورکس کی تحقیق یا تعلیق معیاری ہے، خصوصاً کتاب کے ان تمام امتیازی وجوہات کا علم ہونا، جس کی بناپروہ اپنی ہم موضوع کتب میں خاص امتیاز رکھتی ہے وغیرہ۔(ماہنامہ الفاروق، رجب المرجب ۱۴۳۷ھ) ذیل میں فقہ وفتاویٰ کی کچھ اہم کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

تنویر الابصار اور اُس کے مؤلف کا تعارف

نام: محمد بن عبداللہ بن احمد الخطیب التمر تاشی الغزّیؒ

تُمر تاش (بضمتین وسکون الراء) ایک گاؤں ہے، جو خُوارزم (بضم الخاء وفتح الواو والراء وسکون الزاء آخرہ میم) کے نواح میں واقع ہے، اور موجودہ اعتبار سے اُزبکستان کا ایک علاقہ ہے، بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ تمرتاشی ان کے جدِّ امجد کی طرف نسبت ہے، ان کے آباء واجداد کے ذمہ چونکہ غزہ شہر کی مشہور جامع مسجد جامعِ کبیر عمری کی خطابت سپرد تھی، اسی وجہ سے الخطیب ان کے آباء واجداد کے نام کا جز بن گیا۔

ولادت ووفات: علامہ تمرتاشی کی ولادت فلسطین کے شہر الغزہ میں ۹۳۹ھ میں ہوئی اور وفات بھی غزّہ ہی میں ۱۰۰۴ھ یا بقولِ بعض ۱۰۰۶ھ کو ہوئی ہے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم غزہ ہی میں ہوئی، پھر قاہرہ کی جانب متعدد بار حصولِ علم کے لئے سفر کیا، پھر غزہ میں واپس آگئے اور وفات تک یہیں رہے۔

اساتذہ: علامہ تمرتاشی کے اساتذہ میں شیخ محمد المشرقیؒ (متوفی: ۹۸۰ھ) ہیں، جو غزہ کے مفتی الشافعیہ تھے، اسی طرح صاحبِ البحر الرائق علامہ ابن نُجیم مصریؒ (متوفی: ۹۷۰ھ) اور شیخ امین الدین محمد بن عبد العال الحنفی المصریؒ (متوفی: ۹۷۱ھ) بھی آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

تلامذہ: علامہ تمرتاشی کے مشہور تلامذہ میں آپ کے ۲ لائق صاحبزادگان: شیخ محفوظؒ (متوفی: ۱۰۳۵ھ) اور شیخ صالح (متوفی: ۱۰۵۵ھ) ہیں، شیخ صالح نے زواھر الجواہر کے نام سے الاشباہ والنظائر کی شرح بھی لکھی ہے، اس کے علاوہ معونۃ المفتی کے نام سے بھی ان کی ایک مفید تصنیف موجود ہے، عام طور پر ''ابن المصنف'' کے عنوان سے الدر المختار میں ان کے جابجا حوالے پائے جاتے ہیں، مصر کے منصبِ افتاء پر بھی آپ فائز تھے، اسی طرح شیخ محمود بن صلاح الدین بن ابی المکارمؒ (متوفی: ۱۰۴۳ھ) نے بھی آپ سے خوب استفادہ کیا۔

علمی مقام: علامہ تمرتاشیؒ کے علمی مقام کو صاحبِ خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: ''**کان اماما فاضلا کبیرا حسن السمت، جمیل الطریقۃ، قوی الحافظۃ، کثیر الاطلاع و بالجملۃ فلم یبق فی آخر امرہ من یساویہ فی الدرجۃ** یعنی آپ بلند پایہ امام، علمی و عملی وجاہت سے آراستہ، عمدہ اوصاف کے حامل، مضبوط قوتِ حافظہ کے مالک اور وسیع علم رکھنے والے تھے، مختصر یہ کہ ان کے اخیر دور میں کوئی ان کا ہم رتبہ شخص موجود نہ تھا۔

ابوالمعالی محمد بن عبدالرحمن بن الغزی متوفی ۱۱۶۷ھ نے آپؒ کے بارے میں فرمایا: **الامام العالم الحبر الفقیہ شیخ الحنفیۃ**؛ عمر رضا کحالہ نے آپ کے بارے میں لکھا: **فقیہ اصولی متکلم**۔

تالیفات: علامہ تمرتاشی کی تالیفات میں تنویر الابصار کے علاوہ اس کی شرح مِنَح الغفار اور اعانۃ الحقیر شرح زاد الفقیر اور شرح المنار للنسفی بھی شامل ہیں، ڈاکٹر حسام الدین بن موسی عفانہ نے آپ کی تصانیف میں چالیس کتب و رسائل کو شمار کیا ہے۔

تنویر الابصار کی خصوصیات: تنویر الابصار کی تین خصوصیات کا عام طور پر تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱) یہ کتاب مذہبِ حنفی کے مشہور ترین متون میں سے ایک متن جیسی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

۲) متأخرین میں اس متن کو قبولِ عام نصیب ہوا ہے۔

۳) صاحبِ کتاب نے اس میں متونِ معتمدہ کے مسائل کو یکجا کیا ہے۔

تنویر الابصار کے شروح و حواشی: تنویر الابصار کے شروح اور حواشی میں الدر المختار کے علاوہ اِن شروحات کا تذکرہ بھی ملتا ہے:

- عبدالرزاق رومیؒ (متوفی: ۱۲۰۰ھ) کی نو جلدوں پر مشتمل '' منیر الافکار فی شرح تنویر الابصار ''

● علامہ منیب ہاشمیؒ (متوفی: ۱۳۴۳ھ) کی ’’ حمید الآثار فی نظم تنویر الابصار ‘‘

● شیخ حسن اسکندر الرومیؒ کی ’’ الجوھر المنیر فی شرح التنویر ‘‘

● علامہ اسماعیل بن عبد الباقیؒ (متوفی: ۱۱۲۱ھ) کی ’’مطالع الانوار شرح تنویر الابصار‘‘

شیخ احمد فرید المز یدیؒ نے تنویر الابصار کی علامہ تمر تاشی کی اپنی شرح کے بشمول کُل گیارہ شروحات کو شمار کرایا ہے۔

مراجع وماخذ:

(۱) مقدمۃ التحقیق ردالمحتار: شیخ عادل احمد عبد الموجود و شیخ علی محمد معوض۔

(۲) مقدمۃ التحقیق ردالمحتار: الدکتور حسام الدین بن محمد صالح فرفور۔

(۳) مقدمۃ التحقیق بذل المجہود فی تحریر اسئلۃ تغیر النقو د للتمر تاشی: الدکتور حسام الدین بن موسیٰ عفانہ۔

(۴) مقدمۃ التحقیق طوالع الانوار شرح الدر المختار: عبد الغفار بن نور محمد۔

(۵) مقدمۃ التحقیق طوالع الانوار شرح الدر المختار: عبد الرشید محمد موسیٰ السندی۔

(۶) مقدمۃ التحقیق حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: شیخ احمد فرید المز یدی۔

(۷) گوگل سرچ ویکیپیڈیا۔

درِمختار اور اس کے مؤلف کا تعارف

نام : محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمٰن المعروف علاؤالدین الحصکفیؒ ہے، حصکفی منسوب ہے حِصن کیفاء کی جانب جو دریائے دجلہ کے پاس بنی بکر کے شہروں میں سے ایک ہے۔

ولادت ووفات : علامہ حصکفی کی پیدائش ۱۰۲۱ھ یا ۱۰۲۵ءکو دمشق میں ہوئی اور وفات بھی دمشق ہی میں ۱۰۸۸ھ کو ہوئی۔

تعلیم : ابتدائی تعلیم اپنے والد کے پاس ہوئی، اسی طرح خطیبِ دمشق امام محمد المحاسنؒ سے بھی آپ نے خوب کسبِ فیض کیا، یہاں تک کہ استاذ نے آپ کو درسِ بخاری میں اپنا نائب بنالیا، بعدازاں علامہ حصکفی نے رملہ کی جانب سفر کیا اور وہاں شیخ الحنفیہ علامہ خیرالدین رملیؒ سے فقہ حنفی میں مہارت تامہ حاصل کی۔

اساتذہ : آپ کے اساتذہ میں شیخ منصور بن علی المحلیؒ متوفی: ۱۰۶۶ھ، علامہ محمد بن تاج الدین بن احمد المحاسنی الدمشقی متوفی: ۱۰۷۲ھ شیخ عبدالباقی الحنبلی کے علاوہ استاذ ایوب بن احمد الخلوتی کا بھی تذکرہ ملتا ہے جو کبارِ صوفیاء میں سے تھے۔

تلامذہ : علامہ حصکفی کے تلامذہ میں شیخ اسماعیل بن عبدالباقی (متوفی: ۱۱۲۱ھ) جو الامام العالم الفقیہ الواعظ کے القاب سے متصف تھے وہ بھی شامل تھے، اسی طرح گیارہویں صدی ہجری کے مشہور مؤرخ صاحبِ خلاصۃ الاثر محمد امین بن فضل اللہ المحب الحموی (متوفی: ۱۱۱۱ھ) بھی آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں، شیخ درویش بن ناصر الحلوانی (متوفی: ۱۱۰۷) جو اپنے وقت کے فقیہ و محدث اور متکلم تھے، ان کو بھی علامہ حصکفی کے شاگردوں میں شمار کیا گیا ہے۔

علمی مقام : علامہ حصکفی کے علمی مقام کو ان الفاظ کے ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے : **کان عالما محدثا فقیھا نحویا کثیر الحفظ و المرویات طلق اللسان فصیح العبارۃ جید التقریر و التحریر متحریا فی امر الفتیا غایۃ التحری:** آپ عالم،

محدث،فقیہ،نحوی، زبردست یادداشت کے مالک، روایات واقوال کے حافظ، زبان و بیان کی سلاست وفصاحت کے مالک،تقریر وتحریر میں ماہر،فتوے کے معاملہ میں بہت محتاط تھے۔

۱۰۷۳ھ میں آپ مدرسہ الجُقمقیہ میں تدریس کے منصب پر فائز ہوئے پھر شام کے مفتیٔ اعظم قرار پائے، جامع اموی کی مشیختِ حدیث بھی آپ ہی کے سپرد تھی،علمی شہرہ چہار دانگ عالم میں پھیل گیا تھا، قاہرہ اورعجلون کی قضاء کی ذمہ داری بھی آپ ہی سے منسوب تھی۔

تصانیف: علامہ حصکفی کی تقریباً ہرعلم وفن میں تصانیف موجود ہیں: فقہ میں الدرالمختار شرح تنویرالابصار کے علاوہ ''الدرالمنتقی شرح الملتقی''(ملتقی الابحر) ہے،اصولِ فقہ میں ''افاضۃ الانوار علی اصول المنار'' ہے،اورفنِ تفسیر میں ''تعلیقات علی تفسیر البیضاوی'' ہے،اورفنِ حدیث میں ''تعلیقات علی الجامع الصحیح البخاری'' ہے،اورعقائد میں ''تحفۃ الفوائد شرح العقائد للنسفی'' ہے،اورنحووادب میں ''شرح قطرالندی'' اور ''منتہی امل الادیب'' ہے۔

شروح وحواشی: درمختار کے مشہورو متداول شروح اورحواشی تین ہے:

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار، علامہ احمد بن محمد طحطاوی کی۔

(۲) طوالع الانوار فی شرح الدرالمختار، علامہ عابد سندھی کی۔

(۳) ردالمحتار علی الدرالمختار، علامہ ابن عابدین شامی کی۔

ان تین شروحات کے علاوہ بھی درمختار کی کئی ایک بلند پایہ شروحات کا تذکرہ بھی ملتا ہے:

شمار	نام شرح	نام شارح	وفات
۱	مفاتیح الاسرار ولوائح الافکار	علامہ ابن عبدالرزاق الدمشقیؒ	۱۱۳۸ھ
۲	سِلک النُظّار علی الدرالمختار	شیخ عبدالقادر بن صالح الحلبیؒ	۱۱۴۲ھ
۳	قرۃ الانظار علی شرح تنویرالابصار	قاضی ابوالطیب محمد بن عبدالقادر السندیؒ	۱۱۴۹ھ

۴	دلائل الاسرار علی الدر المختار المشہور بحاشیۃ الفتال	علامہ خلیل بن محمد بن ابراہیم الفتالؒ	۱۱۸۴ھ
۵	اصلاح الاسفار عن وجوہ بعض مخدرات الدر المختار	علامہ حسن بن ابراہیم الجبرتیؒ	۱۱۸۸ھ
٦	تحفۃ الاخیار علی الدر المختار المشہور بحاشیۃ الحلبی	برہان الدین ابراہیم حلبیؒ	۱۱۹۰ھ
۷	حاشیۃ الرحمتی	مصطفی بن محمد بن رحمۃ اللہؒ	۱۲۰۵ھ
۸	نتائج الافکار علی الدر المختار	الفقیہ المحدث محمد طاہر سنبلؒ	۱۲۱۸ھ
۹	تعالیق الانوار	علامہ دمیاطیؒ	۱۲۳٦ھ
۱۰	حاشیۃ سعدی آفندی	علامہ سعدی حمید بن محمد العمادیؒ	

درمختار کی خصوصیات

(۱) معتبر و مستند اور جامع مانع ہونے کے اعتبار سے عالمگیر شہرت کی حامل ہے۔

(۲) اس اخیر دور میں فقہ حنفی میں مدار المذہب ہونے کی حیثیت اس کو حاصل ہے۔

(۳) اپنے زمانے کے کبارِ علماء و فقہاء نے اس پر شروح و حواشی لکھے۔

(۴) تفریعات کی تنقیح اور مسائلِ مصححہ کے جمع کرنے میں بے نظیر ہے۔

(۵) اس انداز و معیار کی کتاب شاید ہی کتابوں کے دفتر میں موجود ہو۔

(٦) اپنے حجم کی چھوٹائی اور علوم کی فراوانی کی وجہ سے علماء کے فہم سے بھی بالاتر اور شرح و تفصیل کی محتاج ہے۔

(۷) ایک مقدار غیر مفتیٰ بہ اقوال کی بھی اس میں موجود ہے، نیز بعض مواقع پر کسی مسئلہ کی ضروری قید و شرط محذوف ہے، کہیں مشائخِ مذہب کے اقوال میں تلفیق ہوگئی ہے، اس لئے جب تک اس کی شرح ردالمحتار دیکھ کر اطمینان نہ کرلیا جائے براہِ راست اس کتاب سے فتویٰ نہ دیا جائے۔

نوٹ: درِمختار کی صرف ایک مکمل اردو شرح ملتی ہے، جس کا نام ''غایۃ الاوطار'' ہے، یہ شرح مولانا خرم علی اور مولانا احسن صدیقی کی مشترکہ قلمی خدمات کا شاہکار نمونہ ہے، زبان واسلوب اگرچہ قدیم ہے مگر اردو زبان میں حلِّ کتاب کے لئے اس سے بہتر چیز نہیں ملی۔

مراجع وماخذ:

(۱) مقدمۃ التحقیق ردالمحتار: شیخ عادل احمد عبدالموجود وشیخ علی محمد معوض۔

(۲) مقدمۃ التحقیق ردالمحتار: الدکتور حسام الدین بن محمد صالح فرفور۔

(۳) مقدمۃ التحقیق بذل المجہود فی تحریر اسئلۃ تغیر النقود للتمر تاشی: الدکتور حسام الدین بن موسیٰ عفانہ۔

(۴) مقدمۃ التحقیق طوالع الانوار شرح الدرالمختار: عبدالغفار بن نور محمد۔

(۵) مقدمۃ التحقیق طوالع الانوار شرح الدرالمختار: عبدالرشید محمد موسیٰ السندی۔

(۶) مقدمۃ التحقیق حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار: شیخ احمد فرید المزیدی۔

(۷) گوگل سرچ ویکیپیڈیا۔

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر اور اس کے مؤلف کا تعارف

نام: شہاب الدین احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاویؒ۔
ولادت ووفات: آپ کی پیدائش طحطا میں ہوئی جو مصر کا ایک قصبہ ہے، آپ کے جدامجد محمد ''عارف باللہ'' اور ''مفتی السادۃ الحنفیہ'' کہلاتے تھے، مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات ۱۲۳۱ھ کو قاہرہ میں ہوئی۔
تعلیم: باضابطہ تعلیم جامعہ ازہر میں حاصل کی، نامور اساتذہ میں والدِ گرامی سید محمد طحطاویؒ کے علاوہ مفتی الدیار المصریۃ شیخ الاسلام سید الشریف محمد الحریریؒ بھی شامل ہیں۔
اساتذہ: علامہ طحطاویؒ نے نور الایضاح کا مکمل متن صاحبِ نور الایضاح کے فرزند حسن بن حسن بن عمار الشرنبلالیؒ اور شیخ حسن بن ابراہیم الجبرتیؒ سے پڑھا، شیخ مصطفیٰ بن علامہ ابی عبداللہ محمد بن یونس بن نعمان الطائی سے بھی آپ کو فقہ کی اجازت اور باقاعدہ تلمّذ حاصل ہے، صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مسند الامام الاعظم ابی حنیفہ، مسند الامام محمد بن ادریس الشافعی، مسند الامام احمد بن حنبل اور المواہب اللدنیۃ کی اجازت درجِ ذیل اساتذہ سے حاصل ہے: (۱) شیخ محمد الامیرؒ (۲) شیخ حسنؒ (۳) شیخ عبدالعلیمؒ۔
تلامذہ: آپؒ کے حلقۂ تلامذہ میں علامہ ابن عابدین شامیؒ جیسی نابغۂ روزگار ہستی شامل ہے، جن کا مشہورِ زمانہ حاشیہ ردالمحتار اس وقت دنیا بھر کے مفتیانِ کرام کا مرجع بنا ہوا ہے، ان کے علاوہ عبدالمولی بن عبداللہ الدمیاطیؒ بھی علامہ طحطاویؒ کے شاگرد ہیں، انہوں نے بھی ''تعالیق الانوار'' کے نام سے الدرالمختار کا ایک شاندار حاشیہ لکھا ہے، ابراہیم حلبی بن احمد آغا البارودی الشافعی المصریؒ کا نام بھی طحطاویؒ کے شاگردوں میں ملتا ہے۔
علمی مقام: علامہ شامیؒ نے آپؒ کو ''فقیہ عصرہ اور وحید دہرہ'' جیسے القاب سے یاد کیا ہے، علامہ طحطاوی کے بعد درمختار کی جتنی بھی شروحات معرضِ وجود میں آئیں، اُن سب میں علامہ طحطاویؒ کے حاشیہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، خاص طور پر ردالمحتار میں علامہ شامیؒ نے ''ط''

کے رمز کے ساتھ جگہ جگہ طحطاوی کے حوالے دیئے ہیں، اسی طرح علامہ عابد سندیؒ کی طوالع الانوار میں بھی حاشیۃ الطحطاوی سے خوب فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

تالیفات

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار۔

(۲) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح۔

(۳) کشف الرین عن بیان المسح علی الجوربین وغیرہ۔

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر کی خصوصیات

(۱) درمختار کی مغلق ومجمل عبارتوں کو حل کرنے کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

(۲) اختصار کے باوجود بہت سے علمی وفقہی نکات پر مشتمل ہے۔

(۳) علامہ ابراہیم حلبیؒ کی تحفۃ الاخیار علی الدر المختار سے علامہ طحطاویؒ نے اپنی اس شرح میں خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

مراجع ومآخذ

(۱) حلیۃ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر ص:۲۸۳۔

(۲) التتمۃ الجلیۃ لطبقات الحنفیۃ لابن الحنائی ص:۱۹۔

(۳) مخطوطۃ ثبت الامام احمد الطحطاوی المصری عدد الصفحات:۸۔

(۴) مقدمۃ المحقق حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: شیخ احمد فرید المزیدی۔

(۵) فقہ حنفی کی عربی کتابوں کا تعارف: مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہ۔

طوالع الانوار اور اس کے مؤلف کا تعارف

نام: عابد بن احمد علی بن محمد مراد الایوبی السندیؒ۔

ولادت ووفات: آپؒ کی پیدائش ۱۱۹۰ھ میں سند کے علاقہ میں ہوئی اور وفات ۱۲۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم جدّ بزرگوار شیخ الاسلام محمد مراد الانصاریؒ، والدِ گرامی احمد علی الانصاریؒ اور چچا محمد حسین بن محمد مراد الانصاریؒ کے پاس ہوئی۔

اساتذہ: اپنے دور کے نامور اور شہرۂ آفاق اور اصحابِ علم وفضل اساتذہ سے تلمّذ رہا، چند اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) امام المحققین علامہ یوسف بن محمد بن علاؤالدین المزجاجی الزبیدیؒ متوفی: ۱۲۱۳ھ۔

(۲) شیخ محمد طاہر سنبل الحنفیؒ متوفی: ۱۲۱۸ھ۔

(۳) مفتی المالکیہ بمکۃ المکرمہ شیخ حسن بن علی المغربیؒ متوفی: ۱۲۲۸ھ۔

(۴) شیخ عبداللہ بن محمد بن اسمٰعیل الصنعانیؒ متوفی: ۱۲۴۲ھ۔

(۵) شیخ محمد زمان السندیؒ متوفی: ۱۲۴۸ھ۔

(۶) علامہ سید عبدالرحمٰن بن سلیمان بن یحیٰ الاھدل الشافعیؒ متوفی: ۱۲۵۰ھ۔

(۷) علامہ محمد بن علی الشوکانیؒ صاحب نیل الاوطار متوفی: ۱۲۵۰ھ۔

(۸) شیخ احمد بن ادریس العرایشی الحسنیؒ متوفی: ۱۲۵۳ھ۔

(۹) شیخ احمد بن سلیمان الھجّامؒ۔

تلامذہ

(۱) شیخ ابراہیم بن عبدالقادر الریاحی المالکیؒ متوفی: ۱۲۶۶ھ۔

(۲) شیخ الاسلام عارف اللہ بن حکمۃ اللہ الترکیؒ متوفی: ۱۲۷۵ھ۔

(۳) شیخ عبدالغنی الدھلوی المدنیؒ متوفی: ۱۲۹۶ھ یہ شاہ عبدالغنیؒ وہ مبارک ہستی ہیں جن سے بانی دیوبند قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور قطب الارشاد فقیہِ بے مثال فقیہ

النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے علمِ حدیث حاصل کیا ہے۔(تذکرہ الرشید:۱/ ۲۹)۔

(۴) شیخ سید داؤد خالد الشافعیؒ متوفی: ۱۲۹۹ھ۔

(۵) شیخ حسن الحلوانی المدنیؒ وغیرہ۔

علمی مقام

(۱) علامہ محمود آلوسیؒ صاحبِ روح المعانی متوفی: ۱۲۷۰ھ نے اِن اعلیٰ القاب سے آپ کا تذکرہ فرمایا ہے:

ومنهم البحر الرائق و كنز الدقائق ومن كلامه تنوير الابصار والدر المختار ذو التاليفات الشريفة و قرة عين الامام الاعظم ابى حنيفة العالم الزاهد الشيخ محمد عابد۔

انہی جلیل القدر علماء میں سے علوم و معارف کا صاف و شفاف سمندر، علمی باریکیوں کا خزینہ، جن کی گفتگو نگاہوں کو جِلا بخشنے کا باعث، جن کی تحریر گویا قیمتی موتیوں کی لڑی، صاحبِ تصانیفِ عالیہ، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، عالمِ باعمل، زاہدِ زمانہ شیخ محمد عابد بھی ہیں۔

(۲) علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

لهٗ يد طولى فى علم الطب و معرفة متقنة بالنحو والصرف و فقه الحنفية واصوله ومشاركة فى سائر العلوم وفهم صحيح سريع۔

ان کو علمِ طب میں مہارتِ تامہ حاصل تھی، نحو وصرف اور مسلکِ حنفی کی فقہ و اصولِ فقہ میں مضبوط و کامل معرفت تھی، دیگر علوم میں بھی ان کا حصہ تھا، فکری سلامتی اور ذہانت وفطانت بَلا کی تھی!

(۳) ”صاحبُ الیانع الجَنِیّ من اسانید الشیخ عبد الغنی“ علامہ محمد بن یحییٰ البکری التیمی فرماتے ہیں:

هو العالم الجامع والفاضل البارع المحدث الحافظ المتقن

والفقیہ المتبحر الفطن۔

وہ مایہ ناز عالمِ دین ، جامع الکمالات بزرگ، علم وفضل کے آفتاب ، علومِ شریعت کے ماہر، جلیل القدر محدث، عالی مقام حافظ، عالی استعداد ہستی اور فقہ کے بحرِ ذخّار اور فکر وفہم کا مینار تھے۔

تالیفات

علامہ عابد سندی کی مشہور تالیفات یہ ہیں:

(۱) طوالع الانوار فی شرح الدر المختار

(۲) الحظ الاوفر لمن اطاق الصوم فی السفر

(۳) المواھب اللطیفة علی مسند الامام ابی حنیفة علیہ الرحمۃ

(۴) ترتیب مسند الامام ابی حنیفة

(۵) ترتیب مسند الامام الشافعی علیہ الرحمۃ

(۶) حصر الشارد من اسانید محمد عابد

(۷) منحة الباری فی جمع مکررات البخاری

(۸) نافع الخلق فی الطب

ان کے علاوہ دسیوں کتب ورسائل آپؒ کی تالیفات میں شامل ہیں۔

طوالع الانوار کی خصوصیات

(۱) یہ الدر المختار کی ایک مکمل شرح ہے جو بڑی تقطیع کے کم وبیش بیس ہزار صفحات پر مشتمل ہے، موجودہ طباعتی معیار کے مطابق، تحقیق وتعلیق کے ساتھ اگر اس کی اشاعت ہو تو لگ بھگ پچاس جلد بنیں گی۔

(۲) لغوی ونحوی تحقیق اور کلماتِ غریبہ کی شرح کا اس میں اہتمام کیا گیا ہے۔

(۳) دِقّت وتفصیل کے ساتھ علماء کے اقوال کو نہ صرف نقل کیا گیا ہے، بلکہ ان کی توضیح وتحلیل، تعلیق واستدراک اور رفعِ تعارض کے ذریعہ کامیاب محاکمہ پیش کیا گیا ہے۔

(۴) ادب وتواضع کے ساتھ علمی خطاؤں اور مسامحات پر تنبیہ کی گئی ہے۔

(۵) آیاتِ قرآنیہ اور احادیث کے ذریعہ مسائل پر استدلال کیا گیا ہے، نیز احادیث پر محدثانہ کلام اور ان کے درجۂ استناد پر بھی شاندار بحث کی گئی ہے۔

(٦) شارح نے دورانِ شرح علمائے احناف کے دستیاب علمی ذخیرے سے مکمل فائدہ اُٹھایا ہے۔

(۷) دیگر ائمہ کے مذاہب نقل کرنے کا بھی اس میں قابلِ لحاظ جگہوں پر اہتمام کیا گیا ہے۔

(۸) علامہ رافعیؒ نے اپنی تقریرات میں علامہ شامیؒ کی تحقیقات پر جگہ جگہ جو گرفت کی ہے، بالعموم علامہ عابد سندیؒ کے مباحث ونقول ہی کو پیش کر کے کی ہے۔

(۹) خود علامہ شامیؒ کا معاملہ یہ تھا کہ مکۃ المکرمۃ میں جب ''طوالع الانوار'' دیکھی تو آپ پر سخت گریہ طاری ہوا اور ان الفاظ کے ذریعہ اس کتاب کی عظمت اور مؤلف کے فہم و تفقہ کا اعتراف کیا: اے کاش اگر مجھے الدر المختار کی اس جیسی شرح کا پتہ ہوتا تو میں رد المحتار تصنیف نہ کرتا: **یا لیت لو دریت مثل هذا فی شرح الدر ما صنعت رد المحتار**

(مجموعہ احسن الرسائل از مفتی محمد زرولی خان صاحبؒ ۱/۷)

مراجع وماخذ

(۱) مقدمۃ التحقیق طوالع الانوار شرح الدر المختار: عبد الرشید محمد موسی السندی۔

(۲) مقدمۃ التحقیق طوالع الانوار شرح الدر المختار: عبد الغفار بن نور محمد۔

(۳) گوگل سرچ ویکیپڈیا۔

ردالمحتار اور اس کے مؤلف کا تعارف

نام: سید محمد امین عابدین بن عمر عابدین الشامیؒ۔

علامہ شامیؒ کے پانچویں جدّ محمد صلاح الدین اپنے علم وتقویٰ اور شریعت وحقیقت کے جامع ہونے کی وجہ سے ’’عابدین‘‘ کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے، یہی لقب آئندہ نسل کے نام کا جزء بن گیا۔

ولادت ووفات: ولادتِ باسعادت دمشق میں ۱۱۹۸ھ کو ہوئی اور وفات دمشق ہی میں ۱۲۵۲ھ کو ہوئی۔

تعلیم: بچپن ہی میں قرآنِ پاک حفظ کرلیا تھا پھر کاروبار وتجارت سیکھنے کے لئے والدِ محترم کی دکان پر بیٹھ گئے، ایک دفعہ دکان پر بیٹھ کر بلند آواز سے قرآنِ پاک کی تلاوت کررہے تھے کہ ایک صالح آدمی کا وہاں سے گذر ہوا تو اس نے ٹوکا کہ ایک تو تمہاری تلاوت میں تجوید نہیں ہے اور دوسرے تم بلند آواز سے تلاوت کررہے ہو، حالاں کہ لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہونے کی وجہ سے تلاوت کی طرف متوجہ نہیں ہیں، اس طرح قرآنِ پاک کا ایک حق ضائع ہورہا ہے، اِس صالح بزرگ کی نصیحت علامہ شامیؒ پر اثر کرگئی اور آپ نے دوکانداری چھوڑ کر اس زمانے کے شیخ القراء علامہ سعید الحمویؒ متوفی: ۱۲۳۶ھ سے تجوید و قرأت کا باضابطہ علم حاصل کیا، نحو وصرف اور فقہِ شافعی بھی ان ہی سے پڑھی۔

اساتذہ: (۱) علامۃ الدھر فقیہ العصر سید محمد شاکر العقّاد السالمیؒ متوفی: ۱۲۲۲ھ سے حدیث، تفسیر اور منطق کے علاوہ خاص طور پر فقہِ حنفی اور اس کے اصول کی تحصیل کی، سلسلۂ قادریہ میں بھی شیخِ مذکور ہی سے تکمیل فرمائی۔

(۲) شیخ امیر المصریؒ متوفی: ۱۲۳۲ھ سے مصر کی جانب سفر کرکے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

(۳) محدث الدیار الشامیہ شیخ محمد الکزبریؒ متوفی: ۱۲۲۱ھ کی شاگردی بھی نصیب ہوئی۔

(۴) علامۂ دوران شیخ زمان محدث العصر شیخ احمد العطارؒ متوفی: ۱۲۱۸ھ سے بھی آپ کو اجازتِ عامہ حاصل ہے۔

(۵) فقیہ النفس علامۂ وقت شیخ محمد سعید الحلبیؒ الشامی متوفی: ۱۲۵۹ھ سے بھی فقہِ حنفی کی امہات الکتب کا ایک بڑا حصہ پڑھا۔

تلامذہ: (۱) العلامۃ الفاضل الفقیہ الصوفی السید عبد الغنی عابدینؒ جو علامہ شامی کے سگے بھائی ہوتے ہیں۔

(۲) دمشق کے مفتیٔ اعظم شیخ احمد عابدین آفندیؒ متوفی: ۱۳۰۷ھ یہ علامہ شامی کے برادر زادے ہیں۔

(۳) شیخ صالح بن سید حسن عابدینؒ، یہ علامہ شامی کے چچا کے پوتے ہیں۔

(۴) الامام الکبیر قاضیٔ مدینۂ منورہ سید محمد آفندی جابی زادہؒ۔

(۵) عالمِ بے بدل فقیہ النفس صوفیٔ زمانہ شیخ یحییٰ السردستؒ۔

(۶) فقیہ العصر علامہ فہامہ شیخ عبد الغنی الغنیمی المیدانیؒ شارح القدوری متوفی: ۱۲۹۸ھ

(۷) عمدۃ المحققین شیخ حسن البیطارؒ متوفی: ۱۲۷۲ھ۔

ان کے علاوہ سینکڑوں طالبانِ علومِ نبوت نے اخذ واستفادہ کیا ہے۔ (ابن عابدین: سیرۃ و عطاء: دکتور رمضان حمدون علی، مقدمۃ التحقیق رد المحتار: شیخ عادل احمد عبد الموجود و شیخ علی محمد معوض، فقیہ الحنفیہ: دکتور محمد مطیع الحافظ)

علمی مقام: علامہ ابن عابدین شامی کے لائق و عالی مقام صاحبزادے، ہم نامِ حصکفی، ابو حنیفۂ زمان سید محمد علاؤ الدین آفندی المتوفی ۱۳۰۶ھ نے اپنے والدِ گرامی کا تذکرہ جن بلند پایہ الفاظ سے کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

علامۂ زمانہ باتفاقِ اہلِ زمانہ، سرآمدِ روزگار، سرخیلِ علماء، امامِ عزیمت، علامۂ بے بدل، ماہرِ علوم وفنون، عالی نسب و عالی مقام، فاضل وادیب، ولیٔ کامل، جامعِ شریعت و حقیقت، رازدارِ تصوف و طریقت، صاحبِ علوم عقلیہ و نقلیہ، سرتاجِ علماء و فضلاء، مرجعِ خاص و عام، والدِ مرحوم شیخ سید الشریف محمد امین عابدین بن السید شریف عمر عابدین۔ (قرۃ عیون الاخیار، ص: ۵،۶)

شیخ فرفورؒ فرماتے ہیں: علامہ ابن عابدین کی علمی بنیاد شیخ القراء سعید الحموی نے ڈالی، اس پر علم وفضل کی فلک بوس عمارت شیخ شاکر العقاد نے قائم کی، شیخ سعید الحلبی نے اس عمارت کو رہائش کے قابل اور لائقِ استفادہ بنایا پھر سرمدِ زمانہ شیخ خالد النقشبندی نے اس میں حُسن بھرا اور اس پر نور کی چادر بکھیر دی! (ابن عابدین: سیرۃ وعطاء)

تصوف وسلوک: علامہ شامی کو تصوف وسلوک میں علامہ شیخ خالد نقشبندیؒ سے با قاعدہ صحبت و اجازت حاصل ہے بلکہ شیخِ مذکور کے انتقال پر ان ہی کی وصیت کے مطابق علامہ شامیؒ نے نمازِ جنازہ بھی پڑھائی تھی، قبل ازیں سید محمد شاکر العقّاد سے آپؒ نے سلسلۂ قادریہ میں تکمیل فرمائی تھی۔ (فقیہ الحنفیہ، ص: ٦)

خصوصیات وکمالات

(۱) علامہ شامیؒ کے یہاں دنیا بھر کے سوالات آیا کرتے تھے اور علامۂ موصوف ان تمام بندگانِ خدا کی شرعی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔

(۲) علامۂ موصوف نے رات کا وقت تصنیف وتالیف کے لئے مختص کیا ہوا تھا، بجز تھوڑے سے وقت کے رات کو سویا نہیں کرتے تھے، دن کے اوقات درس وتدریس اور افتاء کی خدمت کے لئے مخصوص تھے۔

(۳) اپنا کاروبار اور ذریعۂ معاش اپنے ایک شریک کے حوالے کر رکھا تھا اور اس سے گذران ہوجایا کرتا تھا۔

(۴) رمضان المبارک میں ہر رات مکمل تدبر کے ساتھ ایک قرآن ختم کرنے کا معمول تھا، ویسے باقی مہینوں میں بھی رات میں گریہ وزاری اور تلاوت میں استغراق کی کیفیت رہا کرتی تھی، ہمیشہ باوضو رہنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

(۵) اللہ کے بندوں کی خیر خواہی اور ان کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ مزاج میں پیوست تھا، ان کی دل بستگی دلجوئی کا بڑا لحاظ تھا، اہلِ علم اور طلبہ ومعززین کا بڑا اکرام فرمایا کرتے تھے، اپنے مال کے ذریعہ ان کے ساتھ ہمدردی وتعاون کا برتاؤ رکھتے، خاص طور پر اپنے فقر کو چھپانے

والے فقراء کو معلوم کر کر کے ان پر دل کھول کر خرچ کرتے۔

(۶) اہلِ علم کے تعلق سے بڑے غیرت مند واقع ہوئے تھے، علمی وقار اور غیر معمولی فقہی دبدبہ رکھتے تھے، تقویٰ و پرہیز گاری بے پناہ تھی، ایک دفعہ ایک مرجوح قول پر فتویٰ دینے کے لئے آپؒ کی خدمت میں دراھم کی پچاس تھلیاں پیش کی گئی تھیں، آپؒ نے بڑی بے نیازی سے اُن کو ٹھکرا دیا تھا۔

(۷) علامۂ موصوف کی مجالس گویا علوم و معارف کے سیلِ رواں کا منظر پیش کرتی تھیں مگر بایں ہمہ خشکی یا اکتاہٹ کا وہاں کوئی گذر نہ تھا، حاضرینِ مجلس پر یکساں توجہ ہوا کرتی تھی اور ہر شخص یہی محسوس کرتا کہ یارانِ میکدہ میں سب سے زیادہ ساقی کی توجہ اسی پر ہے۔

(۸) ظاہری وجاہت، شکل وصورت اور قدو قامت میں بھی گویا ''اے تماشا گاہِ عالم روئے تو'' کا مصداق تھے! (اسعاد المفتی، ص: ۲۲ تا ۲۵)

تالیفات

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار

(۲) منحة الخالق علی البحر الرائق

(۳) حاشیة ابن عابدین علی شرح الملتقی

(۴) حاشیة ابن عابدین علی النهر الفائق

(۵) العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة

(۶) شرح عقود رسم المفتی

(۷) رسائل ابن عابدین

علامہ ابن عابدین کے رسائل کا یہ مجموعہ تقریباً بتیس موضوعات پر مشتمل ہے، جن میں فقہ، اصولِ فقہ، علمِ کلام، علومِ عربیہ، تاریخ وسیر اور تصوف وحساب شامل ہے، ہر رسالہ علم و تحقیق کا شاہکار اور اپنے موضوع پر گویا حرفِ آخر ہے۔

ردالمحتار کے معنیٰ اور وجہ تسمیہ: ردّ کے معنی ہے لوٹانا اور محتار کے معنی حیران وسرگردان، یعنی جو

شخص الدر المختار کے عالی مضامین ومسائل کے سمجھنے اور حل کرنے میں حیران و پریشان ہے، یہ کتاب اس کی حیرت کو دور کر کے اطمینان وتشفی کا سامان فراہم کردے گی۔

علامہ شامیؒ نے اپنا یہ حاشیہ ''کتاب الاجارۃ'' سے لکھنا شروع کیا تھا پھر آخر تک پورا کرنے کے بعد ''کتاب الطھارۃ'' سے شروع کر کے کتاب الاجارۃ تک مکمل کیا، تسوید سے فارغ ہو کر تبییض شروع کی؛ لیکن ابھی کتاب القضاء کے مسائل شتی تک پہنچے تھے کہ انتقال فرما گئے، باقی حصے کی تبییض ان کے لائق صاحبزادے شیخ علاء الدینؒ نے کی اور اسے ''قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار'' کے نام سے شائع کیا، جو کتاب القضاء کے مسائل شتی سے لے کر کتاب الھبۃ کے اختتام تک ہے۔(المذھب الحنفی، تالیف احمد بن محمد النقیب، ص: ۵۸۲ تا ۵۸۴۔آداب فتویٰ نویسی، ص: ۱۱۷)

ردالمحتار کی خصوصیات: مفتی ابولبابہ شاہ منصور دامت برکاتہم لکھتے ہیں،

افتاء کے کام میں سب سے زیادہ اہمیت ردالمحتار کی ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) اس کے مصنف دیگر مصنفین سے متاخر ہیں، انہوں نے پچھلے تمام فقہاء کی کتب کو سامنے رکھ کر یہ کتاب تصنیف کی ہے؛ لہٰذا اس کتاب میں فقہائے امت کی بارہ صدیوں کی محنت اور تحقیقات کا نچوڑ آ گیا ہے۔

(۲) اس کتاب کا مستند ہونا، مصنف نے کوئی بات نقل کرتے وقت صرف نقل پر اعتماد نہیں کیا؛ بلکہ التزام کے ساتھ اہتمام کیا کہ اس بات کی تحقیق کی جائے کہ قائلِ اول کون تھے؟ ان کی اصل عبارت کیا ہے؟ کیوں کہ کبھی ناقلِ اول سے غلطی ہو جاتی ہے، بعد والے حضرات کو اس کا علم نہیں ہو پاتا، وہ ناقلِ اول پر اعتماد کر کے نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔

(۳) اس کتاب کا جامع ہونا، مصنف محقق کی عادت یہ ہے کہ سابقہ تمام اقوال و مباحث کو سامنے رکھ کر تطبیق یا ترجیح کی صورت بیان فرماتے ہیں، علمائے متقدمین کی کتب رسوخ فی العلم میں بہت بڑھ کر ہیں؛ مگر مفتی کے لئے ردالمحتار سے استغناء نہیں، دوسری کتب سے فتوی دینا چاہیں تو بہت سی کتب کا مطالعہ کرنا ضروری ہوگا، کیوں کہ ترجیح میں اختلاف

ہوتا ہے، یا قول مطلق ذکر ہوتا ہے جب کہ وہ مقید ہوتا ہے، اس لئے مفتی کے لئے کافی محنت کے بعد بھی ترجیح یا معرفتِ قیود میں غلطی کا احتمال رہتا ہے، ردالمحتار دیکھنے والا اتنی محنت سے بھی بے نیاز ہوجاتا ہے اور غلطی کا امکان بھی کم ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے یہ کتاب اپنے وقتِ تحریر سے آج تک مرجعِ اہلِ افتاء ہے۔

(۴) محشی رحمۃ اللہ علیہ انتہائی محتاط بزرگ تھے، ان سے افراط وتفریط نہیں دیکھا گیا، مزید برآں علومِ ظاہرہ کے ساتھ علومِ باطنہ میں بھی یگانۂ روزگار تھے، گویا ''بر کف جامِ شریعت بر کف سندانِ عشق'' کا مصداق تھے۔ (آدابِ فتوی نویسی ملخصاً ص:۱۰۰ تا ۱۱۰)

ردالمحتار پر تعلیق وتحشیہ: (۱) ردالمحتار پر ایک مفید حاشیہ علامہ عبدالقادر رافعی متوفی ۱۳۰۵ھ کا ہے جو تقریرات الرافعی کے نام سے معروف ہے، علامہ رافعیؒ کی یہ تقریرات انتہائی پُر مغز عمدہ اور نادر ہیں بعض مقامات پر ان کو دیکھے بغیر فتوی نہیں دیا جاسکتا؛ لہٰذا ایک مفتی اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

(۲) طرابلس وشام کے مفتیٔ احناف علامہ عبدالغنی بن احمد بن عبدالقادر الرافعی متوفی ۱۳۰۷ھ کی تعلیقات بھی ''تعلیقات علی ردالمحتار'' کے نام سے ملتی ہیں۔

(۳) ردالمحتار پر ایک اور علمی حاشیہ، مسلکِ بریلوی کے بانی مولانا احمد رضا خان صاحبؒ کا بھی ''جدالممتار'' کے نام سے انٹرنیٹ پر عام دستیاب ہے، بعض اساتذہ سے اس کی افادیت کے بارے میں سنا ہے، ویسے مؤلف کی فقاہت کا ان کے دور کے اکثر علماء نے اعتراف کیا ہے۔ (نزھۃ الخواطر ۸ / ۵۲)

شرح عقود رسم المفتی کا تعارف

شرح عقود رسم المفتی علامہ ابن عابدین شامیؒ صاحبِ رد المحتار المتوفی ۱۲۵۲ھ کا اصولِ افتاء اور فتوی نویسی کے آداب پر ایک جامع اور مختصر رسالہ ہے، یہ رسالہ اپنے موضوع پر گویا نقشِ اول بھی ہے اور حرفِ آخر بھی، اس سے قبل فقہائے احناف میں قاضی خان نے اپنے فتاوی میں اور امام یوسف بن عمر کا دوریؒ نے ''جامع المضمرات والمشکلات فی شرح مختصر الامام القدوری'' میں اگر چہ رسم المفتی پر کلام کیا ہے، اسی طرح علامہ ابن نجیم مصریؒ، علامہ شرنبلالیؒ، علامہ نابلسیؒ اور علامہ بیریؒ وغیرہ نے بھی ماضی قریب میں اس پر گفتگو کی ہے؛ مگر جس جامعیت و امتیازی شان کے ساتھ خاتمۃ المحققین علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس رسالہ میں اِس فن کو زیرِ بحث لایا ہے وہ صرف انہی کا حصہ ہے، علامہ نے قواعدِ افتاء پر پہلے ۷۴/ اشعار پر مشتمل ایک نظم لکھی پھر اس کی بے نظیر شرح فرمائی۔

عقود رسم المفتی کا معنیٰ و مفہوم

عقود عقد کی جمع ہے، جس کے معنیٰ ہیں: ہار یہاں مراد منظوم کلام ہے، اور رسم کے معنیٰ ہیں: کسی چیز کا خاکہ، علامت، معاملہ، فتوی کی زبان میں رسم اس نشانی کو کہتے ہیں جو فتوی دینے میں مفتی کی رہنمائی کرے، جیسے راستہ کے نشانات: راہ رو کی منزل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، پس عقود رسم المفتی کا مطلب ہے: قواعدِ افتاء کے سلسلہ میں منظوم کلام۔

شرح عقود رسم المفتی کی خصوصیات

(۱) یہ اپنے موضوع پر تنہا جامع رسالہ ہے، علمائے متقدمین کو فقہ و فتاوی میں مہارت، صحیح و سقیم اور راجح و مرجوح اقوال کی پہچان؛ استاذ کی صحبت اور کتبِ فقہ کی ممارست و تجربہ سے حاصل ہو جایا کرتی تھی، متاخرین کے زمانے میں اس فن کو ضبط و تحریر میں لانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ابن عابدین شامیؒ نے اس فرض کو پورا کیا۔

(۲) فقہ حنفی کے مطابق فتوی نویسی کے آداب و اصول اور حدود و شرائط پر یہ کتاب سند کا درجہ رکھتی ہے، جس میں فاضل مصنفؒ نے حتی الوسع وافر معلومات اور علمائے سابقین کی

آراء جمع فرمادی ہیں۔

(۳) بعض معاصر علماء نے قواعدِ افتاء اور رسم المفتی سے متعلق علم کو بجا طور پر ’’روح الفقہ‘‘ کا نام دیا ہے، یہ روح علامہ شامیؒ کے اس مختصر رسالہ میں پوری طرح جلوہ گر نظر آتی ہے (اسعاد المفتی علی شرح عقود رسم المفتی، ص:۶-۳۸)۔

بایں ہمہ علامہ شامیؒ کا اسلوبِ نگارش بقول حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ ’’البیلا‘‘ ہے (تقریظ فتوی نویسی کے رہنما اصول، ص:۴۹) ’’البیلا‘‘ ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو بمشکل قابو میں آئے، (ملفوظات حکیم الامت ۱/ ۲۰۹) چنانچہ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے زمانۂ حاضر کے اکابر علماء نے علامہ شامیؒ کے اس رسالہ اور اس کے مشمولات و مندرجات پر اردو و عربی زبان میں زبردست کام کیا ہے، فقہ و فتاوی کے میدان میں کام کرنے والوں اور طلبۂ افتاء کے لئے یہ قیمتی تحائف ہیں، ان کے مطالعہ سے ایک طرف فقہی بصیرت اور تفقہ فی الدین نصیب ہوگا تو دوسری طرف عامیانہ لغزشوں اور تحریرِ فتاوی کی غلطیوں سے بھی حفاظت ہوگی، ذیل میں ایک فہرست دی جاتی ہے:

نمبر شمار	کتاب	مصنف
۱	اصول الافتاء و آدابه	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی العثمانی
۲	المصباح فی رسم المفتی و مناهج الافتاء	محمد کمال الدین الراشدی
۳	شرح عقود رسم المفتی و معه الحاشیتان المفیدتان	للشیخ مفتی مظفر حسین وللفاضل المفتی اطہر حسین الاجراروی
۴	اسعاد المفتی علی شرح عقود رسم المفتی مع حاشیة الشیخ المفتی محمد رفیع العثمانی	دکتور صلاح محمد ابوالحاج
۵	شرح المنظومة المسماة بعقود رسم المفتی	افادات امام احمد رضا خان

۶	فتوی نویسی کے رہنما اصول	مفتی سید محمد سلمان منصور پوری
۷	آدابِ فتوی نویسی	مفتی ابولبابہ شاہ منصور
۸	آپ فتوی کیسے دیں	مفتی سعید احمد پالنپوری
۹	فتوی: تعارف، اصول وآداب	مولانا محمد منصور احمد
۱۰	تمرینِ افتاء کی ہدایات	مفتی عبدالرؤف سکھروی
۱۱	آدابِ افتاء واستفتاء، افادات حکیم الامت	مفتی محمد زید مظاہری ندوی

الاشباہ والنظائر اور اس کے مؤلف کا تعارف

نام: زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد بکر المصری الحنفیؒ، آباء واجداد میں کسی کا نام نجیم تھا (نجم کی تصغیر چھوٹا ستارہ) بایں وجہ ان سے منسوب ہو کر ابن نُجیم کہلائے۔

ولادت ووفات: آپ کی پیدائش ۹۲۶ھ کو قاہرہ میں ہوئی اور وفات ۹۷۰ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتلمذ: آپؒ نے علمائے قاہرہ سے کسبِ فیض کیا، آپ کے اساتذۂ فقہ میں شیخ امین الدین ابن عبد العال الحنفیؒ متوفی: ۹۷۱ھ، شیخ قاسم بن قطلو بغاؒ (**هكذا في مصادر ترجمته وبالطبع فانه ليس ابو الفداء زين الدين قاسم بن قطلوبغا السودوني الحجالي الحنفي تلميذ ابن الهمام فانه توفي ۸۷۹ھ**)، شیخ الاسلام ابن الشلبی متوفی: ۹۴۷ھ، شیخ شرف الدین البلقینیؒ اور شیخ ابو الفیض السلمیؒ شامل ہیں، علوم عربیہ وعقلیہ کی تحصیل آپؒ نے شیخ نور الدین الدیلمی المالکیؒ اور شیخ شقیر المغربیؒ اور شیخ محمد العلمیؒ سے کی۔

اساتذہ نے آپ کو درس وتدریس اور افتاء کی اجازت دی تھی، یوں آپ نے اپنے اساتذہ کی حیات ہی میں درس وتدریس اور افتاء کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی سرانجام دیں۔

تصوف وسلوک: آپؒ نے باقاعدہ طریقت کا علم عارف باللہ شیخ سلیمان الخضریؒ سے حاصل کیا علاوہ ازیں صوفئ زمانہ علامہ عبد الوہاب الشعرانیؒ متوفی: ۹۷۳ھ کی دس سالہ مصاحبت بھی آپ کو میسر آئی، علامہ شعرانیؒ گواہی دیتے ہیں کہ میں دس سال آں موصوف کے ساتھ رہا، مگر میں نے کبھی ان میں برائی اور عیب کو نہیں دیکھا۔

تلامذہ: آپ کے شاگردوں میں برادرِ صغیر صاحبِ النہر الفائق علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن محمد ابن نجیم (متوفی: ۱۰۰۵ھ) صاحبِ تنویر الابصار علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب الغزی التمرتاشی (متوفی: ۱۰۰۴ھ) صاحبِ المطلب الفائق شرح کنز الدقائق علامہ بدر الدین محمد بن عیسیٰ الدمیری الحنفی، مفتی القدس شیخ عبد الغفار اور علامہ ناصر الدین محمد العلمی (متوفی: ۹۵۹ھ) جیسی سربرآوردہ شخصیات شامل ہیں۔

علمی مقام

(۱) علامہ تمرتاشیؒ نے آپ کا تذکرہ ان القاب سے فرمایا:

"استاذنا شیخ الاسلام برکۃ الانام قدوۃ المشائخ العظام"

"ہمارے استاذِ محترم، دنیائے اسلام کے سب سے بڑے عالم، بابرکت ہستی، بڑے بڑے مشائخ کے سربراہ"

(۲) علامہ نجم الدین محمد بن بدر الدین الغزی متوفی: ۹۸۴ھ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

انه الشيخ العلامة المحقق المدقق الفهامة۔

آں موصوف ممتاز عالمِ دین، علامۂ وقت، محققِ زمانہ، مدققِ دوران اور علم و فہم کے سالار تھے۔

(۳) علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے طبقات میں بایں الفاظ آپؒ کی جلالتِ شان کا اعتراف کیا ہے:

كان عالما زاهدا أجمع فقراء الصوفية على ادبه و جلالته

آپؒ عالم و زاہد انسان تھے، فقراءِ صوفیہ آپ کے ادب و عظمتِ شان پر متفق تھے۔

(۴) شیخ نور الدین ابوالحسن الخطیب الحنفیؒ شیخ المدرسۃ الاشرفیہ نے براہِ راست علامہ ابن نجیمؒ سے ملاقات کر کے ان کے علمی مقام اور خدمات کو منظوم خراجِ تحسین پیش کیا:

ذو الفضل زين الدين حاز من التقى　　والعلم ما عجز الورى عن حصره الخ

آپ علم و فضل کے حامل، دین و فقہ کی آبرو ہیں، تقویٰ اور علم کے اس مرتبہ پر فائز ہیں جس کا اندازہ کرنا بھی لوگوں کے لئے مشکل ہے۔

(۵) علامہ ابن نجیمؒ کے لائق صاحبزادے احمد بن زین الدین نجیمؒ نے ان الفاظ کے ساتھ اپنے جلیل القدر والد کا تذکرہ کیا ہے:

الشيخ الامام العالم العلامة الحبر البحر الفهامة وحيد دهره و

فرید عصرہ عمد ۃ العلماء العاملین وقدوۃ الفضلاءالماھرین ختام المحققین و المفتیین کشاف المشکلات والمعضلات طراز اھل الملۃ والدین امام اھل الفقہ والاصول وارث علوم سید المرسلین (الرسائل الزینیۃ:۵۳)

(۶)علامہ تقی الدین تمیمیؒ متوفی:۱۰۰۵ھ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

کان اماما عالماعاملامؤلفا مصنفا مالہ فی زمنہ نظیر و فی الجملۃ کان من مفاخر الدیارِ المصریۃ. (عمدۃ الناظر مقدمۃ المحقق عبدالکریم جاموس)

(۷)امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے آپ کو ''فقیہ النفس'' قرار دیا۔(عقود الجواھر شرح الاشباہ والنظائر، ص:۴۹)

(۸)علامہ بیریؒ نے آپؒ کو مجتہد فی المسائل تسلیم کیا۔(عقودالجواہر:۴۹)

تالیفات

(۱)البحر الرائق شرح کنز الدقائق
(۲)التحفۃ المرضیہ فی الاراضی المصریۃ
(۳)تعلیق الانوار علی اصول المنار للنسفی
(۴)حاشیۃ علی جامع الفصولین
(۵)الرسائل الزینیۃ فی مذھب الحنفیہ المعروف برسائل ابن نجیم
(۶)لب الاصول مختصر تحریر الاصول لابن الھمام
(۷)الفوائد الزینیۃ فی فقہ الحنفیۃ
(۸)فتح الغفار شرح المنار
(۹)الفتاوی الزینیۃ فی فقہ الحنفیۃ
(۱۰)الاشباہ و النظائر

الاشباہ والنظائر کے لغوی واصطلاحی معنیٰ

الاشباہ شبہ کی جمع ہے اور النظائر نظیر کی، بہ لحاظِ لغت دونوں الفاظ ہم معنیٰ ہیں، یعنی

مثل، مشابہ، مانند، یکساں؛ مگر علامہ سیوطیؒ نے شبہ، مثیل اور نظیر کے درمیان یہ فرق ذکر کیا ہے کہ دو چیزیں ہر لحاظ سے مساوی ہوں تو یہ مماثلت ہے، اگر اکثر امور میں اشتراک رکھتی ہوں تو یہ مشابہت ہے اور کسی ایک آدھ اَمر میں اشتراک ہو تو یہ مناظرت ہے۔

اصطلاح میں ''الاشباہ والنظائر'' علم کی اس شاخ کا نام ہے جس میں اس علم کے ملتے جلتے مسائل ذکر کرکے ان کے مابین فرق واضح کیا گیا ہو۔

الاشباہ والنظائر کا موضوع

علامہ ابن نجیمؒ کی یہ کتاب قواعدِ فقہ کے موضوع پر ہے، قواعدِ فقہ ایک عظیم الشان فن اور بے شمار فوائد پر مشتمل ہے، ان کی ممارست و مزاولت سے فقہی مزاج تشکیل پاتا ہے، اور فقہاء کے مدارک تک رسائی آسان ہو جاتی ہے، علامہ قرافی مالکیؒ نے فرمایا:

''ان کل فقہ لم یخرّج علی القواعد فلیس بشئی''

''یعنی جو فقہی مسائل قواعد سے مربوط اور ان کے مقتضیٰ کے مطابق تخریج کردہ نہ ہوں ان کا کوئی اعتبار نہیں''

اِن قواعد سے ایک طرف جدید پیش آمدہ مسائل کے حل میں سہولت و رہنمائی ملتی ہے تو دوسری طرف فقہی کتب میں مذکور مختلف و منتشر جزئیات کو باہم مربوط کرنے میں مدد ملتی ہے، اگر یہ قواعد نہ ہوتے تو علمِ فقہ میں مذکور فروعات تسبیح کے ان منتشر دانوں کی طرح ہوتیں جن کو باہم مربوط کرنے کے لئے کوئی دھاگہ موجود نہ ہو، ان قواعد کی وجہ سے وہ فروعات دھاگہ میں پروئے ہوئے تسبیح کے دانوں کی طرح آپس میں مربوط و منظم نظر آتی ہیں، نیز ان قواعد کی وجہ سے ان بے شمار فقہی جزئیات کو الگ الگ یاد رکھنے سے استغناء و بے نیازی بھی ہو جاتی ہے۔

الاشباہ والنظائر کا مادہ واسلوب اور مشمولات

علامہ ابن نجیم مصریؒ کی یہ کتاب اپنے سانچہ اور اسلوب میں علامہ سیوطی متوفی: ۹۱۱ھ اور امام ابن السبکی متوفی: ۷۷۱ھ کی الاشباہ والنظائر سے مستفاد ہے،

علامہ ابن نجیم نے اپنی اس شہرۂ آفاق کتاب کو سات فنون پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) **قواعد:** اس فن میں ۲۵ فقہی قواعد کو ذکر کیا ہے، چھ قواعد اساسی و بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جبکہ ۱۹/ قواعد فروعی وثانوی مقام رکھتے ہیں۔

(۲) **ضوابط وفوائد:** اس فن میں فقہ کے تمام ابواب سے متعلق خاص خاص ضوابط و استثناءات اور نادر مسائل کو جمع فرمایا ہے، ان ضوابط کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ ہے اور ان کی ترتیب فقہی ہے۔

ملحوظہ: قاعدے اور ضابطے میں فقہاءِ کرام نے تین اعتبار سے فرق کیا ہے:

(الف) قاعدہ مختلف ابواب کی فروعات کو جامع ہوتا ہے، جبکہ ضابطہ صرف ایک باب کی فروعات کو۔

(ب) قاعدہ عموماً بین المذاہب مسلم ہوتا ہے گو اس کی فروعات ہر مذہب میں علیحدہ ہوں، جب کہ ضابطہ صرف ایک مذہب ومسلک کا ترجمان ہوتا ہے۔

(ج) قاعدے کے الفاظ اپنے ماخذ اور شرعی اصل کی طرف مشیر ہوتے ہیں، بالفاظِ دیگر قرآن وحدیث کی کسی نص کو روایت بالمعنیٰ کے طریقہ پر قاعدے کا عنوان دے دیا جاتا ہے، جبکہ ضابطے میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ہوتا۔

(۳) **معرفۃ الجمع والفرق:** اس فن میں یہ بتایا گیا کہ ملتے جلتے مسائل کہاں متحد ہوتے ہیں اور کہاں مختلف۔

(۴) **الغاز یعنی معمّے:** یہ فن فقہی معمّوں و پہلیوں پر مشتمل ہے جو فقہ کے طلباء کے لئے نہایت دلچسپ بھی ہے اور مفید بھی۔

(۵) **حِیَل:** اس فن میں مختلف فقہی بابوں سے تعلق رکھنے والے حیلوں اور شرعی مَخلَص کا بیان ہے۔

(۶) **الاشباہ والنظائر:** اس فن میں ملتے جلتے مسائل اور ان کے باہمی فرق کو واضح کیا گیا ہے، یہی حصہ کتاب کی وجہ تسمیہ بھی ہے، اس فن اور فن معرفۃ الجمع والفرق میں مضامین کی یکسانیت

نظر آتی ہے، اِس فن میں جو فروق ہیں ان کو علامہ کرابیسیؒ کی کتاب الفروق سے جمع کیا ہے۔

(۷) **حکایات ومراسلات:** اس فن میں امام اعظم ابو حنیفہؒ اور دوسرے حنفی فقہاء کے خاص خاص واقعات، مکالمات اور مکاتیب کو جمع کیا گیا ہے۔

الاشباہ والنظائر کی خصوصیات

(۱) یہ کتاب سات فنون پر مشتمل ہے، اور ہر فن ایسا ہے جس کی معرفت وبصیرت سے ملکۂ فقہیہ آدمی کو نصیب ہوتا ہے۔

(۲) اس کتاب میں مصنف نے قواعدِ فقہ پر جو جزئیات متفرع فرمائی ہیں، ان میں تمام ابوابِ فقہ کی جزئیات کا احاطہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے، جس سے قاعدہ کی شرح و توضیح کے علاوہ مزید فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تمام ابوابِ فقہ نظر سے گذر جاتے ہیں اور سب کا اجمالی تعارف وخاکہ ذہن نشین ہوجاتا ہے۔

(۳) اس کتاب میں قواعد کی ترتیب میں الاھم فالاھم کے قاعدے کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

(۴) یہ کتاب مصنف نے اپنی آخری عمر میں اپنے علمی عروج کے عین درمیان صرف چھ ماہ کے عرصے میں تالیف فرمائی ہے۔

الاشباہ والنظائر کی شروحات

نمبر شمار	کتاب	مصنف	وفات
۱	ذخیرۃ الناظر	علی بن عبداللہ الطوری	۱۰۰۴ھ
۲	تنویر البصائر	شرف الدین الغزی	۱۰۰۵ھ
۳	تنویر الاذہان والضمائر	مصطفی الرومی	۱۰۲۵ھ
۴	زواہر الجواہر النظائر	صالح بن محمد بن عبداللہ التمر تاشی	۱۰۵۵ھ
۵	کشف الاشتباہ فی شرح الاشباہ	شیخ حسن بن علی القصیری	۱۱۸۱ھ
۶	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی	۱۰۹۸ھ

۷	عمدۃ ذوی البصائر	ابراہیم بن حسن البیری	۱۰۹۹ھ
۸	نزہۃ النواظر	نجم الدین محمد بن خیرالدین الرملی	۱۱۱۳ھ
۹	عمدۃ الناظر	سید محمد ابوالسعود الحسینی الحنفی	۱۱۷۲ھ
۱۰	شرح الاشباہ والنظائر	شیخ ابوالفتح عثمان بن عبداللہ الدمشقی	۱۲۱۴ھ
۱۱	التحقیق الباہر	شیخ ہبۃ اللہ	۱۲۲۴ھ
۱۲	شرح الاشباہ والنظائر	محمد علی الرافعی الطرابلسی	
۱۳	حاشیۃ السید	مولانا امیر علی صاحبِ عین الھدایہ	۱۳۳۷ھ
۱۴	البصائر (اردو)	مولوی وکیل احمد سکندر پوری	معاصر
۱۵	البصائر (اردو)	مفتی محمد احسان قاسمی ندوی	معاصر
۱۶	نور البصائر (اردو)	مولانا محی الدین قاسمی بڑودوی	معاصر
۱۷	عقود الجواہر (اردو)	مفتی محمد طاہر غازی آبادی	معاصر
۱۸	تسہیل النظائر (اردو)	مفتی محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی	معاصر

اردو شروحات اکثر ناتمام ہیں صرف اس حصہ کی شرح ہے جو درسِ نظامی کے نصاب میں شامل ہے، عربی شروحات میں بھی بعض ناتمام ہیں، محقق عبدالکریم جاموس کی تصریح کے مطابق الاشباہ والنظائر کی عربی شروحات پچیس سے زائد ہیں۔(مقدمہ عمدۃ الناظر:ص:۴۲)

<u>مراجع وماخذ</u>

(۱) علامہ ابن نجیم اوران کی کتاب الاشباہ والنظائر کا تعارف اور منہج
حافظ محمد ابراھیم ۔ڈاکٹر معین الدین ہاشمی
ہزارہ اسلامکس جنوری تا جون ۲۰۱۴ء

(۲) رسالۃ فی النذر بالتصدق لابن نجیم

مقدمۃ المحقق ایناس عبدالرزاق علی

(۳) دراسات وبحوث ابن نجیم الحنفی وفکرۃ التوارث الدولی

دکتور عماد عبدالسلام رؤوف

(۴) الرسائل الزینیۃ فی مذھب الحنفیۃ/ رسائل ابن نجیم الاقتصادیہ

دراسۃ وتحقیق محمد احمد سراج وعلی جمعۃ محمد

(۵) عقود الجواھر

مقدمۃ المحقق مفتی بشیر احمد سہارنپوری

(۶) دراسۃ وتحقیق عمدۃ الناظر علی الاشباہ والنظائر

المؤلف عبدالکریم جاموس بن مصطفیٰ

سراجی اور اس کے مؤلف کا تعارف

نام: ابوطاہر سراج الدین محمد بن محمود بن عبد الرشید سجاوندیؒ (افغانستان یا خراسان کے ایک علاقہ کی طرف نسبت ہے)

ولادت و وفات: کتبِ تاریخ میں مصنف کی تاریخِ ولادت و وفات کے سلسلے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں ملتا؛ البتہ اتنا اندازہ ملتا ہے کہ اس کے مصنف کا زمانہ تیسری اور چوتھی صدی کے درمیان کا ہے، مگر ہدیۃ العارفین میں ہے کہ آپ ۶۰۰ھ کے آس پاس میں فوت ہوئے۔

اساتذہ: اساتذہ میں علامہ حمید الدین محمد بن علی نوقدیؒ کا تذکرہ ملتا ہے۔

تالیفات: تالیفات میں ''الوقف والابتداء'' ''الجبر والمقابلۃ'' ''ذخائر نثار فی اخبار السید المختار'' کا تذکرہ ملتا ہے۔

علمی مقام: مفسر فقیہ اور ماہر ریاضی دان تھے۔

سراجی کی خصوصیات

(۱) سراجی اپنی شہرت و افادیت میں محتاجِ تعارف نہیں، محقق مصنف کی ژرف نگاہی، تحقیق و جستجو اور ان کے معجز قلم نے اب تک زمانے کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر رکھا ہے۔

(۲) بڑے بڑے محقق علماء نے اس کی شرح لکھ کر اس کی افادیت و نافعیت کو عام کیا ہے، صاحبِ کشف الظنون کے مطابق اُس وقت تک عربی میں تقریباً دو درجن شرحیں لکھی جا چکی تھیں، یہ تعداد زمانۂ حال میں شاید نصف صد سے متجاوز ہو چکی ہے۔

(۳) اس رسالہ کو محنت و بصیرت کے ساتھ پڑھ لیا جائے تو نہ صرف تقسیمِ میراث کا فن آجاتا ہے؛ بلکہ فقہ کی کتابوں کا آخری اور اہم باب کتاب الفرائض کے مسائل کا سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

فقہ و فتاوی سے اشتغال رکھنے والوں کو اور افتاء کے طلبہ کو زیادہ تر وراثت کے

مسائل ہی سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے؛ اس لئے ایک مفتی کو اس فن سے مستقل مزاولت رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے، اس فن میں مزید بصیرت ومہارت پیدا کرنے کے لئے سراجی کا متن منہ زبانی یاد رکھنے کے علاوہ ان کتابوں کو بھی زیرِ مطالعہ وزیرِ مشق رکھنا بھی ضروری ہے۔

نمبر شمار	کتاب	مصنف
۱	طرازی شرح سراجی	مولانا اشتیاق احمد صاحب دربھنگوی
۲	تسہیل السراجی	مفتی ابولبابہ شاہ منصور
۳	ثمرۃ المیراث	مولانا ثمیر الدین قاسمی
۴	تسہیل الفرائض	مولانا مفتی مجاہد شہیدؒ
۵	مفید الوارثین	مولانا سید میاں اصغر حسینؒ
۶	آسان اصول میراث (مناسخہ تک)	مولانا محمد غیاث الدین حسامی

ان کتابوں میں طرازی خاص طور پر درسی نقطۂ نظر سے ایک عمدہ اردو شرح ہے، جبکہ تسہیل السراجی اور ثمرۃ المیراث فنّی اور مشقی لحاظ سے بہت کارآمد چیز ہے، ابھی حال ہی میں مفتی محمد افضل اشاعتی صاحب کے قلم سے "افضل الراجی فی حل السراجی" کے نام سے دو جلدوں میں سراجی کی مفصل شرح منظرِ عام پر آئی ہے، جو واقعہ یہ ہے کہ درسی اور فنّی ہر دو اعتبار سے بے نظیر شرح ہے۔

سراجی کی چند عربی شروحات

نمبر شمار	کتاب	مصنف	وفات
۱	شرح السراجی	اکمل الدین بابرتی	۷۸۶ھ
۲	شرح السراجی	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱ھ

۳	شرح السراجی	شہاب الدین احمد بن محمود السیواسی	۸۰۳ھ
۴	شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد جرجانی	۸۱۶ھ
5	شرح السراجی	ابن کمال باشا	۹۴۰ھ

ان شروحات میں سید شریف جرجانی کی شرح الشریفیہ شرح السراجیہ کے نام سے عام دستیاب ہے، حاجی خلیفہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

وهو الشرح الباهر المتداول بين الأنام ؛ولذلک سودالعلماء وجه الاوراق بالحواشی علیه (کشف الظنون ۲/ ۱۲۴۹)

یعنی یہ ایک غیر معمولی شرح ہے جو لوگوں کے درمیان معروف ومقبول ہے، اوراس کی شہرت وقبولیت ہی کی وجہ سے علماء نے اس پر حواشی کا انبار لگا دیا ہے۔

قواعد الفقہ اور اس کے مؤلف کا تعارف

نام: سید محمد عمیم الاحسان المجد دی الحسینی البر کتی البنغلا دیشی (وکان من السادات)۔

ولادت ووفات: آپ کی ولادت ۱۳۲۹ھ اور وفات ۱۳۹۵ھ کو ہوئی۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم وتربیت والدِ گرامی سید عبد المنانؒ اور عمّ بزرگوار سید عبد الدیّانؒ کے زیرِ سایہ ہوئی، انہی چچا بزرگوار کے یہاں ناظرہ قرآن کی تکمیل بھی ہوئی، اپنے چچا بزرگوار کے ساتھ شیخِ زمانہ ابو محمد برکت علی شاہؒ کی مجالسِ تزکیہ وسلوک میں حاضری ہوا کرتی تھی، دس سال کی عمر ہی میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت نصیب ہوئی، اسی نسبت سے آپ کو برکتی بھی کہا جاتا ہے، پھر باضابطہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخلہ لیا ۱۳۴۵ھ تا ۱۳۵۲ھ وہاں کے طالبِ علم رہے اور ۱۳۵۲ھ کو فارغ التحصیل ہوئے۔

اساتذہ: (۱) شیخ ماجد علی جونپوریؒ (۲) عبد الرحمٰن کابلیؒ (۳) کرامت علی شاہؒ (۴) دکتور ہدایت حسینؒ (۵) فقیہ وصوفی شاہ محمد اسماعیل بہاریؒ وغیرہ۔

تلامذہ: ۱۳۵۳ھ سے مدرسہ جامع کبیر ناخدا کلکتہ میں باضابطہ مدرس کے طور پر مقرر ہوئے، اگلے سال ۱۳۵۴ھ اس مدرسہ کے مفتی کے منصب پر آپ کو فائز کیا گیا، ۱۳۶۲ھ سے مدرسہ عالیہ کلکتہ کا محاضر ولکچرار آپ کو بنایا گیا، جہاں آپ نے طلبہ کرام کی خوب علمی خدمت فرمائی، اخیر عمر تک تعلیم وتصنیف اور ملتِ اسلامیہ کی رہبری میں مصروف رہے، اس دوران سینکڑوں طالبانِ علومِ نبوت نے آپ سے استفادہ کیا۔

علمی مقام: ۱۳۵۴ھ میں بنگال کی حکومت نے آپ کو "مفتیٔ اعظم" کا عالی شان منصب عطا کیا اور آپ کی دینی خدمات اور علمی لیاقت کو تسلیم کیا، ۱۳۵۶ھ میں کلکتہ کے قلب کی قضاءت آپ کے سپرد کی اور آپ کو گویا قاضی القضاۃ بنا دیا۔

تالیفات

(۱) أتحف الاشراف بحاشیۃ الکشاف

(۲) التنویر فی اصول التفسیر

(۳)فقه السنن و الاٰثار

(۴)جامع جوامع الکلم

(۵)مقدمہ سنن ابی داؤد

(۶)مقدمہ مراسیل ابی داؤد

(۷)عمل اللیل و النہار

(۸)تحفۃ الاخیار

(۹)ھدیۃ المصلین

(۱۰)اوجز السیر فی سیرۃ خیر البشر

قواعد الفقہ کی خصوصیات ومشمولات

(۱) یہ کتاب بہت سی فقہی نادر معلومات وقواعد وتعریفات کو جامع ہے۔

(۲) اس کتاب میں پانچ الگ الگ رسائل ہیں:

(الف) اصول الامام الکرخی اس میں ۴۰/فقہی اصول بیان کئے گئے ہیں،

(ب) اصول المسائل الخلافیۃ اس کتاب میں وہ ۷۳/ اصول ذکر کئے گئے ہیں جن پر ائمہ احناف کے درمیان اختلافِ آراء کا مدار رہے،

(ج) القواعد الفقھیہ اس رسالہ میں ۴۲۶/ اہم فقہی قواعد بیان کئے گئے ہیں،

(د) التعریفات الفقھیہ اس حصہ میں ۴/ ہزار کے قریب اصطلاحی الفاظ کی عمدہ تشریح کی گئی ہے،

(ہ) ادب المفتی اس جزء میں شرح عقود رسم المفتی اور دیگر کتب سے تلخیص کر کے فتویٰ نویسی اور استفتاء کے آداب جمع کئے گئے ہیں۔

(۳) کتاب میں موجود فقہی قواعد کو اگر زبانی یاد کرلیا جائے، پھر کتبِ فقہ سے مراجعت کر کے ان قواعد سے متعلق جزئیات کی تلاش وتخریج کرلی جائے، نیز ان قواعد میں سے ہر قاعدے کے شرعی ماخذ کی تحقیق کرلی جائے کہ کتاب وسنت کی کونسی نص پر اس

قاعدے کا دارومدار ہے، اس طریقہ کے مطابق اگر اس کتاب کو پڑھ لیا جائے تو بہت کچھ فقہی بصیرت ومہارت آدمی کو نصیب ہو سکتی ہے۔

''قواعد الفقہ'' کے فن سے مناسبت اور اس میں مہارت پیدا کرنے کے لئے اِن کتابوں کو مطالعہ میں رکھنا مفید ثابت ہوگا۔

۱	قواعد مجلة الاحكام العدلية	مجموعة من علماء الدولة العثمانية	۱۲۸۶ھ
۲	شرح القواعد الفقهيه من قواعد مجلة الاحكام العدلية	احمد بن شیخ محمد الزرقا	۱۳۵۷ھ
۳	القواعد الفقهيه وتطبيقاتها فی المذاهب الاربعة	محمد مصطفیٰ الزحیلی	معاصر
۴	القواعد الفقهيه مفهومها نشأتها تطورها دراسة مؤلفاتها	علی احمد الندوی	معاصر
۵	موسوعة القواعد الفقهية (۱۳ جلد)	محمد صدقی آل بورنو	معاصر
۶	الاصول والقواعد اردو	مفتی محمد جعفر ملیّ رحمانی	معاصر
۷	فقهی ضوابط-اردو	مفتی اسامہ پالن پوری	معاصر
۸	الموافقات	ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی	۷۹۰ھ

مراجع وماخذ

(۱) ترجمۃ المفتی محمد عمیم الاحسان المجدد ی البرکتی مارچ ۲۰۱۹ء islamicmedia.org

(۲) فتویٰ نویسی کے رہنما اصول-مفتی سید محمد سلمان منصور پوری

(۳) مقدمہ قواعد الفقہ -مولانا سید ولایت حسین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتویٰ نویسی کے اصول اور مراحل

عموماً فتوی نویسی کے بالترتیب چار مراحل ہوتے ہیں:

(۱) مستفتی سے سوال وصول کرنا (۲) جواب تلاش کرنا (۳) فتوے کو جامع اور معیاری طریقہ پر مرتب کرنا (۴) فتوی کو کاغذ یا کاپی پر نقل کرنا، ہر مرحلہ کے اپنے اپنے اصول و آداب ہیں، ذیل میں ان کو پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا مرحلہ: مستفتی سے سوال وصول کرنا - اصول وآداب

۱) صرف وہ سوال وصول کرے جو صاف ستھرے اور بڑے کاغذ پر لکھا گیا ہو، ایسا کرنے میں ایک طرف افتاء کی عظمت کا اظہار ہے تو دوسری طرف اس کا فائدہ یہ ہے کہ کاغذ جب بڑا اور صاف ستھرا ہوگا تو جواب بھی اس پر لکھنا آسان رہے گا۔

۲) صرف وہ سوال وصول کرے جس کے بارے میں اطمینان ہو کہ سائل کی غرض بھی صحیح ہے اور ضرورتِ واقعیہ بھی درپیش ہے، اگر اس کا ہلکا بھی اندازہ ہو جائے کہ سائل کا مقصد فتنہ انگیزی یا فضول کاری ہے تو پھر حکمت اور لطائف الحیل کے ساتھ اس سے معذرت کر دے۔

۳) سوال ناقص یا مبہم ہو تو قابلِ وضاحت امور خود سائل سے سوال نامہ پر لکھائیں، اگر وہ موزوں الفاظ نہیں لکھ سکتا تو اسے اِملا کروائیں، اگر سوال نامہ میں اضافہ کا موقع وجگہ نہ ہو تو جواب میں اس اضافہ کا یوں حوالہ دیں کہ "جیسا کہ سائل کے زبانی بیان سے معلوم ہوا"۔

۴) بعض لوگوں کو سوال لکھنا بالکل نہیں آتا، اور وہ زبانی سوال کر کے تحریر میں فتویٰ چاہتے ہیں یا بعض دارالافتاء میں سوال و جواب کو کمپوز کر کے دینے کا نظام ہوتا ہے، ایسی صورت میں سوال تیار کر کے سائل کو سنا دیں، اور سوال کے اخیر میں اس کا دستخط یا نشانِ ابہام لے لیں، دین سے دوری و بیزاری کے اِس دور میں دارالافتاء رجوع ہونے والے اس قسم

کے لوگوں کا اس قدر تعاون کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ، مناسب معلوم ہو تو اس کام کے واسطے دارالافتاء کے لئے کوئی محرر مقرر کرلیا جائے۔

۵) سوال میں موجود اہم اور بنیادی نکات کو مشخص کریں، اور غیر ضروری اجزاء کو نظر انداز کریں ، ایسا کرنے سے سوال کا منشاء سمجھنے پھر جواب لکھنے میں آسانی ہوجاتی ہے، اصطلاح میں اس عمل کو نکتہ الغور کی تعیین یا فقہی تکلیف کہا جاتا ہے۔

٦) سوال میں اگر کسی مسئلہ کی ایک سے زائد شق مذکور ہوں تو سائل کو جس شق کی ضرورت ہے اس کو متعین کرالینا مناسب ہے، ایسا کرنے سے فتوے کے غلط استعمال اور اس کو لے کر انتشار کا ماحول پیدا کرنے سے عموماً حفاظت ہوجاتی ہے۔

۷) سوال کی سطروں کے درمیان یا آخر میں اگر سائل نے اس طرح خالی جگہ چھوڑ رکھی ہے کہ وہاں بعد میں اضافہ کا احتمال ہے تو خالی جگہوں کو نقطوں یا لائنوں سے پُر کردے ؛ تاکہ آئندہ کوئی سازش اور فتنہ کھڑا کرنے کا کسی کو موقع نہ ملے۔

نوٹ: استاذ اگر اپنی طرف سے سوال دے رہے ہیں، باہر سے آیا ہوا وہ سوال نہیں ہے تو طالبِ علم کا کام صرف اس سوال کو حل کرنا ہے؛ البتہ اگر کبھی منشاءِ سوال کے سمجھنے میں دشواری ہو رہی ہو تو ادب کے ساتھ استاذ سے معلوم کرلینا چاہئے۔

دوسرا مرحلہ: جواب تلاش کرنا۔ اصول وآداب

(۱) مظان متعین کریں کہ اس مسئلہ کا جواب کہاں کہاں مل سکتا ہے، فقہ کے کونسے باب سے اس کا تعلق ہے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی کوئی مسئلہ بظاہر کسی باب کا ہوتا ہے؛ مگر حقیقت میں کسی ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے کسی اور باب میں مذکور ہوتا ہے، ایسے مواقع پر مفتی کی ذہانت وتیقّظ کا زبردست امتحان ہوتا ہے۔

(۲) صرف ایک کتاب دیکھنے پر اکتفاء نہ کریں؛ بلکہ جتنی کتابیں آپ دیکھ سکتے ہیں ان کو دیکھ ڈالیں کہ یہ بھی تمرین ہی کا ایک اہم حصہ ہے، جس طرح سوال کے مطابق جواب لکھنا ضروری ہے، اسی طرح فتویٰ نویسی کی مشق کے لئے یہ تحقیق بھی ضروری ہے کہ یہ

جواب کتنی کتابوں میں موجود ہے؟ پھر بھلے آپ دوتین ہی کتابوں کا حوالہ دیں، ایسا اس لئے بھی کرنا ضروری ہے کہ بعض اوقات کسی کتاب میں کوئی مسئلہ مجمل لکھا ہوتا ہے اور دوسری کتابوں میں اس کی ضروری قیود کی تفصیل لکھی ہوتی ہے، کہیں دلیل موجود نہیں ہوتی تو کہیں دلیل اور مناقشہ موجود ہوتا ہے، کہیں ترجیح کے بغیر مختلف اقوال کا تذکرہ ہوتا ہے تو دوسری کتابوں میں راجح اور مفتی بہ قول کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۳) کتبِ فقہ وفتاویٰ میں تعارض یا فرق محسوس ہو تو علامہ شامیؒ کی تحقیق پر اعتماد کریں، اور اگر شامی میں کوئی بحث تشنہ محسوس ہو تو ''**العقود الدریه فی تنقیح الفتاوی الحامدیه** ''اور''**منحة الخالق علی هامش البحر** ''دیکھیں، علامہ شامیؒ نے ان میں عموماً کھل کر بحث فرمائی ہے، پھر بھی کوئی کسر باقی رہ گئی ہو تو فقہائے دیوبند کے فتاویٰ کو کھنگالیں، منزل آسان ہو جائے گی، ویسے اپنے ہر فتوے اور مسئلے کو اکابرینِ علمائے دیوبند کی الہامی تحقیقات سے ملا کر دیکھ لینا چاہئے، ایسا کرنے سے ایک طرف تو خطا اور بے اعتدالی سے حفاظت ہوگی تو دوسری طرف تفقّہ وبصیرت میں بھی خوب ترقی ہوگی۔

(۴) فقہی ابواب میں خاص طور پر نماز، حج، وقف اور قضا کے موضوع پر فقہائے احناف نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، متعلقہ مسائل میں ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے، نماز کے مسائل حل کرنے کے لئے''**غُنیة المُستَمْلی شرح مُنْیة المصلّی**''(حلبی کبیر) اور''**حاشیة الطحاوی علی مراقی الفلاح**''، حج کے مسائل کے لئے''**غنیة الناسک**''،''**ارشاد الساری**''کے علاوہ شیخ رحمت اللہ سندی اور مُلّا علی القاری کی جملہ کتبِ مناسک، وقف کے مسائل کے لئے قاضی القضاۃ امام ابوبکر خصاف کی''**احکام الاوقاف**''اور ابراہیم بن موسیٰ الطرابلسی کی''**الاِسعاف فی احکام الاوقاف**''قضا کے مسائل کے لئے علامہ علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی کی''**معین الحکام**''علامہ ابن الشحنہ کی''**لسان الحکام**''اسی طرح علامہ محمد بن اسمٰعیل الاشفورقانی کی''**صنوان القضاء وعنوان الافتاء**''دیکھنا چاہئے، اِدھر حال ہی

میں بیوع کے مسائل پر محقق العصر شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی معرکۃ الآراء کتاب ''فقه البيوع'' کے نام سے منصہ شہود پر آ چکی ہے، خرید وفروخت کے مسائل حل کرنے کے لئے اس سے استفادہ کرنا چاہئے۔

(۵) فقہی مسائل کے جواب لکھنے اور بتانے کے لئے انہی مذکورہ بالا کتب کی جانب مراجعت کرنی چاہئے، ان میں بھی شامی اور عالمگیری ہر وقت نگاہ و ذہن میں موجود رہنی چاہئے، تفسیر یا حدیث کا کوئی مسئلہ ہو تو اس موضوع کی تصانیفِ حنفیہ دیکھنا چاہئے، یہ غلطی کبھی نہ کریں کہ کوئی فقہی مسئلہ محض کسی حنفی عالم کی شرحِ حدیث دیکھ کر بتا دیا کریں یا کسی حدیث کی تحقیق کے معاملہ میں صرف فقہ کی کتابوں پر اعتماد کریں، ایسا کرنے سے بسا اوقات سخت لغزش ہو جاتی ہے۔

(۶) حنفی مسلک کے حضرات کے علاوہ دیگر مسالک کے حضرات رجوع ہوں تو ان کو ان کے مسلک کے دارالافتاء کی طرف رجوع کر دینا چاہئے، اِس معاملہ میں دوسرے مسلک کی کتابوں سے خود تحقیق کر کے فتویٰ جاری کرنا گویا اپنے آپ کو خطرہ اور خطا میں ڈالنے کے مترادف ہے، ویسے دیگر مسالک کے راجح اور مفتی بہ اقوال کا بقدرِ ضرورت علم رکھنا؛ ایک مشہور و ماہر مفتی کے لئے بہرحال کام کی چیز ہے، چنانچہ فقہ شافعی کے مفتیٰ بہ اقوال کی معرفت کے لئے علامہ رملیؒ کی ''نهاية المحتاج'' خطیبؒ کی ''مغنى المحتاج'' اور نوویؒ کی ''شرح المهذب'' دیکھنا چاہئے، فقہ مالکی کی تحقیق کے لئے ''مواهب الجليل في شرح مختصر خليل'' ''حاشية الدسوقي على الشرح الكبير'' ''شرح الدردير على مختصر خليل'' بنیادی کتابیں ہیں، حنبلی مسلک کے لئے ''كشاف القناع'' اور ''منتهى الارادات'' بہت اچھی ہیں۔ (آدابِ فتویٰ نویسی ص: ۶۲)۔

ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی مستند و متداول کتابیں

مصر کے معروف عالمِ دین اور وہاں کے مفتیٔ اعظم شیخ علی جمعہ نے مذاہبِ اربعہ میں سے ہر مذہب کی کتبِ معتمدہ کی نشان دہی کرتے ہوئے بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے، ذیل میں ان کے کلام کو نقل کیا جاتا ہے:

مذہبِ شافعی کی کتبِ معتمدہ

علامہ رافعیؒ اور امام نوویؒ جو فقہِ شافعی کے دو مضبوط بازو ہیں، ان کے بعد متاخرینِ شافعیہ نے علامہ ابن حجر ھیتمیؒ اور علامہ رملیؒ پر اعتماد کیا ہے، چنانچہ یہ ان کے اصولِ موضوعہ میں سے ہے کہ **لاتجوز الفتوی بما یخالفهما بل بما یخالف تحفة المحتاج لابن حجر و نهاية المحتاج للرملی** یعنی علامہ ابن حجرؒ کی "**تحفة المحتاج**" اور علامہ رَملیؒ کی "**نهاية المحتاج**" سے صرفِ نظر کر کے فتوی دینا جائز ہی نہیں ہے، اگر کوئی مسئلہ ان دو حضرات کی کتابوں میں نہ ملے تو پھر شیخ الاسلام زکریا الانصاری کی ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے "**المنهج مختصر منهاج النووی**" اور اس کی شرح "**فتح الوهاب بشرح منهج الطلاب**" "**أسنی المطالب شرح روض الطالب**" "**الغرر البهية فی شرح البهجة الوردية**" "**تحرير تنقيح اللباب**" اور اس کی شرح "**تحفة الطلاب**" بعد ازاں خطیب شربینی کی "**مغنی المحتاج**" اور "**الاقناع شرح متن ابی شجاع**" دیکھنا چاہئے، پھر علامہ زیادیؒ پھر ابن قاسم العبادیؒ پھر شیخ عمیرہ پھر شیخ شَبرامَلِّسی پھر شیخ حلبی پھر شَوبَری پھر عنانی کے حواشی کی جانب مراجعت کرنا چاہئے۔ (المدخل الی دراسة المذاہب الفقہیہ ۱/۴۹ تا ۵۰)

مذہبِ مالکی کی کتبِ معتمدہ

مذہبِ مالکیہ میں سَحنون بن سعیدؒ کی "**المدونة**" اصل کا درجہ رکھتی ہے، فقہاء مالکیہ کا کہنا ہے: "**المدونه بالنسبة الی کتب المذهب کالفاتحة فی الصلاة تغنی عن غیرها ولا یغنی عنها غیرها**" "**المدونة**" درحقیقت امام مالکؒ، امام ابن القاسمؒ، امام اسد بن فراتؒ اور امام سحنون بن سعیدؒ کے اجتہادات وعلمی تحقیقات کا مجموعہ ہے، "**المدونة**" کی شروع زمانے ہی سے شروحات وتلخیصات لکھی جاتی رہی ہیں، تا آنکہ ان ساری چیزوں کو سامنے رکھ کر امام کبیر اور فقہِ مالکی کے مالکِ صغیر علامہ ابن ابی زید القیر وانی نے چوتھی صدی ہجری میں "**النوادر**" کو تصنیف کیا جو فقہِ مالکی کے اصول وفروع کو جامع تھی، ساتویں صدی کے وسط میں علامہ ابن حاجبؒ نے فقہ مالکی کی اب تک کی **امهات الکتب**

سے استفادہ کرتے ہوئے ''جامع الامہات'' یا ''المختصر الفرعی'' کے نام سے ایک زبردست کارنامہ انجام دیا، آٹھویں صدی ہجری میں علامہ خلیل بن اسحاق الجندی المالکیؒ نے ''التوضیح شرح مختصر ابن حاجب'' کے نام سے چھ جلدوں میں اس کی شاندار شرح لکھی، بعد ازاں علامہ خلیل بن اسحاق جندیؒ نے ''مختصر ابن حاجب'' کی روشنی میں اپنی ''مختصر '' تیار کی جس میں فقہِ مالکی کے خلاصہ کو جمع فرمادیا ''مختصر خلیل '' اپنے وقتِ تصنیف سے لے کر آج تک مالکیہ کی سرمۂ چشم بنی ہوئی ہے، یہ کتاب تدریس وافتاء میں مالکیہ کے یہاں حجّت کا درجہ رکھتی ہے، سو سے زائد شروح وحواشی اس کتاب پر لکھے گئے ہیں، مختصر خلیل کی شروحات میں شیخ محمد بن محمد بن عبد الرحمن الحطّاب کی '' المواھب الجلیل ''نمایاں مقام رکھتی ہے، علامہ حطاب نے ابتداء سے لے کر کتاب الحج کے اخیر تک اس احاطہ وجامعیت سے شرح فرمائی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی، پھر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت میں کچھ اکتاہٹ ہوگئی تھی، چنانچہ کتاب النکاح سے خاتمۂ کتاب کی شرح ابو علی بن رحال المعدنیؒ نے اپنے عجوبۂ روزگار قلم سے لکھ کر حطاب کی شرح کے ساتھ ملحق کردی، اس کے علاوہ علامہ اُحمد الدردیر المالکی نے بھی ''الشرح الکبیر'' کے نام سے ''مختصر خلیل'' کی شرح تحریر فرمائی، علامہ دَردِیر کی اس شرح پر علامہ محمد بن احمد بن عرفۃ الدُّسوقی نے اپنا مشہورِ زمانہ حاشیہ لکھا جو ''حاشیہ الدُّسوقی علی الشرح الکبیر'' کے نام سے موجود ہے، اور فقہِ مالکی کا ایک اہم ترین مرجع بنا ہوا ہے۔(المدخل الی دراسۃ المذاھب الفقہیہ ۱/ ۱۶۲ تا ۱۶۸ ، ویکیپیڈیا)

مذہب حنبلی کی کتبِ معتمدہ

ابو القاسم عمر بن حسین الخِرَقی کی ''مختصر الخِرَقی'' فقہِ حنبلی کا اولین متن شمار ہوتا ہے جو اپنے اختصار وجامعیت کے لحاظ سے بے نظیر سمجھا جاتا ہے، اس متن کی کم از کم تین سو شروحات لکھی گئی ہیں، ان میں امام موفق الدین ابن قدامۃ المَقدِسی کی شرح ''المغنی'' سب

پر فوقیت رکھتی ہے، موفق الدین المقدسی نے فقہِ حنبلی کی بے پناہ خدمت کی ہے، موصوف نے مبتدی حضرات کے لئے ''العُمدۃ'' لکھی پھر ان سے کچھ اوپر والوں کے لئے ''المقنع'' تصنیف فرمائی پھر متوسطین کے لئے ''الکافی'' تحریر فرمائی جس میں مسائل کے ساتھ ساتھ دلائل سے بھی تعرض فرمایا پھر اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے ''المغنی'' کا تحفہ دیا جس کے مطالعہ و تکرار سے اجتہادی ذوق پروان چڑھتا ہے۔

فقہِ حنبلی میں تین متون نے خوب شہرت پائی ہے:

(۱) علامہ خِرَقی کا متن مختصر الخرقی

(۲) علامہ مقدسی کا متن ''المقنع''

(۳) قاضی علاؤالدین المرداوی کا متن ''التنقیح المشبع فی تحریر احکام المقنع''

علامہ مَرداویؒ نے ''الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف'' کے نام سے اولاً بارہ ضخیم جلدوں میں ایک کتاب لکھی تھی، بعد ازاں ایک جلد میں ''التنقیح المشبع فی تحریر احکام المقنع'' کے نام سے اس کا اختصار لکھا جو متن کا درجہ حاصل کر گیا، علامہ مرداویؒ کو اصول و فروع میں فقہِ حنبلی کا مجدّد بھی کہا جاتا ہے۔

بعد کے ادوار میں علامہ تقی الدین احمد بن النجار الفُتوحیؒ نے ''المقنع'' اور ''التنقیح'' کو ملا کر ایک کتاب ''منتھی الارادات فی جمع المقنع مع التنقیح وزیادات'' کے نام سے تیار کی، متاخرینِ حنابلہ نے فتوحیؒ کی اس کتاب ہی پر ڈیرا ڈال دیا اور متقدمین کی کتابوں سے صرفِ نظر کر لیا۔

اِدھر شیخ موسیٰ حجاوی نے ''الاقناع'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی، جس میں محمد بن عبداللہ السامریؒ کی ''المستوعِب'' علامہ مجد الدین ابن تیمیہ کی ''المحرر'' محمد بن مفلح المقدسی کی ''الفروع'' اور علامہ موفق الدین المقدسی کی ''المقنع'' کو اپنی اس تالیف میں سمو لیا۔

اب متاخرینِ حنابلہ کا فقہ و فتاوی میں تمام تر اعتماد انہی دو کتابوں یعنی ''مُنتھی

الِا رادات‘‘اور الاقناع‘‘ اوران کی شروحات پر ہے، منتھی الِا رادات کی ایک شرح خود ماتن علامہ فتوحیؒ کے قلم سے ہے اور ایک شرح علامہ بُھوتی نے لکھی ہے، علامہ بُھوتی نے ’’الاقناع ‘‘ کی بھی ایک معرکۃ الآ راء شرح ’’کشّاف القِناع عن متن الاقناع‘‘ کے نام سے تحریر فرمائی ہے، بُھوتی نے ’’منتھی الارادات‘‘ کی اپنی شرح میں دراصل کشاف القناع اور منتھی الارادت کے ماتن کی شرح کے مباحث کو جمع کر دیا ہے۔(المدخل الی دراسۃ المذاھب الفقھیہ :۱/ ۲۱۳ تا ۲۳۰)

مفتی کے لئے درکار سرمایۂ کتب

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ کا ارشادِ گرامی ہے: ’’کتابوں کے بغیر مفتی کا حال ایسا ہے جیسے بے ہتھیار کے سپاہی‘‘ عصرِ حاضر کے ایک مایہ ناز مفتی حضرت مولانا مفتی سید سلمان منصور پوری زید مجدھم نے حضرتِ والا کے اس ارشاد کو نقل کر کے اہم کتابوں کی ایک طویل فہرست دی ہے، ذیل میں اس کا ایک انتخاب جزوی اضافہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

کتبِ فقہ وفتاویٰ عربی

شمار	کتاب	مصنف	وفات
۱	رد المحتار (فتاویٰ شامی)	محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی	۱۲۵۲ھ
۲	فتاویٰ عالمگیری وعلی ھامشہ فتاوی خانیہ وفتاوی بزازیہ	زیرِ نگرانی اورنگزیبؒ فخر الدین حسن بن منصورؒ محمد بن محمد شہاب ابن بزازؒ	۱۱۱۸ھ ۵۹۲ھ ۸۲۷ھ
۳	البحر الرائق مع منحۃ الخالق	زین الدین بن ابراھیم المعروف با بن نجیم المصریؒ	۹۷۰ھ

۴	الفتاویٰ التاتار خانیہ	امام فرید الدین عالم بن العلاء الِاندرپتی الدھلویؒ	سنہ ۷۸۶ھ
۵	بدائع الصنائع	علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانیؒ	سنہ ۵۸۷ھ
۶	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المعروف بابن الھمامؒ	سنہ ۸۶۱ھ
۷	المحیط البرھانی	برھان الدین محمود بن احمد بن مازہ البخاریؒ	سنہ ۶۱۶ھ
۸	حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار	أحمد بن محمد الطحطاویؒ	سنہ ۱۲۳۱ھ
۹	حاشیۃ الطحاوی علی المراقی	أحمد بن محمد الطحطاویؒ	سنہ ۱۲۳۱ھ

ان کتابوں میں سے اول الذکر چار کتابوں سے تحریرِ فتاویٰ کے دوران مراجعت کی نوبت زیادہ پیش آتی ہے۔

کتب فقہ وفتاوی اردو

شمار	کتاب	مصنف	وفات
۱	فتاوی دار العلوم دیوبند	مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ	سنہ ۱۳۴۷ھ
۲	امداد الفتاوی	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	سنہ ۱۳۶۲ھ
۳	امداد الاحکام	علامہ ظفر احمد عثمانیؒ	سنہ ۱۳۹۴ھ

۴	امداد المفتین	مفتی محمد شفیع عثمانیؒ	سنہ ۱۳۹۶ھ
۵	کفایت المفتی	مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ	سنہ ۱۳۷۲ھ
۶	فتاوی محمودیہ	فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	سنہ ۱۴۱۷ھ
۷	احسن الفتاوی	مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ	سنہ ۱۴۲۲ھ
۸	فتاوی دار العلوم زکریا	مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہم	معاصر
۹	کتاب الفتاوی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ	معاصر
۱۰	کتاب النوازل	مفتی سید محمد سلمان منصورپوری مدظلہم	معاصر
۱۱	فتاوی قاسمیہ	مفتی شبیر احمد قاسمی مدظلہم	معاصر
۱۲	فتاوی عثمانی	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	معاصر
۱۳	آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا یوسف لدھیانوی	سنہ ۱۴۲۱ھ
۱۴	چند اہم عصری مسائل	مفتی زین الاسلام قاسمی مدظلہم	معاصر

۱۵	جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ	معاصر
۱۶	فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلے	اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	معاصر
۱۷	ادارۃ المباحث الفقہیہ کی تجاویز	جمعیۃ علمائے ہند	معاصر

اول الذکر پانچ کتابیں علمائے دیوبند کے فقہی مزاج کو سمجھنے اور اس کو اپنانے کے سلسلہ میں اصل الاصول کا درجہ رکھتی ہیں، باقی کتابیں جزئیاتِ فقہ اور لوگوں کے مسائل کا جواب دینے کے لئے بہترین معاون ثابت ہوتی ہیں۔

کتبِ تفسیر عربی و اردو

شمار	کتاب	مصنف	وفات
۱	تفسیرِ ابن کثیر	ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر الدمشقی	سنہ ۷۷۴ھ
۲	تفسیرِ رازی	امام فخر الدین الرازی	سنہ ۶۰۶ھ
۳	تفسیرِ قرطبی	علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی	سنہ ۶۷۱ھ
۴	روح المعانی	علامہ محمود آلوسی	سنہ ۱۲۷۰ھ
۵	احکام القرآن للجصاص	امام ابوبکر جصاص الرازی	سنہ ۳۷۰ھ
۶	احکام القرآن للتھانوی	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	سنہ ۱۳۶۲ھ

۷	بیان القرآن	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ
۸	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع عثمانی	۱۳۹۶ھ
۹	معارف القرآن	مولانا ادریس کاندھلویؒ	۱۳۹۴ھ
۱۰	آسان تفسیر قرآن مجید	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلھم	معاصر

شروحاتِ حدیث مع متون ومجموعے

شمار	کتاب	مصنف	وفات
۱	بخاری شریف	محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۲	مسلم شریف	مسلم بن الحجاج القشیری	۲۶۱ھ
۳	ابوداؤد	سلیمان بن الاشعث	۲۷۵ھ
۴	ترمذی	محمد بن عیسی بن سَورہ	۲۷۹ھ
۵	ابن ماجہ	محمد بن یزید القزوینی	۲۷۳ھ
۶	نسائی	احمد بن شعیب	۳۰۳ھ
۷	فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	۸۵۲ھ
۸	عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین عینیؒ	۸۵۵ھ
۹	فیض الباری	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	۱۳۵۲ھ
۱۰	فتح الملہم مع تکملہ فتح الملہم	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ	۱۳۶۹ھ
۱۱	مرقاۃ المفاتیح	ملا علی القاری	۱۰۱۴ھ

۱۲	اوجزالمسالک	شیخ الحدیث محمد زکریا الکاندھلوی	سنہ ۱۴۰۲ھ
۱۳	کنزالعمال	علاءالدین علی بن حسام الدین الھندی المتقی	سنہ ۹۷۵ھ
۱۴	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الھیثمی	سنہ ۸۰۷ھ
۱۶	جمع الفوائد	محمد بن محمد بن سلیمان بن الفاسی	سنہ ۱۰۹۴ھ
۱۷	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن الحسین البیھقی	سنہ ۴۵۸ھ

کتبِ سیرت وتاریخ عربی اردو

شمار	کتاب	مصنف	وفات
۱	السیرۃ النبویۃ لابن کثیر	حافظ ابن کثیرؒ	سنہ ۷۷۴ھ
۲	الشفابتعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی عیاضؒ بن موسیٰ	سنہ ۵۴۴ھ
۳	المواھب اللدنیۃ	علامہ قسطلانیؒ	سنہ ۹۲۳ھ
۴	سبل الھدی والرشاد	محمد بن یوسف شامیؒ	سنہ ۹۴۲ھ
۵	زادالمعاد	علامہ ابن قیم الجوزیہ	سنہ ۷۵۱ھ
۶	جمع الوسائلؒ	ملاعلی قاریؒ	سنہ ۱۰۱۴ھ

۷	سیرت النبی (اردو) معہ سیرۃ المصطفیٰ	علامہ شبلی نعمانی و علامہ سید سلیمان ندوی مولانا ادریس کاندھلوی	۱۳۳۲ھ ۱۳۷۳ھ ۱۳۹۴ھ
۸	شمائل کبریٰ (اردو)	مفتی محمد ارشاد قاسمی مدظلہم	
۹	البدایۃ والنہایۃ (عربی)	ابو الفداء حافظ ابن کثیرؒ	۷۷۴ھ
۱۰	تاریخ امتِ مسلمہ	مولانا اسماعیل ریحان	معاصر

کتب فقہ مقارن

شمار	کتاب	مصنف	وفات
۱	الموسوعۃ الفقھیۃ	وزارۃ الاوقاف الکویت	
۲	بدایۃ المجتھد	ابن رشد الحفید	۵۹۵ھ
۳	المغنی لابن قدامہ	موفق الدین ابن قدامہ المقدسی	۶۲۰ھ
۴	الفقہ علی المذاھب الاربعۃ	عبد الرحمن الجزیری	۱۳۶۰ھ
۵	الفقہ الاسلامی و ادلتہ	وھبۃ بن مصطفی الزحیلی	۱۴۳۶ھ
۶	المجموع شرح المھذب	یحیی بن شرف النووی	۶۷۶ھ

کتب ادلۃ الحنفیہ

شمار	کتاب	مصنف	وفات
۱	نصب الرایہ	جمال الدین الزیلعی	۷۶۲ھ
۲	عقود الجواهر المنیفة	علامہ سید مرتضیٰ زبیدی	۱۲۰۵ھ
۳	آثار السنن	علامہ ظہیر احسن شوق نیموی	۱۳۲۲ھ
۴	اعلاء السنن	علامہ ظفر احمد عثمانی	۱۳۹۴ھ

لغات ومعاجم

شمار	کتاب	مصنف	وفات
۱	مجمع بحار الانوار	علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی	۹۸۶ھ
۲	المغرب فی ترتیب المعرب	علامہ ناصر بن عبد السید المُطرِّزی	۶۱۰ھ
۳	النهایة فی غریب الحدیث والاثر	علامہ ابن الاثیرؒ	۶۰۶ھ
۴	قواعد الفقه	مفتی محمد عمیم الاحسان	۱۳۹۵ھ
۵	قاموس الفقه	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلھم	

کتبِ اسرار ومقاصدِ شریعت

شمار	کتاب	مصنف	وفات

۵۰۵ھ	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی	احیاء علوم الدین	۱
۱۱۷۶ھ	شاہ ولی اللہ الدھلوی ؒ	حجۃ اللہ البالغہ	۲
۷۹۰ھ	ابراھیم بن موسی الشاطبی ؒ	الموافقات	۳

ڈیجیٹل اور آن لائن ذخیرہ

(۱) المکتبہ الشاملہ: جملہ اسلامی موضوعات پر گویا کتابوں کا ایک جہاں ہے۔

(۲) مکتبہ جبرئیل: عوام الناس کی جانب سے پوچھے جانے والے سوالات ومسائل کے سلسلہ میں ہر وقت اور بر موقع رہنمائی کرنے کے لئے عمدہ ترین سافٹ ویر ہے مگر تمرینِ فتاوی کے زمانے میں اس کی عادت بنا لینے سے تحقیق وتتبع کی صلاحیت انتہائی کمزور ہو جاتی ہے۔

(۳) الفرائض اور □م لحساب المواریث: مناسخہ سے قبل تک کے مسائلِ میراث حل کرنے کا عمدہ اپلکیشن ہے۔

(۴) دار الافتاء www.darulifta.info اس ویب سائٹ پر فی الحال برِّ صغیر کے کئی ایک مشہور دار الافتاء کے اسّی ہزار سے زائد فتاوی موجود ہیں، مزید اضافوں کا عمل جاری ہے، موجودہ دور کے مسائل حل کرنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔

(۵) جامعہ بنوری: جدید اور روزمرہ کے مسائل کے جوابات معلوم کرنے کے لئے ایک معیاری ویب سائٹ ہے۔

تیسرا مرحلہ: فتوے کو جامع اور معیاری طریقہ پر مرتب کرنا۔ اصول وآداب

(۱) جواب تشفی بخش اور مطمئن کرنے والا ہو۔

(۲) حدود وقیود کا اس میں لحاظ ہو، کوئی ضروری قید یا شرط؛ پس انداز نہ ہوئی ہو۔

(۳) حکمِ شرعی کے بیان میں توازن واعتدال کا نمونہ ہو۔

(۴) زبان عام فہم اور آسان ہو۔

(۵) ادائے مفہوم کے لئے ضرورت کے بقدر الفاظ ہی کا استعمال ہو۔

(۶) صریح جزئیات کی روشنی میں جواب لکھا گیا ہو۔

(۷) صریح جزئیات نہ ملیں تو بشرطِ اہلیت کلیات وقواعد کی روشنی میں بھی جواب لکھا جاسکتا ہے، ایسے مواقع پر دیگر اربابِ افتاء سے رجوع ومشورہ کرنے کی تاکید بھی کردے۔

(۸) کسی فتوے میں ترغیب یا ترہیب کی بات شامل کرنا قرینِ مصلحت معلوم ہوتو اختصار وجامعیت کے ساتھ شامل کردے۔

(۹) کہیں صورتِ مسئولہ میں معمولی ترمیم وتبدیلی سے جواز کی صورت بن جاتی ہو تو اس کو بھی بیان کردے؛ ورنہ کسی شرعی متبادل کی جانب رہنمائی کردے؛ مگر یہ حقیقت ہے کہ ہر جگہ تصحیحِ عقد یا تجویزِ متبادل کا امکان ضروری نہیں ہوتا؛ اس لئے اس سلسلہ میں مزاجِ شریعت اور حکمت ومصلحت کے تقاضوں سے تجاوز نہ کرے۔

(۱۰) صورتِ مسئلہ کو واقعی طور پر سمجھنے کے لئے اگر کبھی ماہرینِ فن سے مشاورت کی ضرورت محسوس ہو تو اس کو بھی دینی ضرورت خیال کرکے آگے بڑھے۔

(۱۱) مفصل و مدلل فتوی ہو تو نہایت حزم واحتیاط اور تیقّظ کے ساتھ جواب کے آغاز ہی میں دو تین سطر میں شرعی حکم ذکر کردے، پھر تفصیلی دلائل اور محاکمہ قلمبند کرے، اس طرزِ فتوی نویسی میں سائل کی رعایت ہے کہ اس کو اپنا مسئلہ معلوم کرنے کے لئے پورا فتوی پڑھنے کی زحمت اُٹھانی نہیں پڑتی۔

(۱۲) بسا اوقات کسی مسئلہ کا محض شرعی حکم بیان کردینا کافی نہیں ہوتا؛ بلکہ سدِّ ذرائع کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے انتظامی مشورہ کی ضروت بھی معلوم ہوتی ہے، ایسے مواقع پر حکمت وبالغ نظری کے ساتھ اس پہلو کو بھی شاملِ فتوی کرے۔

(۱۳) جہاں حقیقتِ واقعہ کا علم نہ ہو اور جواب لکھنا بھی کسی وجہ سے ضروری معلوم

ہوتو فتوی کے شروع میں بشرطِ صحت سوال جیسے الفاظ کا اضافہ کردے۔

(۱۴) تحریر کی ظاہری خوبیوں کی رعایت کرے، فتوی کی تحریر صاف، خوش خط اور سلیقہ کی آئینہ دار ہو، نیز علاماتِ ترقیم جیسے سکتہ (،) ختمہ (۔) اور واوین ("") وغیرہ کا برمحل استعمال واہتمام ہو، اِس کی تفصیل اِسی کتاب کے بابِ سوم کے عنوان "رموزِ اوقاف" میں ہے۔

(۱۵) براہِ راست اصل استفتاء کا جواب لکھنا شروع نہ کرے؛ بلکہ پہلے تسوید کے مرحلے سے اس کو گذارے، پھر کاپی پر اس کو اُتارے، ہاں ماہر مفتی ہوتو اس کو مشق ومحنت کی کوئی ضرورت نہیں۔

چوتھا مرحلہ: فتوی کو کاغذ یا کاپی پر نقل کرنا۔ اصول وآداب

(۱) سوال کی عبارت جہاں ختم ہووہیں سے متصل جواب لکھنا شروع کردے، اگر جگہ نہ ہوتو سوال کی پشت پر فاصلہ چھوڑے بغیر جواب لکھ دے، اگر صفحہ کے دونوں جانب سوال بھرا ہوتو علیحدہ صفحہ پر فاصلہ چھوڑے بغیر جواب لکھے؛ البتہ ایسی صورت میں سوال و جواب کے کاغذ پر حوالہ یا کوئی نوٹ لکھ کر دونوں کو باہم مربوط کردے۔

(۲) فتوی لکھنے سے پہلے تعوذ وتسمیہ، حمد وصلاۃ، **لاحول و لا قوۃ الا باللہ** اور **رب اشرح لی صدری** زبانی پڑھ لے۔

(۳) کاغذ کے دائیں جانب سے فتوی لکھنا شروع کرے۔

(۴) سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ لکھے۔

(۵) بعدازاں **حامداً و مصلیاً الجواب وباللہ التوفیق** جیسے الفاظ لکھے۔

(۶) تحریر کے قواعد اور فتوی نویسی کے اسلوب کے مطابق فتوی نقل کرے۔

(۷) جواب کے ختم پر فقط واللہ اعلم یا واللہ اعلم بالصواب جیسے الفاظ تحریر کرے۔

(۸) اخیر میں اپنے دستخط مع تاریخ ثبت کرے۔

اگر استاذ نے کوئی سوال لکھا یا ہواور طالبِ علم کاپی پر لکھ کر استاذ کو دکھاتا ہوتو اس میں مضمون نگاری کے اسلوب کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے یعنی:

(الف) صفحہ کے دونوں جانب مناسب حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔

(ب) پہلی سطر حاشیہ سے کم و بیش تین حروف کی جگہ چھوڑ کر لکھیں ، بقیہ سطریں حاشیہ کے ساتھ سے شروع کردیں۔

(ج) ایک بند مکمل ہو جائے تو دوسرا شروع کرتے ہوئے بھی پہلی سطر تقریباً تین حروف کی جگہ چھوڑ کر اور بقیہ سطریں حاشیہ سے متصل شروع کریں۔

(د) عربی حوالہ (اقتباس) نقل کرتے وقت دونوں جانب اردو عبارت کی بنسبت کچھ زیادہ جگہ چھوڑی جائے اور اقتباس کے شروع وآخر میں واوین لگا کر اس کو ممتاز کیا جائے، یہی طریقہ اس اردو حوالہ میں بھی اپنایا جائے جو بلفظہٖ نقل کی جائے، ماہرینِ انشاء کی زبان میں اس طریقہ کو ''حوض قائم کر کے اقتباس لکھنا'' کہتے ہیں۔

(ہ) جس مصنف کی عبارت حوالہ کے طور پر دی جارہی ہے، اس کا نام مع تاریخِ وفات، قائل یا ناقل کے طور پر لکھا جائے، پھر اس کی عبارت لکھی جائے، جیسے علامہ ابن عابدین شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں یا نقل کرتے ہیں، پھر ان کی عبارت درج کی جائے، عبارت کے ختم پر مکمل حوالہ درج کیا جائے۔

(و) حوالہ درج کرنے کا آج کل طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے مصنف کی نسبت پھر اس کے بعد مصنف کا نام پھر کتاب کا نام، اس کے بعد جلد نمبر پھر صفحہ نمبر، اس کے بعد مطبوعہ کا رمز ''ط'' لکھ کر مطبع کا نام پھر آخر میں سنِ طباعت لکھا جائے مثلاً: ''العسقلانی ابن حجر الحافظ فتح الباری ۵ / ۷ ۴۳، ط: دار العلم بیروت ۱۲۸۰ھ''۔

(ز) مطبع کا نام اور سنِ طباعت کے بجائے جلد و صفحہ نمبر کے بعد باب یا فصل یا مبحث کا نام لکھ دینا بھی کافی ہو جاتا ہے۔

(ماخوذ از: علمی موضوعات پر مطالعہ وتحقیق کا طریقہ، از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہ وفتاوی سے مناسبت
اور
اس میں رسوخ کی شکلیں

''ادارۂ اشرف العلوم'' حیدرآباد دکن کا ایک باوقار و بافیض دینی مدرسہ ہے، ناظرہ سے لے کر دورہ وافتاء تک یہاں مضبوط تعلیمی نظام قائم ہے، ملک بھر سے طالبانِ علومِ نبوت بھاری تعداد میں یہاں ہر سال رجوع ہوتے ہیں، تعلیمی معیار، تربیتی نظام، عصری تقاضوں سے ہم آہنگی اس ادارہ کا امتیاز ہے، اِدھر شعبۂ افتاء کے باضابطہ آغاز ہی کے وقت سے یہاں شہراور اضلاع کی علمی وفقہی شخصیات کو محاضرات کے لئے مدعو کیا جاتا ہے، راقم الحروف کو بھی ازہرِ دکن جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کے شعبۂ افتاء میں مدرس ہونے کی نسبت سے بارہا مدعو کیا گیا ہے، سالِ گذشتہ ۱۴۴۰-۱۴۴۱ھ کے کسی ماہ، محاضرہ کے لئے عنوانِ بالا تجویز ہوا تھا، اِس موقع سے بندے نے اہم نوٹس تیار کئے تھے، انہی نوٹس کو معمولی تہذیب وترمیم کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے، امید ہے کہ طلبۂ کرام کو اس سے ان شاء اللہ ضرور فائدہ ہوگا۔

فقہ کی تعریف: فقہ کے لغوی معنیٰ جاننا اور اصطلاحی معنیٰ تفصیلی دلائل سے استخراج کردہ جزئیات کا جاننا، امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی نہایت وسیع تعریف کو اختیار کیا، فرمایا: "**الفقه معرفة النفس مالها وما عليها**" فقہ نام ہے ایسی چیزوں کے جاننے کا جو دینی لحاظ سے نفس کے لئے فائدہ مند ہوں اور جن سے نفس کو نقصان ہوتا ہو، اس تعریف کی رو سے اعتقادیات و ایمانیات، وجدانیات، اخلاقیات اور عملیات وفعلیات کے جملہ مسائل فقہ کا مصداق قرار پاتے ہیں، امام صاحبؒ کے بعد فقہ کا دائرہ محدود ہوگیا اور صرف عملی وفروعی مسائل اس کا موضوع ٹھہرے۔

فقیہ ایسے شخص کو کہتے ہیں جسے جزئی مسائل کے احکام معلوم اور یاد ہوں، صوفیاءِ کرام کے یہاں فقیہ وہ شخص ہے جس کے علم وعمل میں مطابقت ہو۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/ ۲۹۔ الدر المختار مع رد المحتار ۱/ ۱۱۸)۔

علامہ یوسف بن عمر الکاذوریؒ فرماتے ہیں: علم نام ہے کسی چیز کو تکلّف کے بغیر جاننے کا، جبکہ فقہ نام ہے کسی چیز کو تکلّف ومشقت کے ساتھ جاننے کا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عالم تو کہا جاتا ہے؛ مگر فقیہ نہیں۔ (جامع المضمرات ۱/ ۶۴)

فتوی کی تعریف: فتوی کے لغوی معنیٰ : **الاجابة عن سؤال سواء كان متعلقًا بالاحكام الشرعية او بغيرها:** کسی سوال کا جواب دینا خواہ اس کا تعلق احکامِ شرعیہ سے ہو یا اس کے علاوہ سے۔

اصطلاحی معنیٰ: الجواب عن مسئلة دينية و شرعية: ایسے مسئلہ کا جواب دینا جس کا تعلق دین اور شرع سے ہو۔

قرآنِ پاک میں فتوی کا لفظ اِن دونوں معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي (نمل: ۳۲) أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ (یوسف: ۴۳) میں لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے ،اور وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ (النساء: ۱۲۷) قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ (النساء: ۱۷۶) میں اصطلاحی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے (اصول الافتاء وادابہ؛ ص: ۸)

فتوی اور قضا میں فرق

(۱) فتوی میں اظہارِ حکم ہوتا ہے، مفتی اپنے فتوی کے ذریعہ حکمِ شرعی کو ظاہر کرتا ہے کہ امرِ مسئول واجب ہے یا مستحب، جائز ہے یا ناجائز، حرام ہے یا مکروہ؟ جبکہ قضا میں الزامِ حکم ہوتا ہے، دارالاسلام کے قاضی کے پاس اپنے فیصلہ کو نافذ کرنے کے لئے قوتِ قہریہ ہوتی ہے، اس فرق کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے کہ: **القاضی مجبر و المفتی مخبر**۔

(۲) فتوی: مستفتی کے سوال کے مطابق ہوتا ہے، حقیقتِ واقعہ کی تحقیق مفتی کی ذمہ داری نہیں ہوتی، جبکہ قاضی کے لئے حقیقتِ واقعہ تک پہنچنا ضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر فیصلہ کرنا اس کے لئے جائز نہیں رہتا۔

(۳) فتوی کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور قضا کا دائرہ محدود ہوتا ہے، فتوی براہِ راست اعتقادیات وعبادات وغیرہ سب میں جاری ہوتا ہے، نیز واجبات ومندوبات اور محرمات و مکروہات کو بھی فتوی میں زیرِ بحث لایا جاتا ہے، جبکہ قضا کا تعلق زیادہ تر دیوانی اور فوجداری مقدمات سے ہوتا ہے، اعتقادیات وعبادات سے کبھی کبھار ضمناً بحث ہوجاتی ہے، نیز چوں کہ مندوبات میں ترغیبِ فعل اور مکروہات میں ترغیبِ ترکِ فعل ہوتی ہے اور اِدھر قضا کی ماہیت میں الزام کے معنیٰ پائے جاتے ہیں؛ اس لئے قضا کا مندوبات ومکروہات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۴) مفتی: اللہ کو جوابدہ اور گویا ترجمانِ شریعت ہوتا ہے، جبکہ قاضی ایک طرف امیر وسلطان کو بھی جوابدہ ہوتا ہے اور دوسری طرف عوام کو پابند بنانے والا ہوتا ہے۔

(۵) مفتی کے فتوی کی نوعیت عام ہوتی ہے، جب کہ قاضی فریقین پر فیصلہ کرتا ہے۔

(٦) مفتی کے لئے دیانت پر فتویٰ دینا جائز ہے، جبکہ قاضی کسی بھی عمل کے ظاہری تقاضے کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہوتا ہے، دیانت یا عامل کی نیت سے اس کو کوئی بحث نہیں ہوتی، مثال کے طور پر کسی نے اپنی بیوی سے تین دفعہ طلاق، طلاق، طلاق کہا اور وہ یہ

کہتا ہے کہ میں نے تکرار: محض تاکید کی نیت سے کی ہے، میری نیت صرف ایک طلاق کی ہے، اس قضیہ میں تو قاضی تین طلاق کا فیصلہ کرے گا؛ مگر مفتی کو طلاق دہندہ کی نیت کے مطابق ایک طلاق کا فتویٰ دینا جائز ہے۔

(۷) ایک مفتی سے فتوی حاصل کرنے کے بعد مستفتی کو دوسرے مفتی کی طرف رجوع کرنے اور اس کے فتوی پر عمل کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے، جبکہ قضا میں ایک فریق جس قاضی کی طرف اپنا مقدمہ لے گیا ہے دوسرے فریق کو بھی اُسی قاضی کی ہدایات کے ماتحت رہنا ضروری ہوتا ہے، اور جب وہ قاضی کوئی فیصلہ صادر کردے تو مقضی لہ و مقضی علیہ کو رد کرنے کا اختیار نہیں رہتا، ہاں مرافعہ کا حق رہتا ہے۔ (الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الاحکام و تصرفات القاضی والامام للقرافی، اردو ترجمہ: قاضی و مفتی کے دائرہ کار: ۴۳۔ اصول الافتاء وآدابہ ۱۱ - ۱۲)

فتوی کی نزاکت واہمیت

فتوی کا منصب دوہری شان رکھتا ہے، ایک طرف تو یہ فضل واعزاز کی چیز ہے تو دوسری طرف بھاری ذمہ داری کا حامل ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

اعلم ان الافتاء عظیم الخطر قدیر الموقع کثیر الفضل لان المفتی وارث الانبیاء صلوات اللہ علیھم و سلامہ و قائم بفرض الکفایۃ و لکنہ معرض للخطر ولھذا قالوا المفتی موقع عن اللہ تعالیٰ۔ (المجموع شرح المھذب ۱/۴۰)

”جان رکھو کہ افتاء ایک عظیم الشان و قیع المرتبت اور فضل والا منصب ہے؛ اس لئے کہ مفتی انبیاءِ کرام کا وارث ہوتا ہے اور فرضِ کفایہ کی ادائیگی کرنے والا ہوتا ہے؛ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ایک خطرناک اور نازک مقام پر کھڑا ہے، اِسی وجہ سے علماء نے کہا کہ مفتی دراصل اللہ کی جانب سے دستخط کرنے والا ہوتا ہے“۔

علامہ ابن القیمؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے؛ بلکہ انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کا

نام بھی ''اِعلام الموقعین عن رب العالمین'' رکھا ہے، اِس نام کا مطلب یہ ہے: رب العالمین کی طرف سے دستخط کرنے والوں کا نشان ومہر لگانا۔(قواعد فی علوم الحدیث،ص:٦٠)

منصبِ فتوی کی اِسی نزاکت کی وجہ سے صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین فتوی دینے سے بہت ڈرتے تھے، چنانچہ یہ بات لوگوں میں مشہور ومعروف تھی کہ صحابۂ کرام چار چیزوں سے بہت زیادہ خوف کھاتے تھے(۱) امامت کرنے سے (۲) امانت رکھنے سے (۳) وصی بننے سے (۴) فتوی دینے سے۔(فضائلِ صدقات از شیخ زکریاؒ،ص: ۳۶۲)

حضرتِ براء بن عازبؓ کہتے ہیں: میں نے تین سو بدری صحابہ کو اس کیفیت پر دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ فتوی دینے اور مسئلہ بتانے کی ذمہ داری اس کا ساتھی اپنے سر لے لے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں: میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ سے ملاقات کی جن میں سے ہر ایک دوسرے پر فتوی کو ٹالتا تھا یہاں تک کہ گھوم پھر کر وہ سوال پہلے ہی کے پاس آجاتا تھا۔(اصول الافتاء،ص: ۱۵-۱۹)

حضرت انسؓ اتنے جلیل القدر صحابی ہیں کہ دس برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، جب اُن سے مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ مولانا الحسن بصریؒ سے دریافت کرو، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جب مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ جابر بن زید تابعیؒ سے دریافت کرو اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ خود بڑے مشہور فقیہ صحابی ہیں وہ حضرت سعید بن المسیب تابعیؒ کی طرف رجوع فرمادیتے۔(فضائل صدقات،ص: ۳۶۲) غور کرنے کا مقام ہے کہ فقہائے صحابہ بذاتِ خود فتوی دینے کے بجائے تابعین کی جانب لوگوں کو رجوع فرما رہے ہیں۔

عقبہ بن مسلمہؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے پاس تقریباً تین سال رہا، ان سے پوچھا جاتا تو اکثر لا اُدری کہہ دیا کرتے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرماتے ''أتدرون ما

یرید ھؤلاء؟ یریدون ان یجعلو ظھورنا جسراً‘‘ یہ لوگ ہماری پشت کو (جہنم عبور کرنے کا) پُل بنانا چاہتے ہیں۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۸۴۱، الفقیہ والمتفقہ ۲/ ۳۶۵)

امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر علم کے ضائع ہونے کے سلسلہ میں مجھے خوفِ خداوندی نہ ہوتا تو میں کبھی کسی کو فتوی نہ دیتا، فتوی دینے کا معاملہ تو یہ ہے کہ لوگ مزے میں رہیں اور سارا بوجھ مجھ پر آجائے۔ (اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ۱/ ۴۵)

امام مالکؒ تو فتوی دینے سے اتنا ڈرتے تھے کہ ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ایسا لگتا تھا کہ وہ جنت اور جہنم کے درمیان کھڑے ہیں، بسا اوقات ایک ایک مجلس میں پچاس پچاس سوالات کئے جاتے؛ مگر امام مالکؒ کا جواب ’’لا أدری‘‘ ہوتا، ایک دفعہ ۴۸ سوالات کئے گئے ۳۲ کے بارے میں کہہ دیا: مجھے معلوم نہیں۔ (تعظیم الفتیا لابن الجوزی ۱/ ۷۸۔ اصول الافتاء، ص: ۲۸۸)

علامہ ابن وھبؒ فرماتے ہیں: میں نے امام مالکؒ سے ان کی پوری زندگی میں تیس ہزار مسائل پوچھے تھے، کم وبیش تہائی یا نصف مسائل کے سلسلے میں امام مالکؒ نے فرمادیا تھا کہ لا أدری ولا أحسن: مجھے پتہ نہیں، مجھے اچھی طرح معلوم نہیں۔ (اصول الافتاء، ص: ۲۵)

حضرت سفیانؒ (ثوری) فرماتے ہیں: **من احب ان یسال فلیس باھل ان یسال**۔ (اخلاق العلماء للآجری، ص: ۱۰۴) جو شخص اس انتظار میں ہو کہ لوگ اس سے مسائل پوچھیں وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے مسائل پوچھے جائیں۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ (کم وبیش سوا لاکھ صحابہ میں سے) محض ایک سو تیس صحابۂ کرام فتوی دیا کرتے تھے، ان میں بھی کثرت سے فتاوی دینے والے صرف سات حضرات تھے (۱) حضرت عمرؓ (۲) حضرت علیؓ (۳) حضرت ابن مسعودؓ (۴) حضرت ابن عمرؓ (۵) حضرت ابن عباسؓ (۶) حضرت زید بن ثابتؓ (۷) حضرت عائشہؓ صدیقہ۔ (اعلام الموقعین ۱/ ۱۰)

علمائے دیوبند میں سے خاص طور پر بانئ دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا

قاسم صاحب نانوتویؒ فتوی دینے کے معاملے میں بہت ڈرتے تھے؛ بلکہ زندگی بھر کبھی نہ فتوی دیا نہ کسی فتوی کی تصدیق کی، حضرت مولانا احمد سعیدؒ نے روس اور ترکی کے مابین جنگ کے زمانے میں ترکی کے تعاون اور اہلِ اسلام کی ذمہ داریوں کے بارے میں فتوی طلب کیا تھا، یعنی چندۂ بلقان کے سلسلہ میں تو حضرت نانوتویؒ نے ان کو لکھا: مولانا! بندہ نہ عالم ہے نہ عالم کا بیٹا ہے، صرف علم کی تہمت میرے نام سے لگادی گئی ہے اور اس کے باوجود علم کا کوئی بھی سامان میرے پاس نہیں ہے، اس وجہ سے کبھی فتوی دینے کی اور فتوی کی تصدیق کی جرأت نہیں کرتا؛ مگر چوں کہ جنابِ والا کا بھیجا ہوا مضمون ہمارے زمانے کے اہم ترین دینی مسائل میں سے تھا، اس لئے میں نے اس کے جواب سے پہلو بچانا مناسب نہیں سمجھا، اور جو کچھ ذہن میں آیا جناب کے سوال کے نیچے لکھ دیا، حضرت نانوتویؒ کے فارسی جملوں کی بے ساختگی اور طبیعت کی بے نفسی ملاحظہ ہو: مولانا! بندہ نہ عالم است نہ عالم زادہ، فقط تہمتِ علم بنامِ من زدہ اند۔ (قاسم العلوم والخیرات ملخصاً، ص: ۱۴۷-۱۸۶ مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی)

فتوی دینے کے مراتب

یوں تو فتوی دینا انتہائی نازک اور ذمہ داری کا کام ہے؛ لیکن بسا اوقات اہل آدمی کے لئے اس ذمہ داری کو اپنے سر لینا ضروری ہوجاتا ہے اور اس سے دور بھاگنا گناہ کے دائرے میں آتا ہے، مثلاً کسی علاقے میں اِس کے علاوہ کوئی قابل مفتی موجود ہی نہیں ہے تو افتاء کی خدمت انجام دینا اس پر فرضِ عین ہوجاتا ہے، اور اگر وہاں لائق مفتیانِ کرام کی ایک جماعت موجود ہے تو پھر فتوی دینا فرضِ کفایہ رہتا ہے۔

کبھی کسی مستفتی کو کسی مسئلہ کے سلسلہ میں ایمرجنسی صورتحال درپیش ہوتی ہے کہ فتوی دینے میں ذرا بھی تاخیر کی جائے تو ناقابلِ تلافی یا بھاری نقصان پہنچنے یا کسی محظورِ شرعی میں پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے تو ایسے حالات میں فوری طور پر فتوی دینا اور مسئلہ کا جواب بتانا مفتی پر ضروری ہوجاتا ہے، جیسے نماز کا وقت تنگ ہے اور کوئی آدمی سفر پر نکلا ہوا ہے، اب

اُسے پتہ نہیں کہ کتنی مسافت پر قصر نماز پڑھی جاتی ہے؟ آیا اس کو اِس سفر میں مکمل نماز پڑھنی ہے یا قصر؟ مقیم حضرات کی وہ امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس نے کسی مفتی سے رابطہ کیا تو یہاں فوری رہنمائی کرنا ضروری ہے۔

امام ابو جعفر الطحاویؒ فتوی لکھنے میں عام طور پر توقف وتاخیر کیا کرتے تھے، ایک دفعہ کوئی مستفتی ان کے پاس آیا، اور ایک استفتاء دے گیا اور خوب اصرار کیا کہ اس کا فوری جواب مطلوب ہے، امام ابو جعفر طحاویؒ نے کچھ تاخیر سے شام ہونے پر اس کے استفتاء کو پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ ایک عورت کا انتقال ہو گیا، اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہے، کیا کیا جائے؟ امام طحاویؒ کو اس تاخیر پر سخت پشیمانی ہوئی، فوری جواب لکھا کہ اس کے پیٹ کے بائیں حصے کو تیز دھار والے درہم سے کاٹا جائے اور بچہ نکال لیا جائے، اس واقعہ کے بعد امام ابو جعفر طحاویؒ فتوی دینے اور جواب لکھنے کے معاملہ میں کبھی تاخیر نہیں کرتے تھے۔ (جامع المضمرات ۱/ ۷۵)

درج ذیل مواقع وحالات میں قابلیت ہونے کے باوجود فتوی دینا حرام وناجائز ہو جاتا ہے:

(۱) لیاقت و قابلیت تو ہے؛ مگر کوئی ایسا مسئلہ سامنے آ گیا کہ اس کا حکم ذہن میں موجود نہیں ہے، یا کوئی جدید مسئلہ ایسا پیش آ گیا کہ صورتِ مسئلہ ہی کا فہم نہیں ہو پا رہا ہے، یا مسئلہ کی صورت تو سمجھ میں آ گئی، مگر جدید صورت ہونے کی وجہ سے کتبِ فقہ میں صریح جزئیہ نہیں مل سکا، اور اِدھر اس کو اصول وقواعد اور نظائر سے حکم مستنبط کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔

(۲) مستفتی کوئی ذی اثر اور صاحبِ جاہ انسان ہے، اور مفتی کو یہ اندیشہ ہے کہ اس کی رعایت میں حکمِ شرعی کے اظہار میں کچھ کمی کسر رہ جائے گی، واضح ہو کہ منفعل مزاجی کے ساتھ نہ افتاء کا کام چل سکتا ہے نہ قضاء کا۔

(۳) مفتی پر ایسے عوارض واحوال طاری ہوں کہ غور وفکر اور حاضر دماغی کے ساتھ فتوی دینا ممکن نہ ہو، جیسے کسی حادثہ کی وجہ سے ڈپریشن کی حالت میں ہو، یا غم وغصہ کا شکار ہو، یا سخت بھوک پیاس کے عالم میں ہو، یا اس پر خوف ودہشت مسلط ہو وغیرہ۔

فقہ وفتاوی کا شغل رکھنے والوں کو ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہر سوال کا جواب دینا مفتی کی ذمہ داری نہیں ہوتی، جس سوال کا جواب معلوم نہ ہو وہاں ''لا أدری'' کہنا ہی اس سوال کا جواب ہوتا ہے، مفتی کو ایسے سوالات کا جواب دینے سے بھی احتراز کرنا چاہئے جہاں فتوی دینے سے انتشار وفساد اور غلط فہمی پھیلنے کا امکان ہو، اسی طرح غیر ضروری اور لایعنی قسم کے سوالات کا جواب دینا بھی مفتی کا وظیفہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ **من افتی عن کل مایسال فھو مجنون**: جو شخص ہر پوچھی گئی چیز کے بارے میں فتوی دے دے تو وہ مجنون ہے۔ (المجموع شرح المھذب ۱/ ۴۰)

مفتی کے اوصاف

مفتی کے اندر خاص طور پر چھ اوصاف کا ہونا ضروری ہے:

(۱) عاقل ہو (۲) بالغ ہو (۳) بصیرت مند عالم ہو (۴) عادل ہو (۵) بیدار مغز و تجربہ کار ہو (۶) علماء وصلحاء کا اُس پر اعتماد ہو۔

(۱) **عاقل ہو**: پاگل یا خفیف العقل آدمی منصبِ افتاء کے ہرگز لائق نہیں، عقل وفہم کے افلاس کی وجہ سے ایسا شخص مسائلِ شرعیہ اور احکامِ دین کے ساتھ کھلواڑ کرے گا اور لوگوں میں بے دینی کے پھیلنے کا ذریعہ بنے گا، درکارعقل کے فقدان کی وجہ سے ایسا شخص جزوی مسائل میں قیاسِ صحیح تک پہنچنے سے بھی محروم رہے گا اور باطل قیاسات سے شرعی مصالح و حِکَم کا خون کردے گا۔

شاید عقل وقیاس کی کمی تھی کہ بعض حضرات نے یہ فتوی دیا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو ''تجھ کو تین طلاق'' کہہ کر تین طلاقیں دیں ہو تو اس سے اگرچہ تین طلاق واقع ہوسکتی ہیں؛ مگر غیر مدخول بہا ہونے کی وجہ سے ''حلالہ'' کی ضرورت نہیں، دوبارہ اُسی وقت اس سے نکاح ہوسکتا ہے، اس فتوی پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن الھمامؒ فرماتے ہیں:

وهذه زلّة عظيمة مصادمة للنص والاجماع لا يحل لمسلم رأه ان ينقله فضلًا عن ان يعتبره لان فی نقله اشاعته وعند ذلک ینفسح باب الشيطان فی تخفيف الامر فيه. (فتح القدير: ۱۷۸/۴)

قال الشامی: ووجه الرد انه مخالف للمذهب لانه اِما ان يريد عدم وقوع الثلاث عليها بل تقع واحدة، اويريد انه لايقع شئ اصلا- او يريد وقوع الثلاثة مع عدم اشتراط المحلل وقد بالغ المحقق ابن همام فی رده. (شامی: ۳/۲۸۵)

(۲) **بالغ ہو:** نابالغ انسان چوں کہ غیر مکلّف ہوتا ہے؛ اس لئے دین کے احکام و مسائل میں اس کی رائے اور بیان: حجت اور مقبول نہیں، یوں بھی اس کی عقل ابھی پختہ نہیں ہوتی تو جو خرابیاں خفیف العقل آدمی کے مفتی ہونے میں پائی جاتی ہیں، نابالغ کے مفتی بننے میں بھی انہی مفاسد کا خطرہ ہے۔ (البحر الرائق: ۶/۲۸۶)

(۳) **بصیرت مند عالم ہو:** ویسے تو متقدمین کے یہاں مفتی کا مجتہد ہونا ضروری ہے، غیر مجتہد نہ فتوی دے سکتا ہے نہ ہی قضا کے مسائل میں رائے زنی ورہنمائی کرسکتا ہے، اُسے تو کسی مجتہد کا مقلدِ محض بن کر رہنا ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ مفتی، صاحبِ اجتہاد بھی ہو یہ بہت کڑی شرط ہے، ہر زمانہ میں اس معیار کا کوئی مفتی یا کئی ایک مفتی موجود رہیں یہ سخت مشکل ہے، اس لئے متاخرین نے یہ شرط ہٹادی؛ کیوں کہ اگر اس کو باقی رکھا جائے تو شرعی رہنمائی کا سلسلہ ہی بند ہوکر رہ جائے گا، اور لوگ خواہشاتِ نفسانی کے متبع ہوکر رہ جائیں گے، اب اتنا کافی ہے کہ مفتی کو مجتہد کے مذہب کی تنقیح کرنا آتا ہو، مجتہد کی جانب منسوب اقوال کی نسبت کے درست ہونے کا علم رکھتا ہو، فقہی کتابوں سے استفادہ کرنے کا سلیقہ آتا ہو، فقہی عبارتوں کے قانونی مقتضیات پر غور کرنے اور ان کے معنیٰ متعین کرنے کی استعداد رکھتا ہو، ماہر اساتذہ سے تمرینِ فتوی کیا ہوا ہو، مفتیٰ بہ اور راجح اقوال کی معرفت رکھتا ہو، پیش آمدہ مسائل پر فقہی نصوص کا صحیح انطباق کرسکتا ہو، بالفاظِ دیگر تحقیقِ مناط کی صلاحیت رکھتا ہو، عرف

واحوالِ زمانہ اور اشخاص کے مخصوص حالات سے واقف ہو، اصول وقواعد اور اشباہ ونظائر کے علم پر بھی فی الجملہ اس کی نظر ہو، تاکہ کسی جدید مسئلہ کا حل پیش کرنا ہو تو اس سے مدد مل سکے۔

یہ نکتہ ذہن میں رہے کہ عالم الفقہ ہونا اور چیز ہے اور فقیہ ہونا اور بات ہے، عالم الفقہ کی پرواز، فقہی جزئیات کے حفظ اور عبارتوں کے ظاہری مفہوم ہی تک محدود رہتی ہے ،جبکہ جو فقیہ ہوتا ہے وہ فقہی نصوص کی گہرائی تک پہنچتا ہے، مسائل و جزئیات کے لِمّ تک رسائی حاصل کرتا ہے اور کسی بھی مسئلہ کا ایسا حل پیش کرتا ہے جو شریعت کے عمومی مزاج و مذاق کے موافق ہوتا ہے، مثال کے طور پر باپ کے سیئ الاختیار ہونے کا مسئلہ ہے، فقہی عبارتوں کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ باب کم از کم اپنی ایک لڑکی کا نکاح لالچ یا فسق کے زیرِ اثر کردے تو اسکے بعد ہی اس کا ''سیئ الاختیار'' ہونا ثابت ہوگا، گویا باپ کے ''سیئ الاختیار'' قرار پانے کے لئے کم از کم ایک لڑکی کا بھینٹ چڑھنا ضروری ہوا، حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ نے اس تحقیق سے اختلاف فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ کوئی معیار نہیں؛ بلکہ کسی بھی طریقہ سے باپ کا بدخواہ ہونا اگر معلوم ہوجائے تو اُسے ''سیئ الاختیار'' قرار دے دیا جائے گا اور اس کا کیا ہوا نکاح لازم نہیں رہے گا، حضرت مفتی رشید احمدؒ نے بھی اس تحقیق کی تائید فرمائی ہے۔(احسن الفتاوی: رسالہ کشف الغبار عن مسئلۃ سوء الاختیار: ۵/ ۱۰۷)

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

موجودہ دور میں جو لوگ منصبِ افتاء پر فائز ہیں، وہ اپنی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے تین طرح کے کام انجام دے رہے ہیں:

۱) تخریج: یعنی جن مسائل کے بارے میں فقہاء کی رائے منقول نہیں ہے، اور وہ اِس دور کے پیدا ہونے والے مسائل ہیں، فقہاء کے مقرر کئے ہوئے اصول وقواعد کی روشنی میں ان کے بارے میں رائے قائم کرنا؛ کیونکہ ہر عہد میں نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے، جن کا شرعی حکم متعین کرنا علماء کی ذمہ داری ہے، اور یہ شریعتِ اسلامی کے ابدی ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔

۲) ترجیح: یوں تو بعد کے فقہاء نے متقدمین کی اختلافی آراء کے بارے میں ترجیحات متعین کردی ہیں، لیکن ترجیح کی ایک اساس کہ جب کوئی رائے اپنے عہد کے عرف اوراس زمانے کے مصالح پر مبنی ہو،نصوص پر مبنی نہ ہو؛ وہاں علماء اپنے عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں، اس کے لئے بعض اوقات ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول بھی کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ حقیقت میں عدول نہیں، عدول وہ اختلاف ہے جو دلیل وبرہان پر مبنی ہو، کسی خاص رائے کوتقاضائے عصروزمان کے تحت اختیار کیا جائے تو حقیقت میں عدول نہیں، اور علامہ شامیؒ وغیرہ نے مختلف مقامات پر اس سلسلے میں اشارہ کیا ہے۔

۳) نقلِ فتوی: تیسرا کام یہ ہے کہ جس فقہ کا مقلد ہو، اس فقہ کے مطابق جوابات نقل کردیئے جائیں۔

موجودہ دور میں اربابِ افتاء یہ تینوں طرح کا کام کررہے ہیں، لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ پہلی دونوں ذمہ داریاں انفرادی طور پر انجام دینے کے بجائے اجتماعی طور پر انجام دی جائیں، چنانچہ اسی لئے آج کل فقہی مجامع (فقہ اکیڈمیاں) کی تشکیل عمل میں آئی ہے، اور یہ عالمِ اسلام میں بھی اور خود ہندوستان میں بھی بڑی مفید خدمات انجام دے رہی ہیں۔(کتاب الفتاوی ملخصاً ۱/ ۲۳۶)

(۴) عادل ہو: مفتی کیلئے صاحبِ تقوی و تدیّن ہونا بھی ضروری ہے ، مفتی عدالت کی صفت سے آراستہ ہو، کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہواورصغیرہ گناہوں کا عادی نہ ہو، کسب اور عفت کے تعلق سے پاکیزہ ہو، جرم و گناہ اور بداحتیاطی میں معروف نہ ہو، مختصر یہ کہ اس کی زندگی میں خیر کا پہلو غالب ہو، ایسا آدمی ہی منصبِ افتاء پر فائز ہوسکتا ہے،(قاموس الفقہ: ۴ / ۴۵۳)۔

باقی جو انسان فسق و فجور میں مبتلا ہو، بددین و بدکردار ہوتو وہ ہرگز فتوٰی دینے کے لائق نہیں؛ کیوں کہ فتوٰی دین کے اہم ترین امور میں سے ہے اور مفتی اپنے فتوے کے ذریعہ دین کے احکام کو بیان کرتا ہے، جب وہ خود ہی فاسق و بددین ہے تو دینی مسائل میں اس کی

بات پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

صاحبِ مجمع علّامہ مظفر الدین الساعاتی ۶۹۴ھ فرماتے ہیں: مسائل شرعیہ کی تحقیق میں جو چیز رحمتِ الٰہیہ کے فیضان کا باعث بنتی ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور تقوی کی رسّی کو مضبوطی سے تھامنا ہے، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تم کو علم سے نوازتا ہے؛ جو شخص فقہ کی گہری اور باریک باتوں اور فقہ کے لعل و گوہر حاصل کرنے کے لئے اپنی رائے اور ذہن پر اعتماد کرتا ہو، مزید برآں معاصی میں بھی مبتلا ہو تو وہ رسوائی کے گھاٹ اترتا ہے، اور توفیقِ خداوندی اور تائیدِ ایزدی سے محروم ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ اس نے ایسی چیز پر اعتماد کر لیا جو قابلِ اعتماد نہیں، واقعہ یہ ہے کہ جس کو اللہ نے روشنی سے نہ نوازا ہو اس کے لئے کوئی روشنی نہیں۔ (فتاوی شامی ۴ / ۳۳۵، کتاب القضاء)

(۵) **بیدار مغز ہو:** مفتی کا بیدار مغز اور فہم و فراست کا حامل ہونا خاص طور پر اس زمانے میں تو بے انتہاء ضروری ہے، جو آدمی مغفّل اور منفعل مزاج ہو، وہ ہرگز منصبِ افتاء کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا ہے، فتوی دینے والا اتنا زیرک اور روشن دماغ ہو کہ اس کے فتوی کے اثرات ونتائج کیا ہوں گے؟ ان کا احساس کرے، سوال کرنے والے کا منشا کیا ہے؟ اس کو معلوم کر لے، فتویٰ حاصل کرنے سے اس کی غرض کیا ہے؟ اس کا اندازہ کر لے، آیا شرعی حکم معلوم کر کے اس پر عمل کرنا مقصد ہے یا پھر مفتی کا فتویٰ دِکھا کر انتشار و فساد پھیلانا؟ اسی وجہ سے مفتی کو یہ ہدایت بھی دی جاتی ہے کہ وہ احتمالات نکال نکال کر ہر ہر احتمال کا الگ الگ جواب نہ دے؛ بلکہ حقیقتِ واقعہ تک رسائی حاصل کر کے صرف ایک متعین پہلو کا جواب دے، علامہ شامیؒ بجا فرماتے ہیں: **والحاصل ان غفلة المفتي يلزم منها ضرر عظيم في هذا الزمان والله تعالىٰ المستعان:** خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مفتی کی غفلت کی وجہ سے عظیم نقصان لازم آ رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہی مدد فرمائے۔ (شامی، کتاب القضاء ۴ / ۳۳۶)

مفتیٔ مصر محمد عبدہ سے انشورنس کے معاملہ میں جواز کا جو فتوی صادر ہوا تھا، وہ

شاید اسی صفت کی کمی کی وجہ سے صادر ہوا تھا، واقعہ یہ ہوا کہ ایک فرانسیسی شخص ’’موسیو ہرسل‘‘ نے انشورنس کی نوعیت کچھ اس طرح بنا کر مفتی موصوف کے سامنے پیش کی کہ انھوں نے اس کو مضاربت کی کوئی صورت سمجھ لیا اور جواز کا فتویٰ دے دیا، اس طرح اتنا بڑا علامہ ایک فرانسیسی کے دجل و تدلیس کا شکار ہوگیا۔(اصول الافتاء وآدابہ،ص: ۳۰۴)

علامہ شامیؒ نے خود اپنے بارے میں لکھا کہ ایک دفعہ میں نے علامہ شرنبلالیؒ کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے یہ فتوی دیا تھا کہ دمشق کے علاقہ قاسیون کی ویران مسجد کا ملبہ، جامع مسجد اموی کی جانب منتقل نہیں کیا جاسکتا؛ (بلکہ اسی ویران مسجد میں اس کو برقرار رکھنا ہوگا، نہ ہی مسجد کی جگہ منتقل ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس کا ملبہ)،اِس فتوی پر عمل کرتے ہوئے ریاست کے حکمران نے تو ویران مسجد کے ملبہ کو منتقل نہیں کیا؛ لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ اطراف واکناف کے چوراچکّوں نے وہاں کا ملبہ صاف کر دیا اور اس سے اپنی آمدنی کرلی، مجھے اپنے فتوی پر ندامت ہوئی؛ لہذا اس معاملہ میں علامہ شرنبلالیؒ کے فتوی کے مقابلے میں امام ابوشجاعؒ اور امام حلوانیؒ کا فتویٰ لائقِ اختیار ہے کہ ان حالات میں مسجد کے ملبہ کو دوسری ضروت مند مسجد کی جانب منتقل کیا جاسکتا ہے۔(شامی ۳/ ۳۶۰،کتاب الوقف)

(۶) علماء وصلحاء کا اس پر اعتماد ہو: جب کسی مفتی میں سابقہ پانچ اوصاف موجود ہوں گے تو اس کے ہم عصر علماء وصلحاء کا اعتماد بھی اس کو نصیب ہوگا، کارِ افتاء کے عند اللہ وعند الناس مقبول ہونے کے لئے اِن خاصانِ خدا کی جانب سے اعتماد کا ملنا نہایت ہی ضروری ہے، بہت سے افراد اپنی صلاحیت وقابلیت کے اعتبار سے انتہائی اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں ،معلومات کا ایک سمندر ان کے دل و دماغ میں ہمیشہ موجزن رہتا ہے،علم کے دفتر ان کے سینہ میں محفوظ ہوتے ہیں؛ مگر بایں ہمہ ان کے فتوی میں قبولیت کی شان موجود نہیں ہوتی ، دوسری طرف بعض موفّق ومقبول افراد کا صرف ایک فتوی دنیا کے طول وعرض میں ایک انقلاب اور

ایک ہلچل مچا دیتا ہے۔

سلطان العلماء شیخ عز الدین ابن عبد السلامؒ کے صرف ایک فتوی نے حکمرانانِ وقت کو تختِ حکومت سے اُتار کر سرِ بازار نیلام ہونے پر مجبور کر دیا تھا، واقعہ یہ تھا کہ سلطان العلماءؒ کے زمانے کے امراءِ سلطنت کسی وقت بیت المال کی ملکیت تھے؛ مگر اب تختِ حکومت پر قابض ہو چکے تھے، حضرت سلطان العلماءؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ جب تک یہ امراء شرعی طریقے پر آزاد نہ ہوں، اور بیت المال کی طرف سے ان کی نیلامی نہ ہو، اس وقت تک ان کے معاملات شرعاً صحیح نہیں ہیں، اور وہ عام غلاموں کے حکم میں ہیں، شیخ عز الدین ابن عبد السلامؒ کے اس بے لاگ فتوے سے مصر کے طول وعرض میں کھلبلی مچ گئی تھی؛ لیکن بالآخر حکومتِ وقت کو ان کے فتوے کے آگے جھکنا پڑا، اور امراءِ سلطنت کی سرِ بازار نیلامی ہوئی، اور خود حضرت شیخ نے بھاری بولی دے کر ان کو خریدا اور پھر آزاد کر کے ان کی حیثیت کو بحال فرما دیا۔ (تاریخِ دعوت وعزیمت ملخصاً ۱/ ۳۶۸)

ہمارے اس دور میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اداروں میں دار العلوم دیوبند کے فتوی کو اور اشخاص میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلھم کے فتوے کو اعتبار وقبولیت کی عجیب شان عطا فرمائی ہے، کسی وقت حضرت شیخ الاسلام نے بعض اسلامی بینکوں سے جاری کردہ صکوک کو شرعی لحاظ سے غیر درست قرار دیا تھا تو مشرقِ وسطی کے بینکوں میں ایک بھونچال پیدا ہو گیا تھا، اس موقع پر یہودی تبصرہ نگاروں اور تجزیہ کاروں نے حضرتِ والا کی ہستی کو دشمنانِ اسلام کے حق میں معاشی میدان کا ''اسامہ بن لادن'' قرار دیا تھا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث و افتاء کی مسند کو اس وقت تک نہیں سنبھالا جب تک کہ ستّر اہلِ علم شیوخ نے میرے حق میں اس کی اہلیت کی گواہی نہیں دی۔ (الدیباج المذھب لابن فرحون ۱/ ۱۰۲)

آج کے زمانے میں ماہر اساتذہ کرام کی نگرانی میں محنت ولگن سے فتوی نویسی کی

مشق کرنا پھر ایک طویل عرصے تک ان کی ہدایات اور رہنمائی میں اس خدمت کو انجام دینا، آدمی کو دیگر علماء وصلحاء کی نظر میں بالعموم قابلِ اعتماد بنا دیتا ہے، اور ایسے آدمی کے فتوی پر عموماً اطمینان وانشراح حاصل ہو جاتا ہے۔

فقہ وفتوی نویسی میں رسوخ کے لئے درکار چیزیں

فقہ وفتوی نویسی میں رسوخ حاصل ہونے کے لئے چار چیزوں کا التزام ضروری ہے: (۱) مسلسل محنت وکثرتِ مطالعہ (۲) للٰہیت اور تعلق مع اللہ (۳) ماہر وباتوفیق مفتیانِ کرام کی صحبت (۴) غایتِ احتیاط۔

یہی وہ چار چیزیں ہیں جنہوں نے اسباب کی اس دنیا میں مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کو مفتیٔ اعظم اور فقیہ النفس کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا تھا۔ (میرے والد میرے شیخ: ۵۸)

(۱) مسلسل محنت یا کثرتِ مطالعہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ فقہ وفتاوی کے باب میں شش جہت؛ بلکہ ہفت وہشت پہلوؤں سے مطالعہ ہو:

(الف) عربی کتبِ فتاوی کا مطالعہ

(ب) اردو کتبِ فتاوی کا مطالعہ

(ج) عربی کتبِ قواعدِ فقہ کا مطالعہ

(د) اردو کتبِ قواعدِ فقہ کا مطالعہ

(ہ) عربی واردو کتبِ اصولِ فقہ کا مطالعہ

(و) عربی فقہی رسائل کا مطالعہ

(ز) اردو فقہی رسائل کا مطالعہ

اس ہمہ جہت مطالعہ کے لئے جو چیز مقدمہ اور مفتاح کا درجہ رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ مطالعہ کرنے والے کو کتب کا اور اصحابِ کتب کا تعارف ہو اور ان کے مقام ومرتبہ کا علم ہو، تاکہ مستند اور معتبر کتابوں کے مطالعہ کی جانب پہل ہو۔

علامہ زاہد الکوثریؒ فرماتے ہیں: کتبِ مؤلفہ کے احوال کا علم بھی اہم ترین علم ہے، بحث وتحقیق کے میدان میں جو شخص آگے بڑھنا چاہتا ہے، اور مطلوبہ علم میں گہرائی وگیرائی حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے یہ گویا پہلا مرحلہ و زینہ ہے۔ (مقالات الکوثری، ص: ۳۵۳)

کتبِ مؤلفہ اور اس کے مؤلفین کے احوال معلوم کرنے کے لئے کتبِ تراجم کے علاوہ سرِ دست اِن تین کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا (۱) فقہ حنفی کی عربی کتابوں کا تعارف (۲) اردو کتبِ فتاوی کا تعارف (۳) کتبِ فقہ، اصولِ فقہ اور اردو فتاویٰ کا تعارف۔

اول الذکر کتابیں ازہرِ دکن دارالعلوم حیدرآباد کے شعبۂ افتاء سے امین الفقہ حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد جمال الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہ (صدر مفتی و نائب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد) کی نگرانی و نظرِ ثانی سے شائع ہوئی ہیں، جبکہ تیسری کتاب پڑوسی ملک کے عالمِ دین مولانا محمد نعمان کے قلم سے ہے، اس کتاب میں دوسو سے زائد کتبِ فقہ وفتاوی کا زبردست اور جامع تعارف موجود ہے، اور ابھی حال ہی میں ایک بزرگ بنگلہ دیشی عالم علامہ محمد حفظ الرحمٰن الکُمِلاَّئی کے جواں حوصلہ قلم سے تیئس جلدوں پر مشتمل "البدور المضیئه فی تراجم الحنفیه" کے نام سے ایک انسائیکلو پیڈیا بھی منظر پر آیا ہے، جو واقعہ یہ ہے کہ تراجمِ حنفیہ کے موضوع پر بے نظیر ہے، جس طرح فتاوی شامی میں صدیوں کی تحقیقات کا نچوڑ آگیا ہے یہی کچھ مقام، تراجم کے باب میں اس کتاب کا معلوم ہوتا ہے، طلبہ کو اس سے بھی فائدہ اُٹھانا چاہئے، انٹرنیٹ پر عام دستیاب ہے۔

ایک اور مفید کتاب احمد بن محمد نصر الدین النقیب کی "المذهب الحنفی - مراحله وطبقاته ضوابطه ومصطلحاته خصائصه ومؤلفاته" کے نام سے بھی انٹرنیٹ پر موجود ہے جو تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور ابتدائی مطالعہ کے لئے اچھی چیز ہے۔

احوالِ مؤلفات کی معرفت اس لئے بھی ضروری ہے کہ آپ حضرات نے جیسا کہ رسم المفتی میں پڑھا ہے کہ فقہ وفتوی کے موضوع پر لکھی ہوئی ہر کتاب سے آنکھ بند کر مسئلہ بتانا

جائز نہیں ہے؛ بلکہ صرف ایسی کتاب سے مسئلہ بیان کرنا درست ہے جن کے قابلِ اعتماد و اعتبار ہونے کی محقق علماء نے تصریح کی ہے، مثال کے طور پر الدرالمختار کو لیجئے، جو علامہ شامیؒ کی ردالمحتار کا متن اور بنیاد ہے، شامیؒ کی عالی شان تحقیقات کی پوری عمارت اسی متن پر کھڑی ہوئی ہے۔

لیکن اس کے باوجود تنہا الدرالمختار سے مسئلہ بتانا ٹھیک نہیں؛ بلکہ علامہ شامیؒ کا اس پر حاشیہ دیکھ کر اطمینان کرلینا بھی ضروری ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ الدرالمختار میں ایسا اختصار پایا جاتا ہے جس سے اکثر جگہ فہمِ مسئلہ میں خبط واقع ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ کہیں کہیں غیر مفتی بہ اقوال کو مفتی بہ کہہ کر بھی نقل کردیا گیا ہے، جیسے طلاقِ سکران کے عدمِ وقوع کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، جب کہ مسلکِ حنفیہ میں اس پر فتوی نہیں ہے، اسی طرح قضاء بشھادۃ الزور کے مسئلہ میں صاحبینؒ کے مسلک کو مفتیٰ بہ بتایا گیا ہے، جبکہ مفتیٰ بہ مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ اس صورت میں قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً دونوں لحاظ سے نافذ ہوگا، کہیں مشائخِ مذہب کے اقوال میں تلفیق واقع ہوئی ہے جیسے عورت کے پیٹ اور پشت کی طرف نسبت کرکے نکاح کرنے یا طلاق دینے کا مسئلہ میں۔

علامہ نجم الدین مختار بن محمود زاھدیؒ، کبارِ ائمہ اور اونچے درجہ کے فقہاء میں سے گذرے ہیں، مگر بایں ہمہ ان کی کتاب "قِنیۃ" فتوٰی دینے کے معاملہ میں قابلِ اعتبار نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ انھوں نے اپنی اس کتاب میں صحیح روایات واقوال کے ساتھ ساتھ تحقیق و تنقیح کے بغیر ضعیف چیزوں کو بھی نقل کردیا ہے، جس کی بناء پر تنہا اس کو دیکھ کر فتوی دینے میں خطا کا قوی امکان ہے، یہی کچھ حال علی بن احمد الغوریؒ کی کنز العبّاد فی شرح الاوراد کا ہے، فتاوی طوری اور فتاوی ابن نجیم کو بھی اس فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ (اصول الافتاء وآدابہ، ص: ۱۷۴ تا ۱۸۰)

(الف) عربی کتبِ فتاوی کا مطالعہ

عربی کتبِ فتاوی میں شامی، بدائع، ہندیہ، اور فتح القدیر کو مطالعہ میں رکھا جائے،

فقہی ذوق پیدا کرنے کے لئے خاص طور پر بدائع کا بالاستیعاب سبقاً سبقاً مطالعہ بہت مفید ہے، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتھم اپنے تلامذہ واہلِ تعلق علماء کو اسی کا مشورہ دیتے ہیں، جامعۃ الرشید پاکستان کے مایہ ناز فقیہ مفتی حسین خلیل خیل زید مجدھم نے اپنا معاملہ بیان کیا کہ آں موصوف نے ماہِ رمضان کی تعطیلات میں محض ایک ماہ کے عرصہ میں بدائع کا مطالعہ کرلیا تھا اور ان کے مطالعہ کا دورانیہ بعد تراویح سے سحر تک رہتا تھا، مولانا یوسف بن شبیر صاحب نے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثانی مدظلہ سے پوچھا کہ آپ نے فقہ حنفی کی کن کتابوں سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے؟ حضرت والا نے جواب دیا کہ: بدائع الصنائع اور ردالمحتار (دیکھی ہوئی دنیا از مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی ۵ / ۲۳۵) اگر بالفرض بدائع کے بالاستیعاب مطالعہ کی ہمت یا وقت فی الحال نہ ہوتو کم از کم بعض مفتیانِ کرام کے مشورہ کے مطابق علامہ ابراھیم حلبیؒ کی مشہورِ زمانہ جامع المتون کتاب یعنی قدوری، کنز، وقایہ اور مختار کے مسائل کا مجموعہ ''ملتقی الابحر'' یا علامہ عبدالغنی الغُنَیمی المیدانیؒ کی قدوری کی شرح ''اللباب فی شرح الکتاب'' کا مع متن مطالعہ کیا جائے، تاکہ ایک ترتیب سے تمام فقہی ابواب نظر سے گذر جائیں، ویسے الھدایہ کی جس نے مکمل چار جلدیں محنت وشوق سے پڑھ لی ہو اس کے لئے فقہ کی بڑی سے بڑی کتاب کا پڑھنا آسان ہوجاتا ہے۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

> فقہ میں مناسبت اور مہارت پیدا کرنے کے لئے بدائع الصنائع، شامی، فتح القدیر، زیلعی شرح کنز (تبیین الحقائق) کا اہتمام کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے۔

اور فرماتے ہیں:

> اصول اور لِمّ کے لئے بدائع الصنائع، جزئیات کے لئے شامی، تعارضِ ادلہ کے لئے فتح القدیر اور استدلال بالحدیث کے لئے زیلعی (کی نصب

الرایۃ لاحادیث الھدایۃ) کا مطالعہ بہت مفید ہے، تفسیر میں مہارت و مناسبت کے لئے تفسیر مظہری، تفسیر عزیزی، تفسیر روح المعانی، احکام القرآن للجصاص اور تفسیر کبیر للامام الرازی کی تاکید فرماتے۔(فتاویٰ محمودیہ ۱/۶۹)

نظر میں گہرائی و گیرائی پیدا ہونے کے لئے شامی کے ساتھ ساتھ البحر الرائق کا مطالعہ بھی بہت مفید ہے اور جزئیات کی کثرت کے معاملہ میں ہندیہ کا جواب نہیں، محقق العصر مفتی شبیر احمد قاسمی شاہی مرادآباد کی تحقیق و تعلیق سے شائع شدہ الفتاوی التاتارخانیۃ کا بیس جلدوں پر مشتمل مجموعہ بھی مفتیانِ کرام کے لئے ایک عمدہ مرجع کی حیثیت رکھتا ہے، دیوانی مسائل میں موجودہ عرف و زمانہ اور لوگوں کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے پچھلی صدی میں سلطان عبدالحمید ترکی کے حکم سے علامہ ابن عابدینؒ کے صاحبزادے علامہ علاؤالدین ابن عابدینؒ کی نگرانی میں "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" کے نام سے ایک دستاویزی مجلہ تیار کیا گیا تھا، اصحابِ افتاء کے لئے یہ بھی ایک خاصّہ کی چیز ہے، اس مجلۃ کی دو شروحات زیادہ معروف ہیں، ایک علامہ خالد اتاسیؒ کی شرح المجلہ اور دوسری علامہ حیدر آفندیؒ کی درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، مکتبۂ شاملہ میں یہ کتابیں موجود ہیں، ان سے بھی استفادہ کی عادت ہونی چاہئے۔(اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۶۸ ملخصاً)

(ب) اردو کتبِ فتاوی کا مطالعہ

اردو کتبِ فتاویٰ میں جن مفتیانِ کرام کے فتاوی جمع ومحفوظ ہیں، وہ حضرات اپنے دور کے فقہاء تھے، بعض ان میں بوحنیفۂ عصر کہلاتے تھے، طائفۂ دیوبند میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے یہ لقب استعمال ہوتا تھا، آیۃ من آیات اللہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ حضرت گنگوہی کو فقیہ النفس تسلیم کرتے تھے، فقیہ النفس اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقہ میں کثرتِ ممارست کے بعد ایک ایسا ذوقِ سلیم عطا فرمادیا ہو کہ جس کی روشنی میں وہ کتابوں کی مراجعت کے بغیر بھی صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتا ہو۔(میرے والد میرے شیخ، ص ۵۸۔قضایا سجّاد: ۵) صاحبِ فتاوی دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی اعظم عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ نے اپنے چھتیس سالہ دورِ افتاء میں کم وبیش سوالاکھ فتوے تحریر فرمائے ، حضرت گنگوہیؒ کے حکم نامہ سے آپ کو دارالعلوم دیوبند کے منصبِ افتاء پر فائز کیا گیا تھا۔ (مقدمۂ فتاوی دارالعلوم دیوبند) شیخ الاسلام علامہ زاہد الکوثریؒ نے حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ کو اپنے قلم سے فقیہ النفس کا خطاب استعمال کیا تھا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فقہ وتصوف کے میدان میں امامت واجتہاد کے منصب پر فائز تھے، قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ لکھتے ہیں: اوراگر یہ ضروری نہیں کہ مجتہد اپنے مجتہد ہونے کا دعوی کرے تو اس آخری عہد اور ماضی قریب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اجتہادی صلاحتیوں اوران کے مجتہدانہ فتاوی کو کیسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔(اسلامی عدالت،ص ۶۰)

حضرت مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ فرماتے ہیں:

> امھات الکتب پانچ ہیں (۱) امداد الفتاوی (۲) امداد الاحکام (۳) امداد المفتیین (۴) فتاوی دارالعلوم دیوبند (۵) دارالعلوم کراچی سے جاری شدہ فتاوی (تمرین فتویٰ کے اصول وہدایات از مفتی عبدالرؤف سکھروی)۔

عصرِ حاضر کے فتاوی کے مجموعوں میں کتاب النوازل وفتاوی قاسمیہ میں سے کوئی ایک، فتاوی دارالعلوم زکریا، کتاب الفتاوی، جدید فقہی مسائل طبع جدید، فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلے، چند اہم عصری مسائل، ادارۃ المباحث الفقہیہ کی تجاویز سامنے ہوں تو نئے مسائل کے حل کرنے میں بڑی مدد ملے گی، ماضی قریب کے فتاوی میں نظام الفتاویٰ، فتاویٰ محمودیہ اوراحسن الفتاوی امتیازی شان رکھتے ہیں جبکہ اسلوبِ فتاوی سیکھنے کے لئے کفایت المفتی کے مطالعہ کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

(ج) عربی کتبِ قواعدِ فقہ کا مطالعہ

قواعدِ فقہیہ کے مطالعہ سے ذہن کُھلتا ہے ، غوروفکر اورفہم و تدبر کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے، فقہی جزئیات کو یادرکھنا، اوران کو ایک لڑی میں پُرونا آسان ہوجاتا ہے، احکام وجزئیات کی علتوں پر نظر ہونے کی وجہ سے تفقہ کا مزاج بنتا ہے، اہلِ بصیرت کا خیال

ہے کہ مسائل کو عِلَل و حِکَم کی روشنی میں سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کسی شئی کو اس کے خواص، عوارض اور فصول کے ذریعے پہچاننا، اس سے اس شئی کی مکمل یا کافی حد تک معرفت ہو جاتی ہے اور وہ چیز دوسری چیزوں سے ممتاز و جدا بھی ہو جاتی ہے۔

علامہ قرافیؒ کا قول ہے:

کل فقه لم یخرج علی القواعد لیس بشئی

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک صاحبِ نظر عالم نے لکھا ہے:

> کہ حضرت شیخ کی تصانیف مین علوم و حقائق کے جو جواہر پارے ملتے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ کو ہر فن کے اصول وضوابط اور قواعدِ کلیہ پر کامل دسترس تھی اور وہ بحث کے دوران اس پر قاری کو متنبہ بھی فرماتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ اصول وقواعد کسی بھی علم کے لئے بنیاد اور جڑ کا درجہ رکھتے ہیں، عمارت بنیاد کے بغیر اور شاخیں جڑ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتیں۔ (تاصیل علم تخریج الفروع علی القواعد الفقھیہ ،از دکتور عبد اللہ بن مبارک آل سیف)

قواعد الفقہ کے فن سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ایک تو ایسی کتبِ فقہیہ کا مطالعہ کرنا چاہیۓ جن میں قواعد وعلل کو بیان کرنے کا التزام کیا گیا ہو اور ہر جزوی مسئلہ کی دلیل وعلت سے بحث کی گئی ہو، اس حوالے سے الھدایہ، ایک بے نظیر کتاب ہے، شعبۂ افتاء کے طالبِ علم ہونے کی حیثیت سے ایک اور دفعہ اس کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنا چاہیۓ۔

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اپنے عمِ بزرگوار حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> کہ وہ کتبِ فقہ میں ہدایہ کے بہت معترف تھے، اس کے ایجاز، حسنِ ترتیب ،عقل ونقل کی جامعیت اور دریا بکوزہ ہونے کی کیفیت کا بہت ذکر فرماتے اور کہتے کہ یہ کتاب مجتہدانہ طرز کی حامل ہے۔ (حیاتِ مجاہد، ص: ۲۱۴)

علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلیؒ نے اولاً ''المختار للفتوی'' کے نام سے ایک مختصر سا متن لکھا تھا، بعدازاں اس کے مسائل کے علل و معانی سے آگاہ کرنے کے لئے ''الاختیار لتعلیل المختار'' کے نام سے ایک شرح لکھی، اس کا مطالعہ بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

قواعد الفقہ کے فن سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے دوسری طرف ان کتابوں کو اہتمام سے دیکھا جائے جو خاص اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں، مفتی عمیم الاحسانؒ کی قواعد الفقہ میں شامل امام کرخیؒ اور امام ابوزید دبوسیؒ کے رسالے اور خود مفتی عمیم الاحسان مجددیؒ کا رسالہ القواعد الفقھیہ، نہ صرف دیکھا جائے بلکہ ان قواعد کی تمرین و مشق اور مسائل کی تخریج بھی کی جائے۔

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں القواعد الفقھیہ کا جو باب رکھا گیا ہے، اس کو شیخ احمد زرقاءؒ کی شرح القواعد الفقھیہ کے ساتھ دیکھا جائے، اسی طرح شیخ احمد زرقاء کے لائق صاحبزادے ڈاکٹر مصطفی احمد زرقاءؒ نے اس موضوع پر ''المدخل الفقھی العام'' کے نام سے جو مایہ ناز کام کیا ہے اس کو بھی زیر نظر رکھا جائے۔

اِدھر ہندوستانی عالمِ دین ڈاکٹر احمد علی ندوی زید مجدھم نے بھی اس سلسلے میں مختلف جہتوں سے گرانقدر کام کیا ہے، القواعد الفقھیہ اسی طرح ''موسوعۃ القواعد والضوابط الفقھیہ الحاکمۃ للمعاملات المالیۃ'' (تین جلدوں میں) کے ناموں سے ان کی تالیفات دستیاب ہیں، اِن خدمات پر ان کو عالمِ عرب؛ بلکہ عالمِ اسلام کا باوقار ایوارڈ ''شاہ فیصل ایوارڈ'' سے بھی نوازا گیا ہے، آں موصوف کی تالیفات کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے۔

(د) اردو کتبِ قواعدِ فقہ کا مطالعہ

اردو زبان میں اگرچہ اس موضوع پر اب تک کوئی باضابطہ اور مستقل کام نہیں ہوا تھا، اردو شروحات کے ذیل میں کچھ چیزیں مل جاتی تھیں، مگر ابھی حالیہ برسوں میں اس موضوع کی دو کتابوں نے گویا اس خلا کو نہایت ہی احسن طریقہ سے پُر کر دیا ہے، ایک تو مفتی جعفر ملّی رحمانی مدظلہ، صدر دارالافتاء اکل کوا کی ''الاصول والقواعد للفقہ الاسلامی'' جس

میں تقریباً چار سو قواعدِ فقہ کی تشریح وتوضیح ہے اور دوسری کتاب جو اوّل الذکر کے بعد منصّہ شہود پر آئی ہے، وہ کتاب محدث العصر شارح حجۃ اللہ البالغۃ استاذِ عالی مقام حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خویشِ عالی وقار مفتی اسامہ پالن پوری مدظلہ العالی کی تصنیف ''فقہی ضوابط'' ہے، فقہی ضوابط دو جلدوں پر مشتمل ہے جن میں ہزار سے زائد صفحات ہیں، کتاب پر مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کی تقریظ کے علاوہ دورِ حاضر کے صفِ اوّل کے فقہاء ومفتیان کی تقریظات ثبت ہیں، جو بجائے خود اس کتاب کی اعتباریت و افادیت کی کھلی دلیل ہیں۔

(ہ) عربی واردو کتبِ اصولِ فقہ کا مطالعہ

فقہِ اسلامی سے جو علوم وفنون متعلق ہیں، ان میں اہم؛ بلکہ اہم ترین فن اصولِ فقہ کا ہے، آج اکثر نظامہائے قوانین میں اصولِ قانون کا تصور پایا جاتا ہے اور اسے ایک موضوع کی حیثیت سے پڑھایا بھی جاتا ہے، لیکن قانونِ اسلامی کے ماہرین نے جس گہرائی، گیرائی اور دقتِ نظر کے ساتھ اسلام کے اصولِ قانون کو مرتب کیا ہے، آج بھی اس کی مثال نہیں ملتی ہے، اور مستشرقین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ فقہائے اسلام اس فن کے موجد اور مؤسس ہیں، قاضی بیضاوی نے اصول فقہ کی تعریف یہ کی ہے:

هو معرفة دلائل الفقه اجمالا وكيفية الاستفادة منها وحال المستفيد (منهاج الاصول، ص:٣)

اصولِ فقہ، فقہ کے دلائل کو اجمالی طور پر جاننا، اس سے استفادہ کے طریقے سے واقف ہونا اور استفادہ کرنے والے کے حال سے واقف ہونے کا نام ہے،

فقہ کے دلائل سے مراد: ادلہ اربعہ اور استحسان، استصحاب، مصالحِ مرسلہ، سدِّ ذرائع، آثارِ صحابہ، شرائع ماقبل وغیرہ ہیں،

اجمالی طور پر: یعنی جیسے فی الجملہ یہ علم ہونا کہ اجماع حجتِ شرعیہ ہے، امر وجوب پر

دلالت کرتا ہے ’’ف‘‘ ترتیب کے لئے آتا ہے، وغیرہ،

استفادہ کے طریقے سے واقف ہونے کا مطلب: اس بات کا جاننا کہ شرعی دلیلوں سے شرعی احکام کس طرح مستنبط کئے جاتے ہیں؟ جیسے نصوص شرعیہ میں مثبت کا منفی پر مقدم ہونا، نص کا ظاہر پر فوقیت رکھنا، عبارت النص کو اشارۃ النص پر ترجیح دینا وغیرہ،

مستفید کے حال سے واقف ہونا، اس سے مراد: مجتہد کے اوصاف، اجتہاد کے شرائط اور ضمناً تقلید کے شرائط وغیرہ کی جانکاری ہے،

اصولِ فقہ کا علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے، قیامت تک پیدا ہونے والے جدید فقہی مسائل کو حل کرنا، اس علم کے بغیر ممکن نہیں، اس علم سے اجتہاد اور اخذ واستنباط کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور احکام پر منصوص اور قیاسی دلائل قائم کئے جاسکتے ہیں، اس علم پر عبور کی برکت سے آدمی، اجتہاد واستنباط میں ہونے والی فکری غلطیوں سے خود بھی محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی بچا سکتا ہے، اس علم کے ذریعے تمام ہی علومِ شرعیہ: تفسیر، حدیث اور فقہ میں بصیرت حاصل ہوتی ہے، خاص طور پر حدیث کے درایتی پہلوؤں پر بحث کرنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے، اصل میں تو اصولِ فقہ ان لوگوں کا ہتھیار ہے جو اجتہاد کے منصب پر فائز ہیں؛ لیکن مقلدین کے لئے بھی اس کا حصول فائدہ سے خالی نہیں، اس فن میں محنت و مہارت پیدا کرنے سے ان کے فکر وفہم کے دریچے بھی کھل جاتے ہیں، اور نئے مسائل میں بصیرت کے ساتھ وہ بھی کسی رائے کو قائم کر سکتے ہیں۔

تفصیلِ بالا سے اس کا بھی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ فنِ اصولِ فقہ اور فنِ قواعدِ فقہ اگرچہ دونوں کا تعلق کلیات سے ہے؛ مگر اصولِ فقہ، قواعدِ فقہ کے مقابلہ میں اعلیٰ ترین اور عظیم الشان فن ہے، کیونکہ اصولِ فقہ تو استنباطِ احکام کا ذریعہ ہیں، جبکہ قواعدِ فقہ: مستنبط کئے جانے والے احکام کو سامنے رکھ کر مرتب کئے جانے والے قضایا ہیں، بالفاظِ دیگر اصولِ فقہ کا وجود احکام وفروع سے پہلے ہوتا ہے، جبکہ قواعدِ فقہ، فروع کے بعد وجود میں آتے ہیں، پھر اصول عام طور

پر کلی ہوتے ہیں جبکہ قواعد اکثری، پھر یہ بات بھی ہے کہ اصول کا تعلق زیادہ تر عربی زبان کے قواعد اور طریقۂ استنباط سے ہوتا ہے اور قواعد کا تعلق زیادہ تر شریعت کے مصالح اور حکمتوں سے۔(فقہ اسلامی تدوین و تعارف ،ص:۱۵۵ تا ۱۹۰) مفتی ابولبابہ شاہ منصور نے اصولِ فقہ اور قواعدِ فقہ کے درمیان کُل سات فرق شمار کرائے ہیں۔(دیکھئے: آپ ہدایہ کیسے پڑھیں ،ص: ۲۰۴ تا ۲۰۷)

یوں تو اس فن کی آبیاری پر چودہ سو سالہ اسلامی دور میں امت کی اعلیٰ ذہانتیں صرف ہوئی ہیں، کتابوں کی صورت میں اس کی سینکڑوں؛ بلکہ ہزاروں یادگاریں آج بھی محفوظ اور طالبانِ علوم نبوت کی تشنہ کامی دور کرنے کے لئے دستیاب ہیں، اگر اس کا حال دیکھنا ہو تو ڈاکٹر فاروق حسن کی کتاب ''فنِ اصولِ فقہ کی تاریخ عہدِ رسالت سے عہدِ حاضر تک'' دیکھنا چاہئے ،ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی اس کتاب میں ایک ہزار سے زائد اصولیینِ اسلام کی فن اصولِ فقہ پر بارہ سو سے زیادہ کتابوں کا تعارف پیش کیا ہے،

تاہم اس فن سے فی الجملہ واقفیت اور قابل لحاظ مناسبت پیدا کرنے کے لئے بعض باحثین نے چار کتابوں کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔علامہ عبدالعزیز بخاری حنفی متوفی: ۷۳۰ھ کی ''کشف الاسرار شرح اصول البزدوی''

۲۔علامہ بدرالدین زرکشی شافعی متوفی: ۷۹۴ھ کی ''البحر المحیط فی اصول الفقہ''

۳۔علامہ ابراہیم بن موسی الغرناطی الشاطبی المالکی متوفی: ۷۹۰ھ کی ''الموافقات''

۴۔علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی: ۶۲۰ھ کی ''روضۃ الناظر وجنۃ المناظر''۔(کتب فقہ، اصول فقہ اور اردو فتاوی کا تعارف ،ص:۱۷۳)

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی وقانونی بصیرت کا کون معترف نہیں، حضرت قاضی صاحب؛ اصولِ فقہ کی کتابوں میں علامہ ابن الہمام کی ''التحریر'' اور اس پر ابن امیر الحاج اور امیر بادشاہ کی شرح ''التقریر والتحبیر'' اور ''تیسیر التحریر'' سے زیادہ مراجعت کرتے اور اس کا مشورہ بھی دیتے تھے۔(حیات مجاہد،ص: ۲۱۴)

ماضی قریب کے مصنفین کی کتابوں میں محمد الخضری کی ''اصول الفقہ'' اسی طرح شیخ محمد ابوزہرہ کی ''اصول الفقہ'' شیخ عبدالوہاب خلاف کی ''علم اصول الفقہ'' ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی ''اصول الفقہ الاسلامی'' اصولِ فقہ کے تقابلی مطالعہ کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالکریم النملۃ کی ''المہذب فی اصول الفقہ المقارن'' اور معاصر علماء کی کتابوں میں مولانا عبیداللہ الاسعدی کی ''الموجز فی اصول الفقہ'' اچھی کتابیں ہیں۔(فقہ اسلامی تدوین وتعارف ملخصا ،ص:۱۹۰،ڈاکٹر وہبہ زحیلی کا منہج واسلوب۔علمیات،شمارہ: جنوری۲۰۱۶ء)

اردو زبان میں اس موضوع پر ان تین چار کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

۱۔محاضراتِ اصولِ فقہ: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

۲۔فقہِ اسلامی کے ذیلی مآخذ: مولانا محمد نعمان صاحب زیدمجدہم

۳۔فقہِ اسلامی مصادر ومآخذ : ترتیب شعبہ تخصصات جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

۴۔اصولِ فقہ ایک تعارف: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد

(و) عربی فقہی رسائل کا مطالعہ

رسائل میں عام طور پر کسی بھی مسئلہ کے مکمل مالہ وعلیہ سے بحث ہوتی ہے اور تمام گوشوں کو سمیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے ، بسا اوقات مخالف نقطہ کی دلائل و براہین کی روشنی میں تردید کر کے مسئلہ کو مزید مضبوط و مستحکم کیا جاتا ہے؛اس لئے رسائل کے مطالعہ سے آدمی کو اس مسئلہ یا موضوع پر مکمل بصیرت اور تشفی حاصل ہوجاتی ہے، ویسے تو قدیم فقہاء کے یہاں بھی رسائل کی تحریر وترتیب کا طریقہ تھا اور کتب خانوں میں ان کے ڈھیر سارے رسائل مل بھی جاتے ہیں،تاہم متاخرین نے متقدمین کے علوم سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جس احاطہ واستیعاب اور سہل اسلوب میں چیزوں کو پیش کیا ہے وہ راقم الحروف جیسے کم ہمت افراد کیلئے سہل الاستفادہ ہے، فقہی بصیرت پیدا کرنے کے لئے متاخرین میں سے خاص طور پر

رسائل ابن عابدینؒ ، رسائل ابن نجیم مصریؒ ، مجموعہ رسائل ملا علی القاریؒ ، رسائل لکھنویؒ ، رسائل کشمیریؒ ، رسائل علامہ نیمویؒ کا مطالعہ کرنا چاہئے ، عصرِ حاضر کے عربی رسائل میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے رسائل کا مجموعہ ''**بحوث فی قضا یا فقهیه معاصرة**'' اعتدالِ فکر اور اجتہادی خوبیوں کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ کو اس قسم کے رسائل اکٹھا کرنے کا خوب اہتمام تھا ، معروف فقہاء کے رسائل کے علاوہ دیگر علماء کے قیمتی رسائل کو بھی یا تو خرید کر لیا کرتے تھے یا نقل کروالیا کرتے تھے ، ایک سفر میں آپ علیہ الرحمۃ کو علامہ قاسم حنفیؒ کا ایک نایاب رسالہ ''ردالقول الخائب فی القضاء علی الغائب'' ملا تو اپنے قلم سے خود نقل فرمالیا ، اسی طرح مدینہ منورہ کے قیام میں وہاں کے ایک عالم کے پاس علامہ محمد عابد سندھیؒ کا ایک قلمی رسالہ ''الکرامۃ والتقبیل'' نظر سے گذرا تو اسے خود نقل کرنا شروع فرمادیا۔ (میرے والد میرے شیخ ، ص: ۵۱ - ۵۲)

(ز) اردو فقہی رسائل کا مطالعہ

خاص طور پر علمائے دیوبند نے ابتدائی دور ہی سے ایک ایک مسئلہ پر جو دادِ تحقیق دی ہے اور معرکۃ الآراء مسائل پر جو بحث فرمائی ہے ، وہ گویا اس سلسلہ میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں ، حضرت تھانویؒ کی ''بوادرالنوادر'' نہ صرف فقہی ؛ بلکہ تفسیر و حدیث اور تصوف وکلامی مباحث کا شاہکار مجموعہ ہے اور جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کا اجتہادی سرمایہ ہے ، عصرِ حاضر کے جن علماء کے رسائل طلبۂ افتاء کے پیشِ نظر رہنے چاہئے وہ یہ ہیں :

(۱) فقہی مقالات	مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
(۲) جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ
(۳) نفائس الفقہ	مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی
(۴) احسن الفتاویٰ میں شامل رسائل	مفتی رشید احمد لدھیانویؒ
(۵) علمی و تحقیقی رسائل	مفتی رضوان راولپنڈی

یہ آخر الذکر مجموعہ تا حال تیرہ جلدوں میں چھپ کر منظرِ عام پر آیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ موضوع کے احاطہ و تحقیق کے اعتبار سے یہ رسائل متاخرین فقہاء کے عربی رسائل کے معیار پر معلوم ہوتے ہیں۔ والعلم عند اللہ

اور اِدھر ابھی حال ہی میں فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کے ''جدید فقہی مسائل'' کا چھ جلدوں پر مشتمل جو نیا ایڈیشن آیا ہے، وہ بجا طور پر نہ صرف بلند پایہ تحقیقی رسائل کا مجموعہ ہے؛ بلکہ نئے مسائل و جزئیات کے اعتبار سے بھی عصرِ حاضر کے مفتیانِ کرام کا ایک اہم ترین مرجع ہے۔

نوٹ: ان تمام کتابوں کے مطالعہ کے وقت ایک بیاض بھی اپنے ساتھ رکھی جائے ؛ تاکہ اہم مسائل ونقول اور لطائف وظرائف کے کم از کم اشارات اس میں لکھ لئے جائیں، یقین جانیئے یہ بیاض آپ کے حق میں بے محنت کی پونجی اور سونے کی کان ثابت ہوگی، مطالعہ کا شغل رکھنے والے جانتے ہیں کہ دورانِ مطالعہ سینکڑوں لالہ گُل سے بھی واسطہ پڑتا رہتا ہے، ایسی اہم اہم باتیں نظر سے گذرتی رہتی ہیں جن کی فی الحال تو ضرورت موجود نہیں ہے، لیکن آئندہ پیش آسکتی ہے، بارہا یوں لگتا ہے کہ یہ باتیں اپنے متوقع مقامات پر نہیں ہیں؛ بلکہ کسی مناسبت کی وجہ سے اپنے موقع سے ہٹ کر آگئی ہیں، اس طرح کا خیال جب بھی دل میں آجائے تو جان لینا چاہئے کہ بیاض کو تھام لینے کا وقت آگیا ہے؛ لہذا قلم کو حرکت دیں اور بیاض میں ایسے شذرات کو نقل کرلیں ، اگر یہ موقع ضائع ہوگیا تو بعد میں ہوسکتا ہے کہ گھنٹوں اور ہفتوں کی سرماری بھی کوئی نتیجہ خیز ثابت نہ ہو۔

مطالعہ میں یہ بھی لحاظ رہے کہ جن ابواب سے مناسبت نہ ہو یا جو مشکل معلوم ہوتے ہوں ان کا باضابطہ طور پر اہتمام کے ساتھ مطالعہ کیا جائے، طلبہ کے لئے عموماً بیوع اور اس کے متعلقات اور وقف وقضا سے ختم تک کے ابواب نامانوس؛ بلکہ ناقابلِ گرفت معلوم ہوتے ہیں، ان میں خاص طور پر محنت اور سوچ وفکر کی صلاحیتوں کو صَرف کیا جائے، ان شاء اللہ تھوڑی سی توجہ پر فقہ کے جملہ ابواب سے مناسبت پیدا ہوجائے گی اور ان سے متعلقہ

سوالات کے جوابات لکھنا بھی آسان ہو جائے گا۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانیؒ فرماتے تھے، مجھے شروع میں وقف کے مسائل سے زیادہ مناسبت نہ تھی اور جب کبھی وقف کا کوئی سوال آتا تو مجھے اس سے گھبراہٹ ہوتی تھی، اس کا علاج میں نے اس طرح کیا کہ وقف کے بارے میں جتنی کتابیں مجھے میسر آئیں، ان کا باستیعاب مطالعہ کرلیا، فقہ کی متداول کتب کے علاوہ امام خصافؒ کی ''کتاب الوقف'' اور ''الاسعاف فی حکم الاوقاف'' کا بھی مطالعہ کیا، یہاں تک کہ میری عدمِ مناسبت انشراح میں تبدیل ہوگئی۔ (میرے والد میرے شیخ، ص: ۵۰)

(۲) للّٰہیت اور تعلق مع اللہ

مفتی چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا گویا نمائندہ بن کر حکمِ شرعی کو بیان کرنے والا اور کسی فتوے پر دستخط کرنے والا ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس کا فتویٰ اسی وقت فتویٰ کہلا سکتا ہے جب کہ اللہ رب العالمین سے اس کا رابطہ و تعلق مضبوط و درست ہو، بے دینی و بدعملی کے ساتھ اس منصب کو سنبھالنا ضلّوا فاضلّوا کا مصداق بن سکتا ہے۔

للّٰہیت اور تعلق مع اللہ کی برکت سے نہ صرف حلِّ مسائل میں مدد و توفیق ملتی ہے ، بلکہ قبولِ عام بھی نصیب ہوتا ہے، حضرت تھانویؒ کا مشہور ملفوظ ہے کہ میں نے کتب بینی تو کچھ زیادہ نہیں کی ہے؛ البتہ قطب بینی کا اللہ نے مجھ کو خوب موقع دیا ہے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ جیسے اہل اللہ وعلمائے ربانیین کا فیض، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت تھانویؒ کو نصیب فرمایا تھا، حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ کبھی کسی مسئلہ میں کتاب دیکھنے کی ضرورت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی یہ ہوتی کہ زیادہ سرگردانی کی نوبت نہ آتی ، بس چند ایک صفحات کی ورق گردانی پر موقع ومحل مل جاتا اور اس کے پیچھے کچھ زیادہ وقت خرچ نہ ہوتا۔ (اشرف السوانح، ص: ۳/ ۶۹، باب بستم: انعامات الٰہیہ)

شیخ الاسلام حضرت محمد مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم عصرِ حاضر کی نابغۂ روزگار

شخصیت ہیں، حضرت موصوف علم کا کوہِ ہمالہ ہونے کے ساتھ ساتھ عمل واخلاص کا بھی گویا حسین تاج محل ہیں، ان کا ایک ایک فتوی اپنے موضوع پر اتنا وزنی ہوتا ہے کہ گویا حرفِ آخر ہے، اللہ تعالیٰ نے قبولِ عام بھی ویسا ہی عطا فرمایا ہے، حضرت شیخ الاسلام نے ایک موقع پر غالباً بعض اسلامی بینکوں کی جانب سے جاری کردہ صکوک کے بارے میں یہ رائے ظاہر فرمائی تھی کہ وہ اس سلسلہ کے شرعی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتے، بس اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقِ وسطیٰ کی تجارتی منڈیوں میں ایک بھونچال آگیا اور مسلم سرمایہ کار اس طرح کے صکوک کے لین دین سے رُک گئے اور اس کے کاروبار میں غیر معمولی گراوٹ رونما ہوگئی، حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم نے خود اپنی زبانی فرمایا جو یوٹیوب پر آن ریکارڈ موجود ہے کہ اس قسم کی صورتحال پیدا ہونے کی بنا پر یہودی اور صیہونی خون آشام سرمایہ داروں نے حضرتِ والا کو Financial Osama Bin Laden قرار دیا تھا۔

دورِ طالب علمی اور تعلیمی مشغولی کے زمانے میں بھی کم مقدار میں سہی کچھ معمولات ضرور ہونے چاہئے جن سے تعلق مع اللہ قائم ہو اور علم کا نور اور برکتیں نصیب ہوں۔

حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے زمانے میں جب شروع شروع حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بصد ادب واحترام اور بڑی صاف گوئی سے عرض کر دیا کہ حضرت! میں تدریس وتالیف کا شغل رکھتا ہوں، حوصلہ وہمت کا کمزور ہوں، زیادہ اشغال واوراد مجھ سے نہیں ہو سکتے، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ہم کوئی عطائی طبیب نہیں ہیں کہ ہر ایک کو ایک ہی نسخہ تجویز کر دیں، بزرگانِ دین نے فرمایا:

> طرق الوصول الی اللہ بعددِانفس الخلائق (جس قدر مخلوقات کے سانس ہیں اتنے ہی اللہ تک پہنچنے کے راستے بھی، التکشف عن مہمات التصوف، ص: ٦٢) ایسا کرو کہ فرائض و واجبات کا اہتمام تو ہر مسلمان ہی کرتا ہے تم مزید تین کام کرلو (۱) تقویٰ ظاہراً اور باطناً (۲) ترکِ لایعنی

(۳) تلاوتِ قرآن کا معمول؛اس کے علاوہ اگر دِل چاہے تو ہر نماز کے بعد تسبیحاتِ فاطمی اور صبح و شام کی تین تسبیحات پڑھ لو۔(خطباتِ مفتیٔ اعظم ،ص: ۳۷۴،جمع وترتیب حافظ اکبر شاہ بخاری ملخصاً)۔

للّٰہیت اور تعلق مع اللہ کی دولت حاصل ہونے کا بنیادی ذریعہ اہل اللہ کی صحبت ہے، اپنے زمانے کے مشائخ وصوفیاء سے نہ صرف ادب وحسنِ ظن کا معاملہ رکھے؛ بلکہ ان میں سے جس بھی مناسبت ہو، ان سے باضابطہ طور پر اصلاحی تعلق قائم کرلے، اِن چودہ سو سال کے عرصے میں امتِ محمدیہ کے جتنے بھی افراد سے عالی شان علمی وعملی کارنامے وجود میں آئے، وہ سارے کے سارے حضرات ظاہری و باطنی علوم کے جامع اور اہل اللہ کے صحبتِ یافتہ تھے، امت کو انہی کے علوم ومعارف اور انہی کی جدوجہد قربانیوں سے فیض پہنچا ہے۔

صوفیاء واولیاء سے نسبت رکھنے والے علماء فقہاء کی ایک فہرست

❁ امام شافعیؒ نے شیخ شیبان راعیؒ کی صحبت اختیار کر رکھی تھی (کشف المحجوب:۱۴۹)

❁ امام احمد بن حنبلؒ تصوف کے مسائل حضرت بشر حافیؒ سے حل فرماتے تھے۔(کشف المحجوب:۱۴۹)

❁ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد، امام داؤد طائیؒ حضرت شیخ ابن حبیب فارسیؒ کے باقاعدہ مرید تھے۔(کشف المحجوب: ۱۴۲)

❁ امام حاکمؒ، امام ابوبکر ضبیؒ کے مرید تھے اور ساتھ ساتھ دیگر مشائخِ تصوف کی صحبتیں بھی اُٹھائی تھیں۔(مقدمہ حدیث النبوی وعلومہ الدکتور۔محمود مطرجی:۸۹)

❁ امام بیہقیؒ امام احمد بن محمد خلیل الصوفیؒ کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے(حیات الانبیاء بعد وفاتھم :۶۷)

❁ امام ابن عساکرؒ امام عبد الغفار فارسیؒ کے مرید تھے۔(مقدمہ منہاج علی مسلم:۱/۱۶)

❁ شارحِ مسلم علامہ نوویؒ؛ شیخ ابو اسحاقؒ کے صحبت یافتہ تھے۔(مقدمہ منہاج علی مسلم:۱/۱۷)

❁ امام ابن عبد البر مالکیؒ؛ امام یحییٰ بن مجاہد فزاریؒ کے صحبت یافتہ اور مرید تھے۔(تاریخ ابن الفرضی)

❁ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ؛ شیخ ابوعلی فارمذیؒ کے مریدین و متعلقین میں سے تھے۔(سیر اعلام النبلاء ۱۴/۲۶۸)

❁ امام ابن قدامہ المقدسیؒ؛ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے مرید تھے اور ان کی وفات کے بعد امام ابن جوزیؒ کی صحبت اختیار فرمائی تھی۔(مختصر طبقات الحنابلہ،ص:۱۴۵)

❁ علامہ ابن تیمیہؒ تصوف واحسان کے نہ صرف قائل تھے؛ بلکہ سلسلۂ قادریہ سے منسلک تھے،اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور شیخ احمد رفاعیؒ سے بہت متاثر تھے، آپ علیہ الرحمہ کی تدفین بھی مقابرِ صوفیہ ہی میں ہوئی۔(آثار الاحسان از علامہ خالد محمود۔امت کے محسنین:۱۷۰)

❁ سید شریف جرجانیؒ ؛خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار البخاریؒ کے مرید تھے۔

❁ علامہ ذہبیؒ؛ شیخ ضیاء الدین عیسی بن عیسیٰ انصاریؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔

❁ امام بدر الدین عینیؒ کو علماء نے طبقاتِ صوفیاءِ حنفیہ میں شمار کیا ہے(آثار الاحسان)

❁ ملا علی قاریؒ، شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور آپ کا پورا خانوادہ صوفیائے کاملین میں شمار ہوتا ہے۔

❁ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے مرید تھے۔

❁ صاحبِ روح المعانی علامہ محمود آلوسیؒ مجددیہ سلسلہ سے منسلک تھے۔

❁ علامہ ابن نجیم مصریؒ، عارف باللہ شیخ سلیمان خضریؒ کے مرید اور صوفئ زمانہ

علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کے صحبت یافتہ تھے۔

❁ علامہ ابن عابدین شامیؒ، شیخ خالد نقشبندیؒ کے مرید تھے۔(نشر العرف لابن عابدین شامیؒ ۱۲)

❁ علامہ عبدالغنی نابلسیؒ سلسلۂ قادریہ میں شیخ عبدالرزاق کیلانیؒ اور سلسلۂ نقشبندیہ میں شیخ بلخیؒ کے مرید تھے۔

❁ علامہ زاہدالکوثریؒ؛ شیخ ضیاء الدین کمشخوانیؒ کے مریدِ خاص تھے،اور علمائے دیوبند تمام کے تمام سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بافیض سلسلہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ کے واسطہ سے آج بھی پورے آب وتاب کے ساتھ پورے عالم پر اپنی روشنیاں بکھیر رہا ہے۔ (تصوف اور علمائے امت،ازمولانا عنایت اللہ عینی، متخصص مرکز اہلِ السنت والجماعت)

(۳)ماہر وموفّق مفتیانِ کرام کی صحبت

اِن حضرات کی صحبت سے فقہی مزاج ومذاق بنتا ہے، مدارجِ احکام کا علم ہوتا ہے، حکمت وبصیرت ملتی ہے، اسرارِ شریعت کی معرفت ہوتی ہے،فتوی نویسی اور بیانِ مسائل میں اعتدال وتوازن نصیب ہوتا ہے،کس موقع پر شریعت کا کونسا حکم منطبق ہوتا ہے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر تیسیر اور سدِّ ذرائع؛ فقہ وشریعت کے دو ایسے اصول ہیں جن کے تقاضے اور حدود الگ الگ ہیں، اگر ان میں سے کسی ایک کے اطلاق کرنے میں بھی افراط و تفریط ہوجائے تو پھر شریعت کی روح مجروح ہوجاتی ہے۔

چنانچہ تیسیر کے معاملے میں بے اعتدالی سے اباحیت پسندی کا مزاج فروغ پاتا ہے اور دینی احکام کی عظمت دلوں سے نکل جاتی ہے، جبکہ سدِّ ذرائع کے سلسلہ میں شدّت برتنے سے لوگ تنگی اور حرج میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور شریعت سے متنفّر ہوکر دین وایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اب یہ بات کہ کہاں اور کس حد تک تیسیر کے اصول کو اختیار کیا جائے

اور کہاں سدِّ ذرائع سے دین واخلاق کی حفاظت ہوگی؟ یہ ماہر مفتی ہی سے سیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کے زمانے میں کسی علاقے میں ارتداد کی وبا پھیلی ہوئی تھی، حضرت تھانویؒ نے وہاں کا دورہ فرمایا اور لوگوں کے احوال دریافت کئے تو لوگوں نے کہا کہ نہیں جی ہم نے اسلام کو نہیں چھوڑا، ہم تو علَم نکالتے ہیں! حضرت تھانویؒ نے ان کو حکیمانہ جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ: ہاں! نکالتے رہو، اب اگر کوئی شخص ٹھیٹ فقہی نقطۂ نظر سے حضرت تھانویؒ کے اس جواب کا جائزہ لے گا تو اس کو اشکال واعتراض ہوگا؛ لیکن اگر تفقّہ و بصیرت کے پیمانے سے دیکھا جائے تو یہ جواب عینِ صواب ہے؛ کیوں کہ اُن حالات میں یہی ان کے مسلمان کہلانے کی ایک نمایاں اور بڑی نشانی تھی، حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی دامت برکاتہم لکھتے ہیں: حضرت (تھانویؒ) نے ایک موقع سے تعزیہ داری کی رخصت دی اور فرمایا کہ یہ رخصت اس لئے کہ جن کو اجازت دی گئی؛ ان کے لئے یہ بدعت، وقایہ کفر تھی۔ (کرونا مسائل واحکام، ص: ۱۵)

راقم الحروف کے استاذِ گرامی تلمیذِ حضرت مدنی شیخ الحدیث حضرت مولانا حسیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانۂ طالبِ علمی کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت موصوف کے استاذِ محترم حضرت مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ دار الافتاء دیوبند میں تشریف فرماتھے، طلبہ بھی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک سائل آیا اور عرض کرنے لگا کہ حضرت میرے گھر پر انکم ٹیکس کا چھاپہ پڑا ہے اور پچاس ہزار روپیوں کا ہرجانہ عائد کیا گیا ہے؛ مگر انکم ٹیکس عہدیداران میں ایک افسر مجھ سے کہتا ہے کہ پانچ ہزار رشوت میں دے دو تو میں اس معاملہ کو ختم کرادوں گا، اب آپ سے دریافت کرنا یہ ہے کہ اس صورتِ حال میں میرے لئے رشوت دینا جائز ہے؟

حضرت مفتی مہدی حسن صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں! اس صورتِ حال میں شرعاً اس کی اجازت ہے، یہ سُن کر وہاں موجود ایک طالبِ علم نے بآواز بلند یہ حدیث پڑھی کہ "الراشی والمرتشی فی النار" حضرت مفتی صاحب نے اس طالبِ علم کو ڈانٹ کر

خاموش کر دیا، اور سائل سے فرمایا کہ تم جا کر اپنا مسئلہ حل کر لو، اس کے چلے جانے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے اس طالبِ علم کو نصیحت فرمائی کہ اوّل تو تم کو سائل کے سامنے اس طرح کی بات نہیں کہنی چاہئے تھی، اس سے سائل کا ذہن خراب ہو سکتا ہے، اگر تم کو واقعی کوئی اشکال محسوس ہوا تو اس کے جانے کے بعد تم پوچھ لیتے، اب تم سنو کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ حدیث صرف تم ہی کو معلوم ہے ہم کو اس کا علم نہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ یہاں اس موقع پر ''الراشی والمرتشی فی النار'' کا حکم منطبق نہیں ہوگا؛ بلکہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور سنتِ مبارکہ ''اختیار اھون البلیتین'' کی روشنی میں جواب دیا جائے گا، یہ بتاؤ کہ انکم ٹیکس کونسا جائز ٹیکس ہے، جس میں پچاس ہزار روپئے حلال کمائی کے جھونکے جائیں، اگر اس کے بجائے پانچ ہزار میں جان چھوٹ جاتی ہے تو یہ دو بلاؤں میں سے چھوٹی بلا کو اپنانا ہے، جس کا ثبوت فی الجملہ سنتِ مبارکہ سے ملتا ہے۔

ماہر و موفّق مفتیانِ کرام کی نگرانی و صحبت کے بغیر فتویٰ نویسی کا شغل اختیار کرنے سے سخت لغزشوں اور ہلاکتوں میں پڑنے کا اندیشہ ہے، شاید ایسے ہی نِرے فقہ دان اسکالرس کے بارے میں علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کر کے اس کو حاملہ کر دیا، کسی خیر خواہ نے اس سے کہا کہ اوّل تو تجھ کو زنا نہیں کرنا چاہئے تھا؛ جب کر ہی لیا تھا تو کم از کم ایسے طریقہ پر کرتا کہ حمل نہ ٹھیرتا، یہ سُن کر آن جناب نے اپنے اس خیر خواہ سے فرمایا کہ فقہاء نے عزل کو مکروہ لکھا ہے۔ (تلبیس ابلیس مفہوماً، ص:۱/ ۳۱۴)

(۴) غایتِ احتیاط

مفتی کی زندگی احتیاط کا مجسم نمونہ ہو، عام لوگ چوں کہ اس کے قول اور فعل کو حجت اور دین سمجھتے ہیں اس لئے وہ اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی شریعت ہی میں ڈوبا رہے، کوئی ایسی بات یا ایسا کام نہ کرے جس سے لوگوں کے بھکنے یا بے راہ روی میں پڑنے کا خطرہ پیدا ہو جائے، مفتی کے اندر یہ حوصلہ و ہمت ہونی چاہئے کہ وہ بجائے رخصت کے عزیمت پر عمل

کرے اور شریعتِ محمدیہ کی اعلیٰ تصویر پیش کرے، اکابر نے اس سلسلہ میں اپنی جو مثالیں چھوڑی ہیں ان کی بلندی کوتو ہم نہیں پہونچ سکتے، تاہم اس کی کوئی جھلک ہمارے عمل سے ظاہر ضرور ہونی چاہئے کہ ہم انہی سے نسبت رکھتے ہیں اور انہی پر ناز بھی کرتے ہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا دہلی کے قیامِ طالبِ علمی میں بازار سے کھانے کا نظم تھا؛ مگر حضرت بغیر سالن کے روٹی کھایا کرتے تھے: اس لئے کہ دہلی کے سالنوں میں بازاری ہوں یا گھریلو آمچور کا دستور بہت کثرت سے تھا، اور آموں کی بیع قبل از وقت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوتی ہے، اس لئے حضرت دہلی کے بازار کا سالن نہیں تناول فرمایا کرتے تھے۔(اکابر علمائے دیوبند کا تقویٰ، ص: ۴۳)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے باقی عمر کی بینائی کو محض اس بناء پر گوارا کرلیا تھا کہ آنکھ بنوانے کی صورت میں چند دنوں تک زمین پر سجدہ کرنے کا پرہیز تھا؛ جب کہ حضرتِ والا کو چند دن کی نمازیں تو درکنار ایک سجدہ بھی اس طریقہ سے کرنا منظور نہ تھا۔(اکابر علمائے دیوبند کا تقویٰ: ۱۵)

حضرت تھانویؒ ایک مرتبہ سہارنپور تشریف لے جارہے تھے، کچھ گنّے ساتھ تھے جن کو محصول (ٹیکس) ادا کرنے کی غرض سے اسٹیشن پر تلوانا چاہا؛ لیکن کسی نے نہ تولا؛ بلکہ از راہِ عقیدت ریلوے کے غیر مسلم ملازمین نے بھی کہہ دیا کہ آپ یوں ہی لے جایئے، ہم گارڈ سے کہہ دیں گے، حضرت نے کہا: گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا غازی آباد تک، فرمایا: غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا: بس وہ کانپور تک لے جائے گا اور وہاں آپ کا سفر ختم ہوجائے گا، فرمایا نہیں، وہاں سفر ختم نہ ہوگا، آگے ایک اور سفرِ آخرت ہے، وہاں کیا انتظام ہوگا؟ یہ سُن کر سب دنگ رہ گئے، اور بے حد متاثر ہوئے۔(اکابر علمائے دیوبند کا تقویٰ، ص: ۴۹)

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اے گروہِ علماء! اگر تم مستحبات چھوڑ کر مباحات کی طرف جھکو گے تو عوام مکروہات و مشتبہات پر گریں گے، اگر تم مکروہ کام کروگے تو عوام

حرام میں پڑیں گے، اگر تم حرام کے مرتکب ہو گے تو عوام کفر میں مبتلا ہوں گے۔
(تفسیر کبیر ۲ / ۴۰۵؛ اذا اشتغل العلماء بجمع الحلال الخ)

فتوی دینے کے معاملے میں بھی احتیاطی پہلو کو مدِّ نظر رکھے، شذوذ اور تفرد کی راہ اختیار نہ کرے، تلفیق بین الاقوال نہ کرے، لاعلمی کے ساتھ فتوی نہ دے، کامل اطمینان و شرحِ صدر کے بغیر کوئی فتوی جاری نہ کرے، کسی مسئلہ میں معاصر اکابر مفتیانِ کرام کا اختلاف ہو تو احتیاط والی رائے کے مطابق فتوی تحریر کرے؛ البتہ اگر قرائن و حالات سے اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ ایسی صورت میں مستفتی یا تو سخت حرج میں مبتلا ہو جائے گا، یا فتوی کو خاطر میں نہ لا کر اپنا کام کر گذرے گا تو پھر اوسع قول کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے، یا کم از کم اس قول کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے؛ تا کہ تنگی اور بے دینی میں پڑنے سے مستفتی بچ جائے۔

ابن عونؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں قاسم بن محمد بن ابو بکرؒ کے ساتھ تھا، جو مدینہ کے سات سر برآوردہ فقہاء میں شمار ہوتے تھے، ایک شخص آیا اور کسی مسئلہ کے متعلق ان سے پوچھنے لگا، آپ نے جواب میں فرمایا: مجھے اس بارے میں مکمل علم نہیں تو سائل نے کہا میں یہاں کسی عالم کو نہیں جانتا، آپ ہی اس بارے میں رہنمائی کریں، آپ نے فرمایا: تم میری لمبی داڑھی اور میرے ارد گرد لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر دھوکہ میں مت آؤ، واقعتاً مجھے اس بارے میں علم نہیں ہے، اسی مجلس میں موجوداَدھیڑ عمر کے ایک قریشی آدمی نے کہا: اے اجنبی! تم اس مسئلہ کے سلسلہ میں ان سے جواب کے لئے اصرار کرو، میں نے اس مجلس میں تم جیسا ہوشیار نہیں دیکھا ہے، اس پر حضرت قاسمؒ نے فرمایا:

لأن يقطع لساني احبّ الي من ان اتكلم بما لا علم بي:

میری زبان کا کٹ جانا مجھے زیادہ محبوب ہے اس بات سے کہ میں کسی ایسے مسئلہ کا جواب دوں جس کا مجھے صحیح سے علم نہ ہو۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ۲ / ۸۳۷)

بابِ دوم

قضاء کے نظری مباحث

قضاء کی عملی مشق

ایک مقدمہ کی کاروائی کا مکمل نمونہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید وتقریب

قضا، فقہِ اسلامی کے ان ابواب میں سے ہے جن پر فقہائے کرام کی خصوصی ذہانتیں صرف ہوئی ہیں، فقہائے کرام نے نہ صرف نہایت جزرسی اور تفصیل کے ساتھ اس کے مسائل کو قیدِ تحریر میں لایا ہے؛ بلکہ قضا کے ارکان اوراس کے متعلقات پر بحث کرتے ہوئے جو دادِ تحقیق دی ہے وہ بلاشبہ اسلامی قانون کا اثاثۂ فخر ہے۔

عدل وانصاف کا بے لاگ نظام، اہلِ حقوق کے حقوق کی ادائیگی، مظلوم کی بروقت دادرسی، جرائم پیشہ عناصر کی سرکوبی، ہرمرحلہ پر دیانتداری وغیر جانبداری کا مظاہرہ، منصبِ قضا کے تقاضوں کا لحاظ، مضبوط بنیادوں اور ٹھوس ثبوتوں پر عدالتی فیصلوں کا دارومدار، یہ وہ چیزیں ہیں جو اسلامی نظامِ قضا کو دنیا بھر کے عدالتی نظاموں سے ممتاز وفائق بناتی ہیں۔

اسلامی عہد میں محکمۂ قضا، ریاست کا ایک لازمی حصہ رہا ہے، اس کے بغیر دارالاسلام کا تصور ممکن ہی نہ تھا، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی زوال کے بعد بھی اس شعبہ کی ضرورت ویسی ہی باقی رہی جس طرح مسلم ممالک میں اس کی ضرورت رہتی ہے، علامہ ابن الہمامؒ اور علامہ بزازیؒ وغیرہ نے اِسی ضرورت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے ذمّہ اپنے طور پر نظامِ قضا، قائم کرنے کو ضروری قرار دیا ہے، ماضی قریب میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی یہی فتویٰ صادر فرمایا تھا۔

قضا کی ضرورت اور اکابر فقہاء کی ان تصریحات کی بنا پر ہمارے اس ملک ہندوستان میں تقریباً ہر علاقے میں دارالقضاء اور محاکمِ شرعیہ کا ایک جال بچھا ہوا ہے، جہاں مسلمانوں کی ایک قابلِ لحاظ تعداد اپنے معاملات اور مقدمات کو لے کر رجوع ہوتی ہے، اِن شرعی عدالتوں میں مدارسِ دینیہ سے فارغ ہونے والے علماء ہی اپنی خدمات فراہم کرتے ہیں، یہ علماء بالعموم تربیتِ قضا کا باقاعدہ کورس کئے ہوئے ہوتے ہیں، صوبۂ بہار میں اس کا

ایک منظم سلسلہ کئی دہائیوں سے قائم ہے، باذوق طلبہ کو چاہئے کہ وہ اس مرکز سے وابستہ ہوکر باقاعدہ طور پر قضا کی تربیت حاصل کریں۔

اِدھر نظامِ قضا کی عمومی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے بعض مدارس نے بھی جزوی طور پہ تربیتِ قضا کا چندروزہ کورس اپنے یہاں شاملِ نصاب کیا ہے، شعبۂ افتاء کے طلبہ ان کورسس سے استفادہ کرتے ہیں، اس طرح کے کورسس اور ورک شاپس یا جزوی نصابی سرگرمیوں سے اگرچہ کارِ قضا کے سلسلہ میں پوری بصیرت ومہارت تو پیدا نہیں ہوتی؛ مگر کچھ نہ کچھ شد بد قابلِ لحاظ مقدار میں ضرور پیدا ہو جاتی ہے، اگر طالبِ علم اس کو زینہ بنا کر بعد فراغت کسی دار القضاء سے وابستہ ہوجائے اور وہاں کسی ماہر قاضی کی ماتحتی میں کچھ زمانہ کام کر لے تو امید ہے کہ وہ بھی قضا کی خدمات انجام دینے کے قابل ہوجائے گا۔

بندے نے بھی افتاء کے تعلیمی زمانے میں مادرِ علمی دار العلوم حیدرآباد میں اس قسم کی تربیتِ قضا حاصل کی تھی ،قاضی ومفتی سعود عالم قاسمی مدظلہ سابق نائب قاضی دار القضاء امارتِ ملتِ اسلامیہ پنجہ شاہ حیدرآباد، طلبہ کو نہ صرف مشق وتمرین کروایا کرتے تھے؛ بلکہ قضا کی عملی کاروائی دکھلانے کے لئے دار القضاء بھی طلب فرمایا کرتے تھے،عرضِ دعوی سے لے کر فیصلے تک کے سارے مراحل ہم نے انہی استاذِ گرامی سے سیکھے تھے۔

شعبۂ افتاء سے فراغت کے بعد بندہ کو خوش نصیبی سے مادرِ علمی ہی میں تدریس کا موقع ملا اور اب الحمدللہ سولہ سال مکمل ہونے کو ہیں کہ بندہ یہیں پر مصروفِ خدمت ہے ،گذشتہ سات آٹھ سالوں میں شعبۂ افتا میں بھی تدریس کی سعادت حاصل رہی ،اس دوران حضرت الاستاذ امین الفقہ مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم صدر شعبۂ افتاء ونائب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد کے حکم سے طلبۂ افتاء کو تمرینِ قضا کرانے کی اضافی ذمہ داری بھی بندے سے متعلق ہوئی ،پہلے سال تو حضرت الاستاذ نے باقاعدہ اپنی نگرانی میں یہ تمرین کروائی تھی؛ البتہ اگلے سالوں میں انہی ہدایات وافادات کی روشنی میں بندہ تمرینِ قضا کا پندرہ روزہ کورس طلبۂ افتاء کو کرواتا تھا،تعلیمی سال کے اختتام پر

اس کا نظام بنایا جاتا ہے، شروع کے ایک دو دن قضا کے موضوع پر ایک تعارفی محاضرہ پیش کیا جاتا ہے، پھر قضا کی عملی مشق کروائی جاتی ہے، اس پسِ منظر میں بندے نے اپنی یادداشت اور طلبہ کی سہولت کے لئے کچھ نوٹس ونمونے بھی تیار کئے تھے، ارادہ ہوا کہ ان کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جائے؛ تاکہ خود بندے کی تدریس میں یہ معاون بنے، اور عجب نہیں کہ دیگر اہلِ ذوق کو بھی اس سے فائدہ پہنچے! وما ذلک علی اللہ بعزیز

محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی

قضا کے نظری مباحث

قضا کے مباحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

☆ قضا کے نظری مباحث ☆ قضا کا عملی طریقۂ کار

قضا کے نظری مباحث کو سمجھنے کے لئے فقہی کتابوں اور خاص اس موضوع پر تصنیف کردہ کتابوں کے دفتر کے دفتر موجود ہیں؛ اس لیے اس تعلق سے کچھ زیادہ ورق سیاہی کا ارادہ نہیں ہے، بس ضروری باتوں اور ہندوستان جیسے ممالک کے پسِ منظر میں پیدا ہونے والے مسائل وسوالات کا حل پیش کرنا ہے۔

(۱) قضا کے لغوی معنیٰ

علامہ زین الدین محمد بن ابوبکر رازیؒ نے لغت کے اعتبار سے قضا کے چار معنیٰ لکھے ہیں: (۱) حکم وفیصلہ کرنا (۲) کسی کام سے فارغ ہونا (۳) کسی ذمہ داری کو ادا کرنا اور اسے پایۂ تکمیل کو پہنچانا (۴) کسی شئ کو مہارت اور منصوبہ کے ساتھ بنانا۔

القضاء: الحكم والجمع الاقضية...وقديكون بمعنى الفراغ...وقد يكون بمعنى الاداء والانهاء...قد يكون بمعنى الصنع والتقدير-(مختار الصحاح ۱۲/۲۵۵)

(۲) قضا کے شرعی معنی

قضا کی شرعی تعریف میں فقہائے کرام کے متعدد اقوال ملتے ہیں، یہاں پانچ اقوال ذکر کئے جاتے ہیں، اِن تعریفات پر اگر آپ غور کریں تو آپ پر شش جہات سے قضا کی حقیقت منکشف ہو جائے گی، یعنی آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کارِ قضا کیا ہے؟ ماخذِ قضا کیا ہے؟ دائرۂ قضا کیا ہے؟ تقاضائے قضا کیا ہے؟ حیثیتِ قضا اور قوتِ قضا کیا ہے؟

● علامہ تمرتاشیؒ کی رائے:

جھگڑوں کو چکانا اور مقدمات کے فیصلے کرنا۔

فصل الخصومات و قطع المنازعات(تنوير الابصار مع

الدروالرد ۳۵۲/۵)

- علامہ کاسانیؒ کی رائے:

لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور اللہ عزّوجل کی نازل کردہ شریعت کی روشنی میں احکامات صادر کرنا۔

هوالحكم بين الناس بالحق والحكم بما انزل الله عز و جل (بدائع ۷/۲)

- فتاوٰی عالمگیری کے مرتبین کی رائے:

ایسا قانونی فرمان جو کامل اختیارات کے ساتھ صادر ہو۔

قول ملزم يصدر عن ولاية تامة۔(فتاوٰی عالمگیری ۳۰۶/۳)

- علامہ قاسم بن قطلو بغاؒ کی رائے:

ایسے اجتہادی مسائل میں فرمان جاری کرنا جن میں دنیاوی مفادات کی خاطر نزاع پیدا ہوجاتا ہو۔

انشاء الزام فی مسائل الاجتهاد المتقاربة فيما يقع فيه النزاع لمصالح الدنيا۔(فتاوی شامی ۳۵۲/۵)

اِس چوتھی تعریف کی رو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اجماعی مسائل؛ اسی طرح غیر نزاعی مسائل اور عبادات کے مسائل، قضا کے دائرہ سے خارج ہیں۔

- علامہ ابن الغرسؒ کی رائے:

مخصوص صیغے ولفظ کے ذریعہ ظاہری اعتبار سے کسی ایسی چیز کو لازم کرنا جس کے لازم کرنے پر شرعی دلائل بھی موجود ہوں۔

الالزام فی الظاهر علی صيغة مختصة با مرظن لزومه فی الواقع شرعا۔(فتاوی شامی ۳۵۲/۵)

اس تعریف کی رو سے معلوم ہوا کہ فیصلہ صادر کرنے کے لئے مخصوص صیغے اور

الفاظ درکار ہوتے ہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی پر کسی چیز کا لازم ہونا اگر چہ بظاہر قاضی کے فیصلے سے نظر آرہا ہے؛ مگر درحقیقت اس کے پسِ پردہ حکمِ الٰہی اور خطابِ خداوندی موجود ہے، بالفاظِ دیگر قضا حقیقت میں کسی بھی امرِ شرعی کے لیے مُظہِر ہے نہ کہ مُثبت، ایک اور اہم بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قاضی فیصلے کرنے میں بے لگام نہیں ہوتا؛ بلکہ یہ ضروری ہے کہ شرعی دلائل سے ان فیصلوں کی معقولیت اور لزوم ثابت ہو۔

(۳) قضا کا ثبوت

قضا کا ثبوت جملہ ادلۂ اربعہ کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے ثابت ہے، نظامِ قضا کی فرضیت پر امت کا اجماع ہے اور فقہاء کے مطابق اس کا قیام فرضِ کفایہ ہے۔

کتاب اللہ سے ثبوت

۱۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے میں سے ذمہ داروں کی بھی، پھر اگر کسی بات میں تمہارے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو اگر تم (واقعی) اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، یہ بہتر اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔ (النساء: ۵۹)

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اولوالامر کی اطاعت کریں اور اپنے باہمی نزاعات کو اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف لوٹائیں، اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کا تقاضہ یہی ہے، اِسی میں بھلائی اور نیک انجامی ہے!

۲۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ آپ پر اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں (لیکن) چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمات طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں، حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس (طاغوت) کے مقابلہ؛ انکار کا رویہ اختیار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو راہِ راست سے خوب دور ہٹا دے۔ (النساء: ٦٠)

اس آیت کا صریح تقاضہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے اپنے مقدمات کو غیر مسلم حاکم اور غیر مسلم عدالت میں لے جانا سراسر ضلالت ہے، معصیت ہے اور ایسا گناہ ہے جس سے ان کو روکا اور منع کیا گیا ہے۔ (آدابِ قضا، از: مولانا عبدالصمد رحمانی ؒ، ص: ۲۶)

۳۔ سورۃ مائدہ کی سلسلہ وار دو تین آیتوں کے خاتموں پر سخت انداز میں فرمایا گیا کہ جو اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہی لوگ کفر کرنے والے ہیں ،اس سے اگلی آیت کے اختتام پر ہے: اور جو اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہی لوگ ظالم ہیں ، پھر ایک آیت کے فاصلہ سے ہے: اور جو اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی نافرمان ہیں۔ (سورۃ المائدہ: ۴۴۔۴۵۔۴۷)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ لکھتے ہیں:

جب مسلمانوں میں آپس میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو ضروری ہے کہ وہ احکامِ الٰہی کے مطابق فیصلہ کریں اور علماء سے رجوع ہوں ، اگر قانونِ شریعت سے بچنے اور دنیائی نفع حاصل کرنے کے لیے انہوں نے غیر اسلامی عدالتوں کا رخ کیا تو یہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔ (آسان تفسیر قرآن مجید: سورہ المائدہ: ۴۴)

سنت رسول اللہ سے ثبوت

قولی اور فعلی دونوں طرح کی سنت سے قضا کا ثبوت ہے۔

قولی سنت

۱۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو امیر کی اطاعت کرے تو اس نے میری اطاعت کی اور جو امیر کا حکم نہ مانے تو اس نے میری نافرمانی کی۔ (مسلم شریف، حدیث نمبر: ۱۸۳۵۔ باب وجوب طاعۃ الامراء)

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ لکھتے ہیں:

قضا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام نافذ کئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے، رسول کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور امیر کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے۔(اسلامی عدالت: ۱۵۲)

۲۔ حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قاضی تین قسم کے ہوں گے: دو قسم کے قاضی جہنمی ہوں گے اور ایک جنتی، ایسا قاضی جس نے حق کو جانا اور حق کے موافق فیصلہ کیا وہ جنتی ہوگا اور ایسا قاضی جس نے بغیر حق کے جانے ہوئے جہالت کے ساتھ فیصلہ کیا وہ دوزخی ہوگا اور ایسا قاضی جس نے حق کو جان بوجھ کر حق کے خلاف فیصلہ کیا وہ بھی دوزخی ہوگا۔(ترمذی، کتاب الاحکام حدیث نمبر: ۱۳۲۲)

۳۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قاضی جب تک ناحق کا ساتھ نہیں دیتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ رہتا ہے اور جب وہ ظلم کا ساتھ دیتا ہے تو اللہ اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام حدیث نمبر: ۲۳۱۲)

فعلی سنت

۱۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس نزاعات کی سماعت کی ہے اور ان کا فیصلہ فرمایا، اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ یوں ہے، ۷ھ میں عمرۃ القضا سے آپ علیہ السلام واپس ہو رہے تھے، اسی اثنا میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی سیدہ امامہؓ چچا جان! چچا جان! کہہ کر آپ علیہ السلام کو پکارنے لگی، حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر اس معصوم بچی کو اپنی آغوش میں لے لیا، زیادہ دیر نہیں گذری کہ اس بچی کی پرورش کی ذمہ داری لینے کے لئے تین دعویدار کھڑے ہو گئے، ایک تو یہی حضرت علیؓ، دوسرے حضرت جعفرؓ اور تیسرے

حضرت زید بن حارثہؓ ،حضرت علیؓ کی دلیل اور حجت یہ تھی کہ میں نے سبقت کر کے اس کو اپنے آغوش میں لیا ہے، مزید یہ کہ یہ میرے چچا کی بیٹی بھی ہے، حضرت جعفرؓ کا استدلال تھا کہ یہ بچی میرے لیے بھی میرے چچا کی لڑکی لگتی ہے، مزید برآں اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے ،حضرت زیدؓ کا کہنا تھا کہ (اسلامی لحاظ سے) یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں کے دعوے اور وجوہِ دعویٰ کی سماعت فرمائی اور حضرت جعفرؓ کے حق میں یہ کہتے ہوئے فیصلہ دیا کہ خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔(مشکاۃ المصابیح باب بلوغ الصغیر وحضانتہ، حدیث نمبر: ۳۳۷۷)

۲۔ ایک اور عجیب واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ حضرت زبیرؓ کی ایک انصاری صاحب سے حرۃ (کالے کالے پتھروں والی زمین) کی پانی کی قدرتی نالیوں کے سلسلہ میں جھگڑا ہوا، یہ نالی جہاں سے گزرتی تھی وہاں سے اوپر کی طرف حضرت زبیرؓ کا کھیت تھا اور نیچے کی طرف انصاری صاحب کا، چنانچہ اس نالی سے جب پانی آتا تو حضرت زبیرؓ پہلے اپنے کھیت کو لبریز کر لیتے پھر پانی نیچے کی طرف چھوڑتے ،انصاری صاحب کا مطالبہ تھا کہ پانی کو اس طرح نہ روکو؛ بلکہ میرے کھیت کی طرف آنے کا راستہ دو، جب یہ مقدمہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ علیہ السلام نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ (دستور وعرف کے مطابق کھیت کی منڈیروں اور ٹخنوں تک پانی نہ بھرو؛ بلکہ بقدرِ ضرورت) اپنے کھیت کو پانی دیدو پھر اپنے پڑوسی کے لئے چھوڑ دو! انصاری صحابی نے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ علیہ السلام نے جو فیصلہ کیا وہ اس وجہ سے کیا کہ حضرت زبیرؓ آپ علیہ السلام کے پھوپھی کے بیٹے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے زبیر! (اب تم کو رعایت کرنے کی ضرورت نہیں؛ لہذا دستور وعرف کے مطابق) پہلے تم اپنے کھیت کو منڈیروں تک خوب لبریز کر لو (پھر اس کے بعد نیچے چھوڑو) (بخاری: باب شرب الاعلی الی الکعبین ،حدیث نمبر: ۲۳۶۲)

شارحینِ حدیث اور اسلامی قانون کے ماہرین نے یہاں یہ بحث بھی کی ہے کہ زیرِ

نظر مقدمہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے شروع میں جو ایک فیصلہ دیا پھر اس پر تبصرہ کے بعد دوسرا فیصلہ دیا، اس کی وجہ کیا ہے؟

ایک رائے یہ ہے کہ اوّل فیصلہ بطورِ صلح کے تھا جس میں جانبین کی رعایت تھی، اور دوسرا فیصلہ اصل قضا تھا، جو پہلا فیصلہ منظور نہ کرنے پر سنایا گیا۔

مگر علامہ ماوردیؒ جو اسلام کے نظامِ حکومت اور قوانینِ عدل کے ماہر امام گذرے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ زیرِ نظر مقدمہ میں اوّل دیا جانے والا فیصلہ ہی اصل قضا تھا، دوسرا فیصلہ بطورِ تعزیر تھا، جو توہینِ عدالت کا جرم کرنے کی بنا پر دیا گیا۔ (انعام الباری ۷/۶۴۰) اس معاملے میں یہ بات بھی راجح ہے کہ یہ تبصرہ کرنے والے شخص، صحابی رسول تھے، اس سلسلے میں ان سے بشری لغزش ہوگئ؛ مگر چوں کہ یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے، جب کہ ابھی احکام پورے طور پر واضح اور راسخ نہیں ہوئے تھے اور ابھی سورہ نساء کی آیت: ۶۵ بھی نازل نہیں ہوئی تھی، اس لئے اس غلطی کو کفر نہیں سمجھا گیا۔ (دیکھئے: انعام الباری ۷/۶۲۹)

۳۔ حضورِ اکرم ﷺ نے نہایت اہتمام کے ساتھ مفتوحہ علاقوں میں قضاۃ کا تقرر فرمایا تھا، چنانچہ فتحِ مکّہ کے بعد سیدنا عتّاب بن اسیدؓ کو مکہ شہر میں قاضی اور والی مقرر فرمایا، حضرت عمرو بن حزمؓ کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو قضا کے متعلق بہت ساری ہدایات ان کے لیے جاری فرمائی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یمن کے علاقہ میں آپ علیہ السلام نے متعدد صحابہ کرام کو الگ الگ حصوں میں یا یکے بعد دیگرے قاضی بنا کر روانہ فرمایا تھا، چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے علاوہ قضاۃِ یمن میں حضرت علیؓ اور حضرت دحیہ کلبیؓ کے نام بھی سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ (عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی: ۱۶۲۔ اسلامی عدالت: ۱۵۵۔۱۵۶)

اجماع سے ثبوت

خلفاءِ راشدین کی سنت، تعاملِ صحابہ اور اجماعِ امت سے بھی نظامِ قضا کا قائم کرنا

ضروری معلوم ہوتا ہے،خلفاء راشدین نے اورسلاطینِ اسلام نے ہر دور میں اس نظام کو بر قرار رکھا ہے ، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے سیدنا انس بن مالک ؓ کو بحرین کا قاضی مقرر فرمایا،حضرت عمرؓ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا، قاضی شریحؒ جنہیں حضرت عمرؓ نے کوفہ کے قاضی کے طور پر منتخب کیا تھا؛ حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو بحال رکھا ،قاضی شریح اسلامی تاریخ کے شاید وہ واحد قاضی ہیں جنہوں نے ۷۵ سال پر محیط طویل عرصے تک قضا کی خدمت انجام دی، ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے خوب لکھا:

> شریح ان مادرزاد قاضیوں میں سے ہیں جن کی تعداد تاریخِ عالم میں بھی بہت کم ہے۔(عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی:۱۷۰)

حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ رقمطراز ہیں:

> خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کی طرف سے اس عمل پر مواظبت اجماعِ عملی ہے؛ اِسی لیے حضرت عمرؓ نے (قضاء کو) فریضۂ محکمہ اور سنتِ متبعہ سے تعبیر کیا ہے، یعنی ایسا فریضہ جس میں نسخ کا احتمال نہیں۔(اسلامی عدالت ملخصاً: ۱۵۷)

قیاس سے ثبوت

یہ دنیا خیر وشر کی آماجگاہ ہے، یہی آب وگل کی گیتی انبیاء واولیاء کی محنتوں کا میدان ہے تو طاغوتی قوتوں کی جولان گاہ بھی یہی ہے،حق و باطل کی باہمی کشمکش کی رزمگاہ بھی یہی ہے، پھر انسان کی فطرت میں تقوے کے ساتھ ساتھ فجور کا مادّہ بھی شامل ہے ،جدل بھی انسانی خمیر کا حصہ ہے،منافست اور جلبِ منفعت ودفعِ مضرت کا ہنگامہ یہاں شب وروز چلتا رہتا ہے، اس کے علاوہ رائے کا اختلاف تو پارسا لوگوں کے درمیان بھی پایا جاتا ہے، ایسے

میں انسانی معاشرہ میں نزاع کے امکان؛ بلکہ وقوع کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے، چنانچہ آئے دن لڑائی جھگڑوں کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، کمزوروں پر طاقتوروں کا ظلم ہوتا رہتا ہے، ذاتی و شخصی وقومی مفادات کے لیے بسا اوقات انسان، بھیڑ اور درندہ صفت بن جاتا ہے، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ بھی شاید ان جھگڑوں سے خالی نہیں، نہ صرف حقوق العباد کی پامالی سے مسائل ونزاعات کھڑے ہوتے ہیں؛ بلکہ حقوق اللہ میں بے اعتدالی و پہلوتہی کی بنا پر بھی اکثر معرکۂ کارزار گرم رہتا ہے، اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے ایک بالا دست، باختیار اور باکمال ادارے کی ضرورت پڑتی ہے جو ان کے نزاعات کا تصفیہ کرے، حقوق کی حفاظت کرے، مظالم کا انسداد کرے اور عدل کو قائم کرے، یہی ادارہ محکمۂ قضا سے عبارت ہے اور اس ادرہ کو اپنے عادلانہ فیصلوں سے زینت بخشنے والا باوقار گروہ ''قضاۃ'' کہلاتا ہے۔

(۴) قضا کی اہمیت وضرورت

ادلۂ شرعیہ سے قضا کا ثبوت خاص طور پر قیاس وعقل کا تقاضا بذاتِ خود قضا کی اہمیت وضرورت پر دلالت کرتے ہیں، قضا کا یہ شعبہ مسلمانوں کی دینی زندگی کے لیے نہایت ہی ضروری ہے اور یہ دین کا ایسا لازمی حصہ ہے جس سے، کسی بھی عہد اور کسی بھی ملک میں جہاں مسلمان آباد ہیں غفلت نہیں برتی جا سکتی، یہی وجہ ہے کہ شروع زمانے سے بالعموم اہلِ اسلام کے ذہنوں میں اس کی اہمیت رچی بسی ہوئی تھی، عہدِ خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں کے عہدِ ملوکیت میں بھی محکمۂ قضا کا قیام ذمہ دارانہ طور پر برابر ہوتا رہا اور مسلمانوں کی حکومت میں اس وقت بھی جب اسلامی حکومت کی خصوصیات کی جگہ عجمی ملوکیت کے شِعار کا قبضہ ہو گیا تھا، اس کو فریضۂ محکمہ کی حیثیت حاصل رہی، اِسی کا اثر تھا کہ سلطنتِ مغلیہ کی آخری یادگار شاہ عالم نے جب معاہدہ کیا تھا تو اس میں ''محکمۂ قضا'' کے متعلق یہ اطمینان کرلیا تھا کہ مسلمانوں کے باہمی معاملات مثلاً نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ یعنی دیوانی مقدمات کے لئے محکمۂ قضا قائم رہے گا اور مسلمان قاضیوں کا تقرّر انگریز پر لازم ہوگا۔ (آدابِ قضا ملخصاً از مولانا عبد الصمد رحمانی، ص: ۲۲)

معاشرتی مسائل میں خاص طور پر اس شعبہ کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ،قضاء قاضی نہ ہوتو بعض مسائل میں نکاح و سِفاح باہم خلط ملط ہو جاتے ہیں، فسخِ نکاح کی بہت ساری صورتیں ایسی ہیں جن میں مسلم قاضی کا فیصلۂ تفریق ضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر نکاح ختم نہیں ہوتا ، بہت سارے غیر مسلم ممالک میں صورتحال یہ ہے کہ مسلمان عورت غیر مسلم عدالت میں ظالم شوہر کے خلاف مقدمہ دائر کر کے فسخِ نکاح کی ڈگری حاصل کر لیتی ہے، پھر کسی اور مرد سے نکاح کر کے باقی زندگی گزارتی ہے، جبکہ از روئے شرع یہ بعد والا نکاح: نکاح نہیں ؛ بلکہ زنا اور سِفاح ہے، اس طرح کے معاملہ میں وہ عورت بدستور اس ظالم شوہر کے نکاح میں رہتی ہے؛ تا آنکہ کوئی مسلمان قاضی اس نکاح کو فسخ نہ کرا دے، ان جیسے مسائل و معاملات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قضا کی اہمیت و ضرورت ہر دور میں ہر جگہ ہر مسلمان کے حق میں باقی ہے۔

(۵) قاضی کے لیے درکار شرائط و ہدایات

قاضی کے لیے درکار شرائط کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے:

(۱) شرائطِ جواز (۲) شرائطِ کمال

شرائطِ جواز کم و بیش آٹھ ہیں، ان شرائط کے بغیر کوئی شخص منصبِ قضا کا اہل نہیں ہوتا،

الف: عاقل ہو۔ **ب:** بالغ ہو۔

ج: مسلمان ہو۔ **د:** آزاد ہو۔

ہ: بینا ہو۔ **و:** بولنے والا ہو۔

ز: سننے والا ہو۔ **ح:** حدِّ قذف میں سزا یافتہ نہ ہو۔

اور شرائطِ کمال بیان کرتے ہوئے صاحبِ بدائع نے چھ شمار کرائے ہیں، ویسے علم و اخلاق اور فہم و مروت سے متعلق جس قدر خوبیاں کسی قاضی میں زیادہ موجود ہوں گی، اس کی خدمات اتنی ہی اعلیٰ ہوں گی، چھ شرائط ملاحظہ ہوں:

الف : احکامِ شرع کا پختہ استعداد عالم ہو؛ بلکہ رتبۂ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو۔

ب: لوگوں کے عرف وعادات اوران کے رہن سہن کے طور طریق سے واقف ہو۔

ج : عادل ہو۔

د : متقی و پرہیز گار ہو۔

ہ : پاکدامن ہو داغ دار نہ ہو۔

و : لالچی مزاج نہ ہو۔ (بدائع الصنائع: کتاب آداب القاضی، ۷ / ۳)

جہاں تک قاضی کے لیے عمومی ہدایات کا تعلق ہے تو ان کا کوئی حد وحساب نہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامِ عدل جو کہ مقصدِ قضا ہے، اس میں جو جو چیزیں حارج اور مخل بن سکتی ہیں، ان سے احتراز کرنا قاضی کی ذمہ داری ہے، ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے عدالت کا وقار مجروح ہوتا ہو، ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرے جس سے جانبداری کا شبہ پیدا ہوتا ہو، ایسا کوئی اقدام نہ کرے جس سے اس کے ذاتی مفادات کے پنپنے کی راہ بنتی ہو، چنانچہ قاضی ہدایا اور تحائف قبول کرنے کے معاملہ میں محتاط رہے، کسی کی دعوت قبول کرنے یا کسی کی دعوت کرنے کے سلسلہ میں بھی احتیاطی حدود کو مدِّ نظر رکھے، عیادت کرنا مسلمان کا حق ہے، یہ خیال کر کے فریقِ مقدمہ کے پاس نہ جائے، عدالتی کاروائی میں شریف ورذیل، امیر وغریب کے درمیان تفریق نہ کرے، زبان کو خوب قابو میں رکھے، متانت اور وقار کو قدم قدم پر ملحوظ رکھے، یہ احساس ہر دم دل و دماغ میں تازہ رکھے کہ ایک بڑی عدالت میں خود اپنی پیشی بھی ہونی ہے اور وہاں اپنا حساب کتاب بھی ہونا ہے۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: دنیا کے قاضی کے لیے، قیامت کے دن آسمان کے قاضی کے حضور میں بڑی ہلاکت کا سامنا ہوگا؛ لیکن وہ قاضی محفوظ رہے گا جس نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا ہوگا اور جس نے اپنی خواہشِ نفس، رشتہ داری اور لالچ اور خوف سے اپنے فیصلہ کو ملوث نہیں کیا ہوگا اور اپنی آنکھوں کے سامنے کتاب اللہ کو آئینہ بنا کر رکھا ہوگا۔ (اعلام الموقعین: باب ماجاء من الوعید والتخویف فی القاضی والمفتی ۱ / ۳۷)

(۶) ہندوستان جیسے ممالک میں نظامِ قضا کا قیام

وہ ممالک جو دارالاسلام کے حکم میں ہیں وہاں تو نظامِ قضا کا قیام مسلمانوں کے والئی مسلم سے وابستہ ہے، وہی قضاۃ کا تقرر کرتا ہے، جس طرح کے اب تک کی اسلامی تاریخ کی روایت رہی ہے اور الحمدللہ ہزار ہا خرابیوں کے باوجود اسلامی ممالک میں اب تک یہ نظام قائم ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لائی ہوئی شریعت ہی ان کا دستورِ ریاست ہے اور ملکی عدالتیں اسی کے زیرِ سایہ کام کرتی ہیں۔

ہندوستان جیسے غیر مسلم ممالک جہاں مسلمانوں کا کوئی والی و حاکم نہ ہو اور جہاں اقتدارِ اعلیٰ غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو، عام اس سے کہ ریاست کا کوئی مذہب نہ ہو یا اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کو انہوں نے ریاستی مذہب کی حیثیت سے ڈکلیر کر دیا ہو، اس قسم کے ممالک میں مسلم اقلیتوں کے لئے قیامِ قضا کے سلسلہ میں بڑی رکاوٹیں پائی جاتی ہیں، سوال یہ ہے کہ ان جیسے ممالک میں قیامِ قضا کے تعلق سے مسلم باشندوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

اس سلسلہ میں درجہ بہ درجہ تین حل یا تین صورتیں ہیں:

الف: ترجیحی صورت یہ کہ ان ممالک میں بسنے والے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اوّل وہ خود حکومت سے مطالبہ کریں کہ وہ کسی ایسے شخص کو مسلمانوں کا والی متعین کر دے جس میں امیر ہونے کی شرطیں پائی جاتی ہوں اور وہ والی مسلمانوں کے لئے قاضی کا تقرر کرے اور اُن مذہبی امور کو انجام دے جن کا تعلق سلطان سے ہے۔

بزازیہ میں ہے: جن شہروں پر کفار مسلط ہوں تو وہاں جمعہ اور عیدین کا قائم کرنا جائز ہے اور وہاں مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی عہدۂ قضا پر فائز ہو سکتا ہے، نیز وہاں مسلمانوں پر واجب ہے کہ کسی مسلمان کو امیر بنانے کا مطالبہ کریں۔ (فتاوی بزازیہ ۶/۳۱۱ بحوالہ جدید فقہی مسائل ۶/۲۶۶)

علامہ تمرتاشیؒ فرماتے ہیں:

قاضئ مسلم کا تقرّر، عادل بادشاہ کی طرف سے بھی جائز ہے اور ظالم بادشاہ کی

طرف سے بھی؛ بلکہ کافر بادشاہ کی طرف سے بھی۔

(وَيَجُوزُ تَقَلُّدُ الْقَضَاءِ مِنَ السُّلْطَانِ الْعَادِلِ وَالْجَائِرِ) وَلَوْ كَافِرًا (تنویر الأبصار مع الدر والرد ۵/۳۶۸)

ماضی میں علمائے ہند کی جانب سے اس طرح کی کوششیں ہوئی ہیں اور حکومتِ وقت سے اس تعلق سے مطالبات بھی کیے گئے ؛ مگر اس میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

۱۹۳۷ء میں جب مرکزی مجلس قانون ساز کے مسلم اراکین کی تحریک اور کوششوں سے شریعت ایکٹ منظور ہوا، جس کی رو سے قانوناً یہ تسلیم کرلیا گیا کہ وراثت، نکاح، فسخِ نکاح بشمول طلاق، ایلاء، لعان، خلع، مبارات، نفقہ، مہر، ثبوتِ نسب، امانت، جائیداد، حقِ شفعہ، ہبہ اور اوقاف کے معاملات میں مسلمان لازمی طور پر مسلم پرسنل لاء کے تابع ہوں گے، (یعنی دو ایسے فریق جو مسلمان ہوں اور ان معاملات میں سے اپنے کسی معاملہ کو عدالت میں لے جائیں تو عدالت مسلم پرسنل لا کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابندی ہوگی) اس ایکٹ کے منظور ہونے کے بعد اِس امر کی منظوری بھی ضروری تھی کہ مسلمانوں کے عائلی اور معاشرتی نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لیے منجانب حکومت مسلم قاضیوں کا تقرر ہو؛ کیوں کہ غیر مسلم جج کا فیصلہ خواہ اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو شرعاً نافذ العمل نہیں ہوتا؛ لہذا اگر ایک غیر مسلم جج، خالص شریعتِ اسلامی کے مطابق ایک مسلمان عورت کا نکاح فسخ کرتا ہے تو شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوتا اور وہ عورت دوسرا نکاح کرنے کی مجاز نہیں ہوتی، شریعت ایکٹ مسلمانوں کے لئے اس وقت کار آمد و مفید ہوسکتا تھا جب کہ مسلمانوں کے عائلی مقدمات کے فیصلے اور شریعت ایکٹ کے نفاذ کے لئے ہر علاقہ میں مسلمان قاضی مقرر کئے جائیں، چنانچہ علمائے امت نے اس سمت بھی اپنی کوششوں کا آغاز کر دیا، ۱۹۳۷ء ۱۹۳۸ء کے آس پاس ہی مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے ''انفساخِ نکاح مسلم بِل'' کے نام سے ایک قانونی مسودہ مرتب کیا، تمام علماء اور قانون دانوں سے اس پر رائے لی اور جمعیۃ علماءِ ہند کے پلیٹ فارم سے یہ قرارداد منظور کرالی کہ حکومت اسے قبول کرلے اور مسلمانوں کے پرسنل مقدمات کے لئے

علاحدہ قاضی کا تقرر کرے؛ مگر حکومت نے اسے منظور نہیں کیا ،اس کے بعد پھر ۱۹۳۹ء میں مولانا سجاد ہی نے ''نظارتِ امورِ شرعیہ بِل'' پیش کیا،جس کا حاصل یہ تھا کہ ہر ریاست میں ایک ''ناظر امورِ شرعیہ'' حکومت کی طرف سے مقرر رہو، وہ اوقاف کا ذمہ دار بھی ہو اور مسلمانوں کے لیے قاضیوں کا تقرر کرے ، مگر اس کو بھی حکومت نے قبول نہیں کیا ،اس کے علاوہ بھی جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے '' کاظمی بِل'' اور '' قاضی بِل'' مرتب ہوا؛ مگر برطانوی حکومت کسی طرح بھی اس موقف کی بحالی پر آمادہ نہیں ہوئی اور وہی برطانوی قانون آج تک ہمارے آزاد دیش کی جمہوری حکومت کے لیے لائحہ عمل ہے۔(جدید فقہی مسائل ۳/ ۲۲۵)

کاظمی بل: غیر مسلم ممالک میں، فسخِ نکاح کے مسئلہ کے شرعی وقانونی حل کی کوششوں کے پسِ منظر میں،اس وقت کے مرکزی اسمبلی کے ممبر جناب سید احمد کاظمی نے جمعیۃ علمائے ہند کی تحریک وتجویز پر یہ مسودہ لگ بھگ ۱۹۳۰ء ۱۹۴۰ء کے درمیان تیار کیا تھا۔

قاضی بل: ۱۸۸۰ء میں مدراس میں برطانوی پارلیمنٹ میں یہ بل منظور ہوا تھا؛لیکن یہ صرف ایک بے روح ایکٹ تھا،جس میں قاضیوں کو نزاعات میں فیصلوں کا اختیار نہیں دیا گیا تھا؛ بلکہ یہ قاضی صرف نکاح خوانی کا اختیار رکھتے تھے، جمعیۃ علمائے ہند نے ۱۹۴۰ ۱۹۴۱ء ۱۹۴۲ء میں بعض مسلم ممبرانِ اسمبلی کے ذریعے لگاتار یہ کوشش کرتی رہی کہ مجوزہ قاضی ایکٹ میں ترمیم ہو،جس کے نتیجہ میں،ایسے مسلمان قاضیوں کا تقرّر ممکن ہوسکے جو مسلم پرسنل لاء سے متعلق نزاعات ومقدمات میں بھی فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہوں،اس سلسلے کی شاید سب سے کامیاب کوشش،فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ نے کی تھی،۱۹۸۹ء میں جس وقت آپ ممبر آف پارلیمنٹ تھے،آپ نے راجیہ سبھا میں 'قاضی ترمیمی بل' پیش کیا تھا؛لیکن اللہ کی تقدیر کہ اس وقت بھی وہ بِل پاس نہ ہوسکا (امارتِ شرعیہ ہند ومحاکمِ شرعیہ کا تعارف اور مختصر تاریخ ازمفتی انعام الحق صاحب)

(ب): درمیانی صورت یہ ہے کہ اگر حکومت اس مطالبہ کو قبول نہ کرے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خود کسی امیر پر متفق ہوجائیں اور وہ قاضی کا تقرر کرے۔

عمدۃ المتاخرین علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

واما بلاد علیها ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیادو یصیر القاضی قاضیا بتراض المسلمین فیجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلما منهم۔

(ردالمحتار ۸ / ۴۳ بحوالہ جدید فقہی مسائل ۶ / ۲۶۷)

یعنی جن شہروں میں غیر مسلم حکمران ہوں تو وہاں بھی مسلمانوں کے لیے جمعہ و عیدین قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی، قاضی قرار پائے گا؛ لہٰذا ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہی میں سے کسی مسلمان والی کو منتخب کرلیں۔

چنانچہ برطانوی حکومت کے آغاز کے ساتھ ہی علماء نے اس طرح کی کوششوں کو شروع کیا، حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے عہدِ امارت میں حضرت مولانا عبدالحی بڈھانویؒ کو اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو اپنے محدود حلقۂ امارات میں قاضی نامزد کیا، اس سلسلہ کی (ایک نمایاں) کڑی مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالمحاسن محمد سجادؒ ہیں، انھوں نے اس عہد میں ملک گیر سطح پر ”نظامِ قضاء“ کے قیام کی کوشش کی، تمام بزرگوں نے ان کی تائید کی اور صوبۂ بہار میں انھوں نے اس کی عملی مثال بھی قائم فرمادی۔ (جدید فقہی مسائل ۶ / ۲۷۷)

جمعیۃ علمائے ہند نے بھی ۱۹۲۰ء کے دہلی کے اجلاس میں، جس میں حضرت شیخ الہند کا خطبۂ صدارت پیش کیا گیا تھا، امارت فی الہند کی تجویز منظور کرلی تھی، پھر ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ علمائے ہند کی جانب سے اس ”امارت کے فرائض واختیارات“ تیار کرنے کی تجویز بھی منظور ہوئی، ۱۹۲۷ء علامہ انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ کے زیرِ صدارت آٹھویں اجلاس میں ملک بھر میں محاکمِ قضا کے لئے تجویز منظور ہوئی، آزادی سے قبل اور بعد بھی جمعیۃ علمائے ہند نے ملتِ اسلامیہ کے دیگر اہم اور ترجیحی سیاسی وسماجی مسائل کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں بھی بدستور اپنی پیش رفت کو جاری رکھا؛ تا آنکہ ۱۹۸۶ء فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کی

غیر معمولی فکروں اور کوششوں سے ملکی سطح پر باضابطہ امارتِ شرعیہ ہند کا قیام عمل میں آیا اور محدثِ کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمہ اللہ ، امیر الہند اول مقرر ہوئے ، پھر بہت جلد آپ کی امارت میں نہ صرف ملک کے مختلف صوبوں میں امرائے شریعت کا تقرر عمل میں آیا ؛ بلکہ جگہ جگہ محاکمِ شرعیہ بھی قائم کئے گئے ، یہ سلسلہ یوں ہی وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ تقریباً ملک کی ہر مسلم آبادی میں یہ ادارے اپنے فرائضِ قضاء کو بہت ہی منظم انداز سے انجام دے رہے ہیں ۔ (دیکھئے : امارتِ شرعیہ ہند و محاکمِ شرعیہ کا تعارف اور مختصر تاریخ از مفتی انعام الحق صاحب)

(ج) : ادنیٰ صورت یہ ہے کہ اگر مسلمان باہمی اختلاف کی وجہ سے کسی امیر کو منتخب کرنے میں کامیاب نہ ہوں تو پھر براہِ راست قاضی کا انتخاب کرلیں ، چنانچہ ۱۹۲۶ء میں اکابر جمعیۃ علمائے ہند میں سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ، حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمہما اللہ نے بھی اپنے سالانہ ساتویں اجلاس کلکتہ میں ہندوستانی مسلمانوں کو رہنمائی کی تھی کہ جب تک آئینی طور پر قضا کا نظام قائم نہیں ہوجاتا ؛ تب تک مسلمان (عبوری طور پر) اپنے شہروں اور قصبوں میں جمع ہوکر اجتماعی طور پر کسی معتمد اور دیندار عالمِ دین کو اپنا قاضی منتخب کرلیں (امارتِ شرعیہ ہند و محاکمِ شرعیہ کا تعارف اور مختصر تاریخ از مفتی انعام الحق صاحب)

واضح رہے کہ انتخاب مسلمانوں کے اربابِ حلّ وعقد کا معتبر ہوگا جو عادل اور صائب الرائے ہونے کے ساتھ اس بات کا بھی علم رکھتے ہوں کہ منصبِ قضا کے لیے کون زیادہ موزون ہے؟

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں :

حتی لو اجتمع اھل بلدۃ علی تولیۃ واحد القضاء لم یصح بخلاف ما لو ولّوا سلطانا بعد موت سلطانھم ۔۔۔ قلت و ھذا لا ضرورۃ والا فلھم تولیۃ القاضی ایضا ۔ (ردالمحتار ۴ / ۴۲۷ ہندوستان اور مسئلہ امارات ، ص : ۷۰ تا ۸۲ ۔ ہندوستان اور نظامِ قضا ، ص : ۷۰)

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جن فقہی عبارتوں سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ المسلمین یا اربابِ حل وعقد کی جانب سے نصبِ قاضی کا کوئی اعتبار نہیں، تو وہ دار الاسلام کے پس منظر میں ہے، جہاں مسلمانوں کا خلیفہ یا سلطان موجود رہتا ہے، اس صورت میں نصبِ قاضی، خلیفہ یا سلطان کا کام ہے، عامۃ المسلمین کو اس کا اختیار نہیں لیکن جو ملک دار الاسلام نہیں، وہاں فقہائے کرام کی صاف صریح عبارتیں اس مضمون کی ملتی ہیں کہ **ویصیر القاضی قاضیا بتراض المسلمین** لہٰذا فقہائے کرام کے فتاویٰ کے مواقع ومحل کو مدنظر رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ (ہندوستان اور نظام قضاء ملخصا)

(۷) قوتِ نافذہ کی فقہی حیثیت

قاضی کے لئے ''قوتِ نافذہ'' کا ہونا ضروری ہے بھی یا نہیں؟ اس کا مدار اس پر ہے کہ بحیثیتِ قاضی، قاضی کا فرضِ منصبی کیا ہے؟ بالفاظِ دیگر قاضی کے پاس عدالت میں جب مقدمات آئیں تو اس کا کام صرف فیصلہ سنا دینا ہے یا اس فیصلے کو بزورِ طاقت نافذ کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے؟ یہ صحیح ہے کہ قضاء کی حقیقی شان اور قیام دار القضاء کا اصل فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ قاضی کا کیا ہوا ہر فیصلہ نافذ العمل ہو، حضرت عمرؓ نے بھی اپنے تاریخی ہدایت نامہ ''**کتاب سیاسۃ القضاء وتدبیر الحکم**'' میں غالباً اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر آپ کے پاس کوئی مقدمہ آئے تو غور وفکر کے بعد پوری طرح سمجھ کر فیصلہ کیجئے اور اس کی تعمیل کروائیے، بغیر تعمیل کے اچھے سے اچھا فیصلہ بھی بے کار ہے (عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی، ص: ۱۷۳) لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا علاقہ جہاں مسلمانوں کے پاس تنفیذ کا ادارہ نہیں اور وہ غیر اسلامی قوانین کے سایہ میں جی رہے ہوں، وہاں مسلمانوں نے باہمی رضامندی سے کسی کو اپنا امیر یا قاضی مقرر کرلیا ہو اور اپنا دینی فریضہ جان کر اس کی اطاعت اور اس کے فیصلوں کو ماننے کا عہد کیا ہو، کیا اس صورت میں بھی امیر یا قاضی کے پاس الگ سے قوتِ نافذہ کا ہونا ضروری رہے گا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یوں بھی قاضی کے لیے ''قوتِ نافذہ'' کا ہونا کوئی ضروری اور لازمی چیز نہیں، تنفیذ کا کام شہری انتظامیہ یا محکمۂ فوجداری کا ہے، قاضی کے

فرائضِ منصبی میں یہ چیزیں داخل نہیں ہیں، قاضی کا کام محض انشاءِ حکم ہے نہ کہ تنفیذِ حکم، جیسے مہر ونفقہ یا شفعہ سے متعلق کوئی مقدمہ پیش ہوا تو قاضی نے لزومِ مہر ونفقہ یا حقِ شفعہ کے ثبوت کا فیصلہ سنا دیا، اس پر قاضی کی ذمہ داری پوری ہوگئی، باقی بیوی کو شوہر سے مہر و نفقہ دلانا یا شفیع کو حقِ شفعہ دلانا، قاضی کے فرضِ منصبی سے ایک زائد چیز ہے،

قاضی علاء الدین حنفی طرابلسیؒ صاف طور پر لکھتے ہیں:

فالحاكم من حيث هو حاكم ليس له الاالانشاء واما قوة التنفيذ فامر زائد على كونه حاكما. (معين الحكام، ص: ۵۹-۶۰)

قاضی کا فریضہ بحیثیتِ قاضی صرف انشاءِ حکم ہے، قوتِ تنفیذ فریضۂ قضا سے زائد امر ہے۔

علامہ قرافی مالکیؒ فرماتے ہیں:

حقيقة الحكم انشاء اطلاق او الزام فالالزام كما اذا حكم بلزوم الصداق اوالنفقه اوالشفعة ونحو ذلك فالحكم بالالزام هوالحكم واما الالزام الحسى من الترسيم والحبس فليس بحكم لان الحاكم قد يعجز عن ذلك وقد يكون الحكم ايضا بعدم الالزام۔ (تبصرة الحكام ۱/۸)

قضا کی حقیقت چھوڑنے یا لازم کرنے کا انشاء (فیصلہ سنانا) ہے، الزام کی مثال، مہر یا نفقہ یا شفعہ کے لازم ہونے کا فیصلہ کرنا ہے، لازم کرنے کا فیصلہ ہی دراصل حکم (قضا) ہے، رہا الزامِ حسی جیسے کسی کو نظر بند کرنا اور قید کرنا تو یہ حقیقۃً حکم (قضا) نہیں ہے؛ کیوں کہ قاضی کبھی الزامِ حسی سے عاجز ہوتا ہے اور کبھی فیصلہ ہی عدمِ الزام کا ہوتا ہے۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہوگیا کہ قوتِ تنفیذ، قاضی کی جوہریت میں یوں بھی داخل نہیں، دارالکفر اور دارالامن کی صورتحال تو اور بھی زیادہ مختلف ہوتی ہے، وہاں اس قوت کا

ہونا قاضی کے لیے کیسے ضروری قرار دیا جا سکتا ہے؟

مولانا عبد الصمد رحمانیؒ لکھتے ہیں:

امیر کے لیے فقہاء نے اگر ”قوتِ قاہرہ“ شرط ٹھہرایا ہے اگر چہ میری معلومات سے یہ بھی بالاتر چیز ہے تو اس سے مراد غیر اسلامی سلطنت کا امیر نہیں ہو سکتا؛ بلکہ اسلامی سلطنت کا، جو اپنے پاس عسکری طاقت اور اپنی حکومت رکھتا ہے۔ (ہندوستان اور مسئلہ امارات: ۱۲۰)

مفتی شبیر احمد قاسمی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

قضا کی دو قسمیں ہیں: (۱) قضاء قہری (۲) قضاء ارادی

قضاء قہری کے لیے قوتِ تنفیذ شرط ہوتی ہے اور قضاء ارادی کے لئے قوتِ تنفیذ شرط نہیں ہوتی؛ لہٰذا ہندوستان جیسے غیر اسلامی ممالک میں قضاء قہری کا قیام تو نہیں ہو سکتا؛ مگر قضاء ارادی کا قیام ہو سکتا ہے..... نکاح، طلاق، فسخ و تفریق وغیرہ امور کے نافذ کرنے کے لیے قضاء قہری شرط نہیں؛ بلکہ قضاء ارادی سے بھی ان امور کا فیصلہ ہو سکتا ہے اور فیصلہ کے بعد فسخ و تفریق کا نفاذ بھی ہو سکتا ہے۔ (نظامِ قضا کی ضرورت: ۱۸/۱۹)

(۸) دار القضاء اور محکمۂ شرعیہ میں فرق

قاضی کے لیے قوتِ نافذہ کے ضروری ہونے نہ ہونے ہی کے نظریہ پر غیر اسلامی ممالک میں شرعی عدالتوں کے یہ دو تصورات معرضِ وجود میں آئے ہیں جو حضرات قاضی کے لئے قوتِ نافذہ کی شرط کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں، ان کے مطابق نظامِ قضا کا جو تصور دار الاسلام میں پایا جاتا ہے وہی تصور دار الاسلام کے علاوہ میں بھی ممکن ہے؛ لہٰذا ان کے نزدیک یہ شرعی عدالتیں دار القضا ہیں اور وہاں کے منصف، شرعی قاضی ہیں، قاضی ابو المحاسن محمد سجادؒ، مولانا منت اللہ رحمانیؒ، مولانا عبد الصمد رحمانیؒ اور امارتِ بہار اور اُڑیسہ کی بِنا رکھنے والے علماء اسی کے قائل ہیں۔

اور جو حضرات قوتِ نافذہ کے بغیر قاضی کے تصور کو تسلیم نہیں کرتے اُن حضرات نے جماعت المسلمین یا محکمۂ شرعیہ کا تصور پیش کیا اور یہ تصور دراصل فقہِ مالکیؒ سے ماخوذ ہے، جو انھوں نے نظامِ قضا کے متبادل کے طور پر قبول کیا تھا، مالکیہ کے یہاں اِس کا تصور یہ ہے کہ یہ وقتی طور پر چند افراد کی ایک جماعت ہوگی جو کسی پیش آمدہ مقدمہ کا فیصلہ کردے اور اس کے بعد یہ مجلس ختم ہوجائے گی، اس جماعت کی حیثیت مستقل جماعت کی نہ ہوگی کہ ہمیشہ اس کے پاس معاملہ لایا جائے اور وہ قاضی کی طرح مقدمات کی سماعت اور فیصلے کرے، یہ جماعت کم ازکم تین آدمیوں پر مشتمل ہوگی، جماعت کے تمام ارکان کا عادل ہونا شرط ہوگا، فیصلہ میں علماء کی شرکت وشمولیت لازمی ہوگی اور فیصلہ جماعت المسلمین (شرعی پنچایت) کے سب ارکان کی اتفاقِ رائے سے ہوگا، اگر ارکان میں اختلاف رہے تو مقدمہ خارج کردیا جائے گا، اکابرین جمعیت علمائے ہند اور حضراتِ علمائے دیوبند کا عموماً یہی موقف رہا ہے۔

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی نے اپنی تحریرات میں، دارالقضاء اور محکمہ شرعیہ کے درمیان فرق کی بناء یہی بیان فرمائی ہے۔(جدید فقہی مسائل ۶/۲۷۸) واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلے کے رسائل وفتاویٰ دیکھنے سے حضرت مدظلہم کی بیان کردہ تحقیق کی تائید بھی ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے دارالقضاء اور محکمہ شرعیہ کے تصور کے درمیان فرق کی اصل بناء یہ بتائی ہے کہ آیا براہِ راست تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا تقرر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب اوران کے ہم خیال علماء کا موقف یہ تھا کہ براہِ راست تراضیٔ مسلمین سے بھی قاضی کا تقرر ہوسکتا ہے، چنانچہ غیر مسلم ممالک میں اگر وہاں کی حکومت، مسلمانوں کے مطالبہ پر بھی قاضیٔ مسلم کا تقرر نہ کرے، اور نہ ہی مسلمان ابھی تک اپنے طور پر کسی امیر پر متفق ہوکر قضاۃ کا تقرر کرسکے تو ایسی صورت میں مسلمان باہمی رضامندی سے براہِ راست قاضی مقرر کرسکتے ہیں، مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے جزءدوم ''تفریق بین الزوجین بحکم حاکم'' والی مبحث پر یہی

اشکال فرمایا تھا کہ: دارالکفر میں قضاء بین المسلمین کی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے فقہائے حنفیہ نے جو صورت تجویز فرمائی ہیں، وہ نہ معلوم کیوں اِس رسالے میں مذکور نہ ہوئیں یعنی **یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین** اور **ان یتفقوا علی واحد یجعلونه والیا فیولی قاضیا** اور جب یہ صورت موجود ہے تو پنچایت کی صورت اختیار کرنا بلا ضرورت، مسئلہ غیر کا اختیار کرنا ہوگا۔ (الحیلۃ الناجزہ: آراء حضرات علمائے بہار: ۳۱۶) جبکہ حضراتِ اکابر علمائے دیوبند کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ براہِ راست تراضی مسلمین سے قاضی کا تقرر نہیں ہوسکتا، الحیلۃ الناجزہ میں شامل ''رسالہ رفاق المجتہدین'' میں ہے کہ: تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا تقرر درست نہیں، چنانچہ شامیؒ نے بزازیہ سے نقل کیا ہے: **لو اجتمع اهل بلدة علی تولیة واحد القضاء لم یصح** اور علامہ شامیؒ نے جو اس کے بعد فرمایا ہے: **قلت وهذا حیث لا ضرورة والا فلهم تولیة القاضی ایضا کما یاتی بعده**۔ اس میں اول تو سخت اشکال یہ ہے کہ عبارت آئندہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے، اس میں **یجعلونه والیا فیولی قاضیا** ہے اور براہِ راست عامّہ کی طرف سے تقرر قاضی کا اس میں کوئی ذکر ہی نہیں، پس مدعا ثابت نہ ہوا، دوسری یہ عرض ہے کہ جس ملک میں تراضیٔ مسلمین سے قاضی کو قوت وشوکت حاصل ہوجائے، وہاں تو کچھ گنجائش بھی ہوسکتی ہے؛ مگر اس ملک میں تقررِ عامّہ سے کچھ کام نہیں چل سکتا، بلکہ ایک اختلافِ جدید کا وسیع باب کھل جائے گا، اس لئے اس کو صحیح کہنا قرینِ قیاس نہیں، آگے لکھتے ہیں کہ: نوع اول یعنی ''**یجعلونه والیا فیولی قاضیا**'' کا وقوع تو ہمارے دیار میں نہایت ہی بعید ہے اور نوعِ دوم (یعنی تراضی مسلمین سے قاضی کا تقرّر تو اس) کا ناکافی ہونا ابھی گذر چکا، اور نوعِ سوم یعنی'' **ولی الکافر علیهم ورضیه المسلمون**''، ممکن ہے، لیکن سالہا سال سے برابر سعی جاری ہے مگر ہنوز روزِ اول ہے۔ (الحیلۃ الناجزہ: ۲۲۷) ۱۹۸۶ء میں جمعیۃ علمائے ہند نے ملکی سطح پر باضابطہ امارتِ شرعیہ کے قیام کا اعلان کیا اور امیر الہند کی حیثیت سے محدثِ کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ کا انتخاب عمل میں آیا، اِس طرح ۱۹۲۰ء میں ''امارت فی الہند'' کی جو تجویز

منظور ہوئی تھی، ۱۹۸۶ء میں عملی طور پر اس کا نفاذ عمل میں آیا، پھر اس امارتِ ارادی کے توسط سے قضاۃ کا تقرر بھی شروع ہو گیا۔

مفتی شبیر احمد قاسمی دامت برکاتہم نے دار القضاء یا نظامِ قضاء کے بجائے محکمہ شرعیہ کی شکل اختیار کرنے کی ایک توجیہ یہ بیان فرمائی ہے کہ: الحیلۃ الناجزہ میں دو شئ الگ الگ ہیں الف: جماعت المسلمین (شرعی پنچایت) اور قاضی مسلم، ب: وہ مسائل جن میں مسلکِ حنفی پر عمل کرنا دشوار ہے، اب اگر ان مسائل کو مالکیہ سے لیا جائے اور نظامِ قضاء کو حنفیہ، تو تلفیق کی دوسری قسم لازم آتی ہے (دو عمل جدا گانہ ہوں اور ان میں تلفیق کی جائے مثلاً کوئی ربع سر سے کم کا مسح کرے اور فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے تو وضو مذہبِ شافعیہ پر ہوا اور نماز حنفیہ کے مذہب پر، لیکن وضو اور نماز دونوں الگ الگ عمل ہیں) یہ تلفیق اگر چہ جائز ہے؛ لیکن مستحسن نہیں ہے، اس لئے دونوں چیزوں کو مالکیہ سے لے کر الحیلۃ الناجزہ کی تالیف کی گئی ہے۔۔۔ تو معلوم ہوا کہ تلفیق کی دوسری قسم سے بچنے کے لیے مذکورہ مسائل کے ساتھ ساتھ قاضی کے بجائے جماعت مسلمین (شرعی پنچایت) کو اختیار فرمایا ہے (نظام قضاء کی ضرورت، ص: ۷، ۸)

بہر حال ماضی میں دار القضا اور محکمۂ شرعیہ کے مابین فرق کی جو بھی نظریاتی وجہ رہی ہو؛ اب موجودہ صورتحال یہ ہے کہ دار القضاء اور محکمۂ شرعیہ کے درمیان کچھ زیادہ فرق نہ رہا سوائے اس کے کہ دار القضاء میں قاضی تنہا فیصلے کرتا ہے؛ البتہ عند الضرورت اہلِ علم سے مشاورت بھی کر لیتا ہے، جب کہ محکمۂ شرعیہ میں فیصلہ کے لیے تمام ارکان کا اتفاق ضروری ہوتا ہے۔

(۹) قاضی اور مفتی یا قضا اور افتاء کے درمیان فرق

(۱) فتوی میں اظہارِ حکم ہوتا ہے، مفتی اپنے فتوی کے ذریعہ حکمِ شرعی کو ظاہر کرتا ہے کہ امرِ مسئول واجب ہے یا مستحب، جائز ہے یا ناجائز، حرام ہے یا مکروہ؟ جبکہ قضا میں الزامِ حکم ہوتا ہے، دار الاسلام کے قاضی کے پاس اپنے فیصلہ کو نافذ کرنے کے لئے قوتِ قہریہ ہوتی ہے، اس فرق کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے کہ: **القاضی مجبر و المفتی مخبر**

(۲) فتوی: مستفتی کے سوال کے مطابق ہوتا ہے، حقیقتِ واقعہ کی تحقیق مفتی کی

ذمہ داری نہیں ہوتی، جبکہ قاضی کے لئے حقیقتِ واقعہ تک پہنچنا ضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر فیصلہ کرنا اس کے لئے جائز نہیں رہتا۔

(۳) فتوی کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، اور قضا کا دائرہ محدود ہوتا ہے، فتوی براہِ راست اعتقادیات وعبادات وغیرہ سب میں جاری ہوتا ہے نیز واجبات ومندوبات اور محرمات و مکروہات کو بھی فتوی میں زیرِ بحث لایا جاتا ہے، جبکہ قضا کا تعلق زیادہ تر دیوانی اور فوجداری مقدمات سے ہوتا ہے، اعتقادیات وعبادات سے کبھی کبھار ضمناً بحث ہوجاتی ہے، نیز چوں کہ مندوبات میں ترغیبِ فعل اور مکروہات میں ترغیبِ ترکِ فعل ہوتی ہے اور اِدھر قضا کی ماہیت میں الزام کے معنیٰ پائے جاتے ہیں؛ اس لئے قضا کا مندوبات ومکروہات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۴) مفتی: اللہ کو جوابدہ اور گویا ترجمانِ شریعت ہوتا ہے، جبکہ قاضی ایک طرف امیر وسلطان کو بھی جوابدہ ہوتا ہے اور دوسری طرف عوام کو پابند بنانے والا۔

(۵) مفتی کے فتوی کی نوعیت عام ہوتی ہے جب کہ قاضی فریقین پر فیصلہ کرتا ہے۔

(۶) مفتی کے لئے دیانت پر فتویٰ دینا جائز ہے، جبکہ قاضی کسی بھی عمل کے ظاہری تقاضے کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہوتا ہے، دیانت یا عامل کی نیت سے اس کو کوئی بحث نہیں ہوتی، مثال کے طور پر کسی نے اپنی بیوی سے تین دفعہ طلاق، طلاق، طلاق کہا اور وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے تکرار محض تاکید کی نیت سے کی ہے، میری نیت صرف ایک طلاق کی ہے، اس قضیہ میں تو قاضی تین طلاق کا فیصلہ کرے گا؛ مگر مفتی کو طلاق دہندہ کی نیت کے مطابق ایک طلاق کا فتویٰ دینا جائز ہے۔

(۷) ایک مفتی سے فتوی حاصل کرنے کے بعد مستفتی کو دوسرے مفتی کی طرف رجوع کرنے اور اس کے فتوی پر عمل کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے، جبکہ قضا میں ایک فریق جس قاضی کی طرف اپنا مقدمہ لے گیا ہے دوسرے فریق کو بھی اسی قاضی کی ہدایات کے ماتحت رہنا ضروری ہوتا ہے، اور جب وہ قاضی کوئی فیصلہ صادر کردے تو مقضی لہ و مقضی علیہ کو

رد کرنے کا اختیار نہیں رہتا، ہاں مرافعہ کا حق رہتا ہے۔ (الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الاحکام و تصرفات القاضی والامام للقرافی، اردو ترجمہ: قاضی و مفتی کے دائرہ کار: ۴۳۔اصول الافتاء وآدابہ ۱۱۔۱۲)

(۱۰) قاضی کا دائرہ اختیار

ہندوستان جیسے ملک میں قاضی کے دائرۂ اختیار کے تحت ایک تو وہ معاملات آتے ہیں جن کے لیے قوتِ تنفیذ کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسے نکاح پڑھانا، رویتِ ہلال کا اعلان کرنا، جمعہ وعیدین کا قیام کرنا۔

دوسرے وہ نزاعی معاملات جو مسلم پرسنل لا کے تحت تو نہیں آتے؛ مگر ان میں ملکی قانون کی رو سے حکم بنانا درست ہو، جیسے عام لین دین کے مسائل یا چھوٹے موٹے سماجی مسائل۔

تیسرے وہ معاملات جو مسلم پرسنل لاء کے ذیل میں آتے ہیں جیسے نکاح، طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع، مباراۃ، فسخِ نکاح، عدت، نفقہ، وراثت، وصیت، ہبہ، ولایت، رضاعت، حضانت، وقف،

اس سلسلہ کی ضروری تفصیل یہ ہے کہ ملک میں رائج قوانین کی دو اہم قسمیں: سول کوڈ (civil code) اور کریمنل کوڈ (criminal code) کہلاتی ہیں، دوسری قسم کے اندر جرائم کی سزائیں اور بعض انتظامی امور آتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس قسم کے قوانین تمام شہریوں کے لیے یکساں ہیں، اس میں کسی نوعیت کی تفریق نسل و مذہب کی بنیاد پر از روئے دستور نہیں کی گئی ہے، پہلی قسم کے دائرہ میں وہ تمام قوانین آتے ہیں جن کا تعلق معاشرتی تمدنی معاملات سے ہے، اس قسم کے بیشتر قوانین بھی تمام اہلِ ملک کے لیے یکساں ہیں؛ البتہ اِس قسم یعنی سول کوڈ کے ایک حصہ (جسے پرسنل لاء personal law کہتے ہیں) میں ملک کے بعض اقلیتوں کو جن میں مسلمان بھی ہیں، ان کے مذاہب کے لحاظ سے کچھ خصوصی شعبوں میں الگ مذہبی قوانین پر عمل کرنے کا اختیار دیا گیا، اِسی کو پرسنل لاء کی آزادی

کا نام دیا جاتا ہے، اِسی کے تحت مسلمانوں کو بھی شریعت اپیلی کیشن ایکٹ میں یہ حق دیا گیا کہ پرسنل لاء کے ذیل میں آنے والے معاملات اگر سرکاری عدالتوں میں دائر کیے جائیں اور دونوں فریق مسلمان ہوں تو سرکاری عدالتیں اسلامی شریعت کے مطابق ہی مذکورہ معاملات میں فیصلہ کریں گی، ان ہی قوانین کا مجموعہ مسلم پرسنل لاء کہلاتا ہے۔(مقدمہ مجموعۂ قوانین اسلامی: ۳۰)

مسلم پرسنل لاء کے تحت جو معاملات آتے ہیں، ان کے شرعی احکام کی توضیح کے لئے ''مسلم پرسنل لاء بورڈ'' نے اپنی نگرانی میں ایک نہایت ہی قیمتی دستاویز'' مجموعۂ قوانینِ اسلامی'' کے نام سے تیار کروائی ہے، اس علمی دستاویز میں دفعہ وار طریقہ پر قانونی اسلوب میں اُن سارے مسائل پر شرعی بحث کی گئی ہے جو مسلم پرسنل لاء کا حصہ ہیں، بلاشبہ یہ مجموعہ نہ صرف قانون داں حضرات کی ضرورت ہے؛ بلکہ قضاء کا کام کرنے والوں کے لیے بھی ایک عمدہ رہنما ہے۔

(۱۱) دارالقضاء کے فیصلوں کی حیثیت ملکی عدالتوں میں

دستورِ ہند کی دفعات ۱۹، ۲۱، ۲۵، ۲۶، دارالقضاء کے قیام کا قانونی جواز فراہم کرتی ہیں، ان دفعات کی رُو سے تمام شہریوں کو اپنی انجمنیں اور اپنے ادارے قائم کرنے، اپنے مذہب کی پیروی کرنے، اس کی تبلیغ کرنے اور اپنے مذہبی معمولات پر عمل کرنے کا حق حاصل ہے، بیرونِ عدالت نزاعات کا تصفیہ کرنے والے یہ مذہبی ادارے بھی اسی قانونی گنجائش کے تحت آتے ہیں، یہ ادارے کوئی پیرلل (متوازی) کورٹ نہیں؛ بلکہ عدلیہ کے معاون ادارے ہیں، ان کو آربٹریشن (ثالثی) اور کونسلنگ کا کام کرنے والے مراکز کا نام دیا جاسکتا ہے، اس وقت ملکی عدالتیں، مقدمات کے جن بھاری بھرکم بوجھ سے کراہ رہی ہیں، اس کا بیان مشکل ہے، ایک رپورٹ کے مطابق تین کروڑ سے زائد مقدمات زیرِ التواء ہیں، ان کے علاوہ نئے مقدمات کا اندراج روزافزوں ہے، اگر یومیہ بنیادوں پر اسی ترتیب سے ان مقدمات کی سماعت ہوتی رہے تو ان کے فیصلے آتے آتے ایک اندازے کے مطابق ایک

سو ساٹھ سال لگ جائیں گے اور یہ صرف ہندوستان کی ہی صورتحال نہیں ہے، دیگر مما لک میں بھی مقدمات کی کثرت کے مقابلہ میں عدالتوں کا وجود بہر حال نا کافی ہے، اسی وجہ سے عالمی طور پر یہ رجحان زور پکڑ رہا ہے کہ فصلِ خصومات کا متبادل نظام A D R (Alternate Dispute Resolution mechanism) کی حوصلہ افزائی کی جائے، واقعہ یہ ہے کہ دارالقضاء اور کونسلنگ سنٹرس خاموش طریقہ پر نہایت ہی خوبی کے ساتھ یہی کام انجام دے رہے ہیں ؛اس لئے ان کی حیثیت حکومتِ ہند اور بین الاقوامی قوانین کی نظر میں ADR کی ہے؛البتہ ان کے فیصلے ملکی عدالتوں کی طرح لازم و نافذ نہیں ہوں گے؛ بلکہ ان پر عمل کرنا یا ان کو مسترد کر دینا فریقین کے اختیار پر موقوف رہے گا۔

۲۰۰۵ء میں ''وشوالوچن مدن'' نامی ایک ایڈوکیٹ نے سپریم کورٹ میں رٹ داخل کر کے یہ درخواست کی تھی کہ دستور کی آرٹیکل ۲۵ ر میں جو مذہبی آزادی کا حق دیا گیا ہے، اس سے قطعاً یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ مسلمان سرکاری عدالت کو چھوڑ کر اپنے لیے الگ شرعی عدالتیں یا دارالقضاء قائم کر سکتے ہیں ،لہذا ان شرعی عدالتوں اور دارالقضاء کو متوازی عدالت قرار دیکر غیر قانونی، ناجائز اور غیر دستوری قرار دیا جائے، مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اس مقدمہ کا فریق بنتے ہوئے اپنے استدلالات پیش کئے۔

۷ ر جولائی ۲۰۱۴ء کو سپریم کورٹ کا فیصلہ سامنے آیا؛ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے ان شرعی عدالتوں کے قانونی جواز کو تو تسلیم و برقرار رکھا؛ مگر یہ واضح کر دیا کہ ان کے تصفیے اور فیصلے ملکی عدالتوں کے فیصلوں کی طرح لازم و نافذ اور واجب العمل نہیں ،متعلقہ اشخاص اگر چاہیں تو خود بھی ان کو نظر انداز کر سکتے ہیں، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں ان کو چیلینج کرنے کی بھی ضرورت نہیں ؛ بلکہ اگر کوئی ادارہ اپنے تصفیہ وفیصلہ کو کسی بھی طرح کسی پر مسلط کرنے کی کوشش کرے تو اس کا یہ عمل خلافِ قانون ہوگا (گوگل سرچ وغیرہ)۔

(۱۲) اُنیس ۱۹ / اسبابِ فسخ وتفریق

الحیلۃ الناجزہ میں اسبابِ فسخ وتفریق نَو شمار کرائے گئے ہیں:

(۱) شوہر کا گمشدہ (مفقود) ہونا: مفقود الخبر اس غائب کو کہتے ہیں جس کا کوئی پتہ نہ ہو اور نہ اس کی موت وحیات کی کوئی خبر ہو۔ (مجموعہ قوانین اسلامی دفعہ :۳۳۱)

(۲) شوہر کا غائب غیر مفقود ہونا: غائب غیر مفقود وہ ہے جس کا زندہ ہونا معلوم ہے ؛لیکن اس کا پتہ معلوم نہ ہو، یا پتہ بھی معلوم ہو؛ لیکن نہ بیوی کے پاس آتا ہو نہ اس کو بلاتا ہو نہ اس کا نفقہ ادا کرتا ہو۔ (مجموعہ قوانین اسلامی دفعہ: ۳۳۲)

(۳) شوہر کا متعنِّت (سرکش) ہونا: یعنی شوہر قدرت کے باوجود زوجہ کا نفقہ ودیگر حقوق ادا نہ کرے۔

(۴) شوہر کا مجنون ہونا۔

(۵) شوہر کا عنین (نامرد) ہونا۔

(۶) تفریق بسبب حرمت مصاہرت۔

(۷) تفریق بسبب عدم کفاءت۔

(۸) تفریق بسبب خیارِ بلوغ۔

(۹) تفریق بسبب ارتداد۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ کے گیارہویں فقہی اجتماع مؤرخہ ۲۳ / تا ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ م فروری ۲۰۱۵ء بمقام جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد، کی تجاویز کی روشنی میں مزید چار اسباب کا اضافہ کیا گیا:

(۱۰) شوہر کا فالج زدہ اور بے ہوش ہونا: اس معذوری کی وجہ سے بیوی کے حقوق نفقہ وغیرہ ادا نہ کرسکنا۔

(۱۱) شوہر کا برص جذام یا ایڈز جیسے امراض میں مبتلا ہونا۔

(۱۲) شوہر کا طویل قید میں ہونا۔

(۱۳) شوہر کا بے جا مار پیٹ کرنا۔

مجموعۂ قوانین اسلامی میں مزید چھ اسباب اور مذکور ہیں:

(۱۴) زوجین میں شقاق کا پایا جانا: یعنی زوجین کے درمیان ایسی شدید نفرت پیدا ہو جائے کہ اللہ کے حدود کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزارنا ممکن نظر نہ آئے، (دفعہ: ۳۳۶)

(۱۵) مہر میں غیر معمولی کمی کر دینا۔

(۱۶) شوہر کا حقوقِ زوجیت ادا نہ کرنا اور بیوی کو معلّقہ بنائے رکھنا۔

(۱۷) ادائیگیٔ نفقہ سے عاجز ہونا۔

(۱۸) مرد کا اپنی حالت کے بارے میں دھوکہ میں ڈال کر نکاح کرنا: یعنی مرد نے اپنے خاندان، عقیدہ یا اپنی مالی حالت یعنی مہر و نفقہ پر قدرت کے بارے میں غلط بیانی کی اور لڑکی والوں کو دھوکہ میں ڈال کر نکاح کر لیا۔ (دفعہ: ۳۳۷)

(۱۹) تفریق بسبب فسادِ نکاح۔

ان انیس اسباب میں سے سولہ اسباب ایسے ہیں جن میں تفریق کے لئے قضاءِ قاضی شرط ہے، دو اسباب یعنی حرمتِ مصاہرت اور فسادِ نکاح میں قضاءِ قاضی متعین نہیں؛ بلکہ حرمتِ مصاہرت کی صورت میں شوہر کا متارکت کر لینا، نکاح ختم ہونے کے لئے کافی ہے اور نکاحِ فاسد کی صورت میں مرد و عورت میں سے کسی کا متارکت کر لینا نکاح ختم ہونے کے لیے کافی ہے، ان دو صورتوں میں اگر متارکت کو اختیار نہ کیا جائے تو پھر اِن میں بھی تفریق بذریعہ قاضی ہی ہوگی۔ (مجموعہ قوانین اسلامی دفعہ: ۳۴۱۔ ۳۴۲) اور تفریق بسببِ ارتداد زوج میں قضاءِ قاضی شرط نہیں، چنانچہ اگر کسی مسلمان عورت کا شوہر مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) تو نکاح فوراً ختم ہو جائے گا اور عدت کے بعد وہ مسلمان عورت کسی دوسرے مسلمان سے نکاح کرنے کی مجاز ہوگی۔

فسخ و تفریق کے ان اسباب اور ان سے متعلقہ تفصیلات پر مکمل بصیرت حاصل

کرنے کے لیے درج ذیل کتابوں کی جانب رجوع کریں:

۱۔ الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ تحقیق: حضرت مولانا مفتی عتیق احمد صاحب بستوی مدظلہ

۲۔ الحیلۃ الناجیہ مختصر الحیلۃ الناجزہ: مفتی شبیر احمد قاسمی شاہی مراد آباد دامت برکاتہم

۳۔ مجموعہ قوانین اسلامی: زیرِ نگرانی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

۴۔ اسبابِ فسخ وتفریق: مفتی محمد سلمان منصور پوری دامت برکاتہم

۵۔ اسبابِ فسخ نکاح: مولانا ثمیر الدین قاسمی دامت برکاتہم

۶۔ کتاب الفسخ والتفریق: مولانا عبدالصمد رحمانیؒ

۷۔ جدید فقہی مسائل جلد چہارم، ایڈیشن ۱۴۴۱ھ ۲۰۲۰ء: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

(۱۳) قضا کے چند اہم مسائل

الف: دعوی، مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریف۔

دعوی کی تعریف

اِس کا عام مفہوم، حاکم کے سامنے کسی شخص کا اپنے حق کو دوسرے شخص سے مطالبہ کرنا ہے اور اسی عام مفہوم کی بنا پر مطالبہ کرنے والے کو مدعی اور جس سے مطالبہ کیا جائے اس کو مدعیٰ علیہ کہیں گے اور مدعی جس چیز کا مطالبہ کرتا ہے اس کو مدعیٰ کہیں گے۔

فقہ کی کتابوں میں دعوی کی مختلف تعریفات مذکور ہیں:

صاحبِ کنز الدقائق کے نزدیک دعوی کی تعریف یہ ہے کہ:

اضافۃ الشیٔ الی نفسہ حالۃ المنازعۃ

یعنی جھگڑے کے موقع میں کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کرنا۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر: ۷/۱۹۱)

صاحبِ عنایہ کے نزدیک:

مطالبة حق فی مجلس من له الخلاص عند ثبوته

یعنی کسی حق کا ایسے شخص کی مجلس میں مطالبہ کرنا جس کو حق کے ثبوت کے بعد اس کے لینے کا اختیار ہو۔ (فتح القدیر ۶/ ۱۳۷)

صاحبِ کفایہ کے نزدیک:

اضافة الشئ الی نفسه فی حالة مخصوصة وهی حالة المنازعة

یعنی ایک خاص حالت میں یعنی جھگڑے کی حالت میں کسی شئ کی ملکیت کو اپنی طرف منسوب کرنا۔ (کفایہ ۷/ ۱۴۴)

صاحبِ معین الحکام کے نزدیک:

الدعوی اضافة الشئ الی نفسه وضعا واضافة الشئ الی نفسه مع مساس حاجته الیه شرعاً

یعنی لغت میں دعوی کسی چیز کی ملکیت کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے اور شریعت میں بوقتِ ضرورت کسی شئ کی ملکیت کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے۔ (معین الحکام : ۵۳)

ان تمام تعریفات میں قدرِ مشترک یہی ہے کہ دعوی میں کسی پر یا کسی چیز کے بارے میں اپنا حق جتلایا جاتا ہے ایک بااختیار شخص (قاضی) کی مجلس میں حاضر ہو کر۔

مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف

اِس میں بھی فقہاءِ کرام کے متعدد اقوال ہیں، صاحبِ بدائع نے ان کو یکجا طور پر نقل کیا ہے، اسی بحث کو ہم یہاں درج کئے دیتے ہیں:

(۱) المدعی من اذا ترک الخصومة لا یجبر علیها والمدعی علیه اذا ترک الجواب یجبر علیه

یعنی مدعی وہ شخص ہے کہ اگر مقدمہ چھوڑ دے تو اس کو پیروی کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اور مدعی علیہ وہ ہے کہ اگر جواب نہ دے تو اس کو جواب دہی پر

مجبور کیا جائے۔

(۲) المدعی من یلتمس قبل غیرہ لنفسه عینا او دینا او حقا والمدعی علیه من یدفع ذلک عن نفسه

یعنی مدعی وہ ہے جو دوسرے سے اپنے لیے کسی عین یا دَین یا حق کا مطالبہ کرے اور مدعی علیہ وہ ہے جو اپنی طرف سے اس کو دفع کرے۔

(۳) وقال بعضهم : ینظر الی المتخاصمین أیهما کان منکرا فالآخر یکون مدعیا

یعنی فریقین کو دیکھا جائے گا جو ان میں سے منکر ہوگا وہ مدعی علیہ ہوگا اور دوسرا مدعی ہوگا۔

(۴) المدعی من یخبر عما فی ید غیرہ لنفسه والمدعی علیه من یخبر عما فی یدنفسه لنفسه

یعنی مدعی وہ ہے جو دوسرے کے قبضے میں موجود چیز کے بارے میں کہے کہ یہ میری ملکیت ہے اور مدعی علیہ وہ ہے جو اپنے قبضہ میں موجود چیز کے بارے میں کہے کہ میری ملکیت ہے۔(بدائع الصنائع: کتاب الدعوی ۶/۲۲۴)

علامہ علاؤ الدین طرابلسیؒ فرماتے ہیں: فقہائے کرام کے یہ معیارات وہاں کام آتے ہیں جہاں مدعی اور مدعی علیہ میں صرف ایک ایک حیثیت ہو کہ ایک کسی چیز کا دعوی کر رہا ہوں اور دوسرا اس کا منکر ہو، اِن مواقع پر مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں مدعی اور مدعی علیہ کی تعیین نہایت آسان ہوگی؛ مگر مشکل وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں بیک وقت مدعی اور مدعی علیہ کے دعوے و بیانات میں ایک سے زائد حیثیتیں پائی جا رہی ہوں، ایک ہی شخص ایک لحاظ سے مدعی بھی لگ رہا ہے اور وہی دوسری حیثیت سے مدعی علیہ معلوم ہو رہا ہے، ایسی صورتحال میں قاضی کی ذہانت اور اس کی قضافہمی کا سخت امتحان ہوتا ہے، اس کو اپنی قضائی بصیرت اور

تجربہ سے طئے کرنا پڑتا ہے کہ دو فریقوں میں سے کس کو مدعی اور کس کو مدعی علیہ ٹھہرایا جائے پھر اس تمیز و تعیین پر اس کے پاس تشفی بخش دلائل اور قابلِ قبول وجوہِ ترجیح بھی ہونے چاہئیں۔

(نوٹ: یہ مکمل بحث تعبیر و بیان کے معمولی فرق کے ساتھ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی ''آدابِ قضا'' سے ماخوذ ہے)

ب : مدعی علیہ سے ثبوت اور گواہان لینا

یہ قاعدہ طئے شدہ ہے کہ اپنے حق کو ثابت کرنے کے لئے بینہ قائم کرنا مدعی کا وظیفہ ہے بصورتِ دیگر مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے؛ مگر خیال رہے کہ وہ بینہ جو مدعی کے ذمہ ہے اس کا تعلق اثباتِ حق سے ہے، باقی وہ بینہ جس کے ذریعہ مدعیٰ علیہ اس مقدمہ سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے جسے ''بینۃ الدفع'' یا ''دفعِ خصومت کا بینہ'' کہا جاتا ہے وہ مدعی علیہ سے بھی قبول کیا جا سکتا ہے، جیسے مدعی کسی شخص پر گھر یا زمین یا کسی منقول چیز کے متعلق جو اس کے قبضہ میں ہوتی ہے قاضی کے پاس خصومت کرتا ہے اور اس کو فریق اور خصم ٹھہرا کر اس سے مطالبہ کرتا ہے اور مدعی علیہ جوابِ دعوی میں اس کی خصومت کا اس طرح دفع کرتا ہے کہ وہ ثابت کرتا ہے کہ مدعی کا مجھ کو فریق اور خصم بنانا اور مجھ سے خصومت کرنی غلط ہے، جو چیز میری قبضہ میں ہے وہ میری ملکیت نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے کی ملکیت ہے؛ لہذا اس خصومت کا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں اور مجھ کو فریق اور خصم ٹھہرانا صحیح نہیں ہے چنانچہ جب مدعی علیہ اس پر بینہ پیش کر دیتا ہے تو مدعی کی خصومت اس کی ذات سے دفع ہو جاتی ہے اور بمقابلہ اس کے مدعی کا دعوی نا قابلِ سماعت ہو جاتا ہے۔

اِسی طرح کوئی عورت ضربِ مبرح کی بنیاد پر فسخ نکاح کا دعوی کرتی ہے اور اِدھر شوہر یہ بینہ پیش کرتا ہے کہ عورت کے جسم پر مار کے جو نشانات ہیں وہ فلاں حادثے کے اثرات ہیں تو یہ بیّنۂ دفع ہے، اگر یہ قابلِ قبول طریقہ پر پیش ہو تو مقدمہ کو خارج کیا جا سکتا ہے، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ تحریر فرماتے ہیں: مدعی علیہ کو

دفعِ دعوی کا حق ہوتا ہے اور وہ دفع پر بینہ پیش کرسکتا ہے، دفعِ دعویٰ یہ ہے کہ مدعی علیہ، مدعی کے خلاف کوئی دعویٰ کرے جس سے یہ واضح ہو کہ مدعی کو دعوی کا حق نہیں، مثلاً کوئی مرد کسی عورت کی رخصتی کا دعوی کرے اور وہ عورت کہے کہ مدعی نے مجھ کو طلاقِ بائن دے دی ہے۔(قضایا امارتِ شرعیہ:۲ / ۱۵۰)

بیّنۂ دفع کی اصل حضرت عمرؓ کے اس ہدایت نامہ میں ملتی ہے جو آپؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ کے نام لکھا تھا، اس میں یہ فقرہ موجود ہے کہ:

اجعل للمدعی حقاغائبا او بینة اجلا ینتهی الیه فان احضر بینة اخذت بحقه و الا و جهت علیه القضاء

ایسے شخص کے لئے جو غیر موجود حق یا گواہ کا دعویدار ہو اتنی مہلت دو کہ اس میں وہ حاضر کرسکے، پس اگر وہ گواہ پیش کردے تو اس کا حق دلوادو؛ ورنہ اس کے خلاف فیصلہ کردو۔

حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد، مدعی علیہ کے اسی بینۂ دفع سے متعلق ہے، دارالقضاء میں اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو ثبوت و گواہان کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آدابِ قضا: ۱۶۹۔ قضاء کے اہم مسائل: ۹۵)

ج: گواہوں سے حلف لینا

معمول یہ ہے کی دارالقضاء میں گواہوں کا بیان قلمبند کرنے سے قبل ان سے حلف لی جاتی ہے اور یہ اقرار بھی لیا جاتا ہے کہ واقعہ کے متعلق وہ جو کچھ بیان کریں گے سچ سچ بیان کریں گے، سوال یہ ہے کہ گواہوں سے حلف لینے کا کیا معنیٰ ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دو وجوہ سے گواہوں سے بھی قسم لینے کا معمول ہے:

(۱) علامہ ابن نجیم مصریؒ کے مطابق عربی زبان کا لفظ ''اشھد'' جس کے ذریعہ گواہ گواہی دیتے ہیں، بیک وقت مشاہدہ، قسم اور خبر فی الحال کے معنیٰ کو متضمن ہے، جب گواہ

اشھد کہہ کر گواہی دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا وہ یہ کہتا ہے کہ ”میں خدا کی قسم کھاتا ہوں مجھ کو اس واقعہ کی اطلاع ہو چکی ہے اور میں اس کے بارے میں اس وقت خبر دیتا ہوں“

فتضمن لفظ اشهد معنى المشاهدة والقسم والاخبار فى الحال فكان الشاهد قال اقسم بالله لقد اطلعت على ذلك وانا الآن اخبر به وهذه المعانى مفقودة فى غيره من الالفاظ فلذا اقتصر احتياطاً و اتباعا للماثور۔ (البحر الرائق ٧/ ٦١)

اردو زبان میں چونکہ ایسا جامع لفظ کوئی موجود نہیں ہے؛ اس لیے گواہی سے قبل ؛ حلف اور سچ بیانی کا اقرار لے کر اشھد کے مفہوم کو گواہوں سے ادا کروالیا جاتا ہے۔

(۲) خیر القرون اور سلف میں گواہوں سے الگ سے قسم لینے کی شکل موجو نہ تھی، اشھد کے ذریعہ گواہی دینے کو کافی سمجھا جاتا تھا؛ مگر بعد کے زمانوں میں جب فسق کا شیوع اور غلبہ ہوا تو قاضی اس امر پر مجبور ہوئے کہ اپنے غلبۂ ظن کے لیے گواہوں سے مستقل طور پر حلف لیں۔

فى تهذيب القلانسى و فى زماننا لماتعذرت التزكية لغلبة الفسق اختار القضاة استحلاف الشهود لحصول غلبة الظن ۔ (الاشباه والنظائر : ٣٧٠ بحوالۂ قضا کے اہم مسائل)

اس سے معلوم ہوا کہ دار القضاء میں استحلافِ شہود کا جو طریقہ رائج ہے وہ بے بنیاد نہیں ہے۔

د: نکول عن الحلف کی حیثیت

جب مدعی کا دعوی، شرائطِ دعوی کے مطابق ہونے کی بنا پر قاضی نے قبول کرلیا اور قاضی کو صحتِ دعوی کا اطمینان ہو گیا تو اب وہ مدعی علیہ سے جواب طلب کرے گا، مدعی علیہ کی طرف سے اس دعوی کے جواب میں تین طرح کے ردِّ عمل سامنے آسکتے ہیں، یا تو وہ مدعی کے دعوی کا اقرار کرلے گا یا انکار کرے گا یا یوں کہے گا نہ میں اقرار کرتا ہوں نہ میں انکار کرتا ہوں، پہلی صورت میں اس کے اقرار کے مطابق اس کے خلاف فیصلہ ہوگا ، دوسری

صورت میں مدعی سے بینہ طلب کیا جائے گا، اگر وہ قابلِ قبول بینہ پیش کردے تو اس صورت میں بینہ کے مطابق مدعی کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اگر مدعی بینہ پیش نہ کرسکے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی، اب قسم لینے کی صورت میں اگر مدعی علیہ حلف اٹھائے تو مدعی علیہ کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اگر مدعی علیہ حلف اٹھانے سے انکار کردے یا خاموش رہے تو یہ نکول عن الحلف ہے، انکار کی صورت میں نکولِ حقیقی ہے اور خاموشی کی صورت میں نکولِ حکمی اور نکول عن الحلف بھی اقرارِ دعوی کے حکم میں ہے، لہذا یہاں مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ ہوگا (دیکھئے قاموس الفقہ ۵/۲۴۰)

قاضی القضاۃ مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ لکھتے ہیں:

نکول، قائم مقام اقرارِ دعوی کے ہوگا، ہدایہ میں لکھا ہے: **واذانكل المدعى عليه عن اليمين قضى عليه بالنكول والزمه ماادعى عليه** (قضایا امارت شرعیہ: ۲/۱۴۴)

علامہ علاؤالدین طرابلسیؒ لکھتے ہیں:

النكول نوعان حقيقة و حكماً امّا حقيقة ان يقول المدعى عليه لا احلف فالقاضى يقول له انى اعرض عليک اليمين ثلاث مرات فان حلفت والا قضيت عليک بالمال فيقول فى كل مرة احلف والاقضيت عليک بالمال واماالنكول حكما هو ان يعرض القاضى اليمين عليه ثلاث مرات وسكت فى كل مرة ولم يجبه يجعله ناكلا (معين الحكام: ۹۷ بحوالۂ آدابِ قضا: ۱۶۸)

فاذاكررالعرض عليه ثلاث مرات قضى عليه بالنكول وهذاالتكرار ذكره الخصاف لزيادة الاحتياط والمبالغة فى ابلاء الاعذار و اماالمذهب انه لو قضى بالنكول بعد العرض مرة جاز لما قدمناه هوالصحيح والاول اولى(هدايه مع البنايه

۳۲۹/۹۔تکملة فتح الملهم ۲/۵۵۲)

تیسری صورت میں صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ مدعی علیہ کا یہ کلام کہ نہ میں اقرار کرتا ہوں نہ انکار، ساقط الاعتبار ہے؛ کیوں کہ دونوں جملوں کا مقتضیٰ ایک دوسرے سے متعارض ہے، چنانچہ جب اس کا یہ کلام ساقط الاعتبار ہو گیا تو گویا ایسا ہوا کہ مدعی علیہ نے مدعی کے جواب میں کچھ کہا ہی نہیں، بس خاموش رہا اور ایسے مواقع پر باوجود قدرت واختیار کے خاموش رہنا؛ انکارِ دعوی کے حکم میں ہے؛ لہذا اس صورت میں مدعی علیہ کو منکر قرار دے کر مدعی سے بینہ یا مدعی علیہ سے قسم لینے کی اگلی کاروائی کی جائے گی۔ (آدابِ قضا ملخصاً : ۱۶۸)

(ہ) وکیلِ مسخر اور قضاء علی الغائب کا مسئلہ

فریقِ غائب کی جانب سے قاضی جس شخص کو اپنی نظر میں غائب کا خیر خواہ اور اس کے مفادات کا تحفظ کرنے والا سمجھ کر اس کا وکیل مقرر کرے گا اسے 'وکیل مسخر' کہا جاتا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ حنفیہ کے یہاں قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے، اب اگر اس کا غلط فائدہ اُٹھا کر کوئی مدعی علیہ شرارت کا مظاہرہ کرے اور عدالت حاضر ہونے سے گریز کرے اور اس کو حاضر کرنا بھی قاضی کے بس میں نہ ہو تو ایسی صورت میں مدعی کا حق ضائع ہو سکتا ہے اور شرعی عدالتوں کے بے شمار مقدمات کو اس رائے کے پیشِ نظر خارج کر دینا پڑے گا، ظاہر ہے اس طرح کے عدالتوں کے تعطّل اور لوگوں کے حقوق کے ضائع ہونے کو کسی طرح گوارا نہیں کیا جا سکتا، اس لئے فقہاءِ کرام نے وکیلِ مسخر کی صورت میں اس مسئلہ کا حل نکالا ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، قضا علی الغائب کے مسئلہ پر محققانہ بحث کرتے ہوئے اخیر میں یہاں تک لکھتے ہیں کہ ان اقوال کی بنیاد پر اس فریضۂ محکمہ کو زندہ رکھنے، حق قائم کرنے اور ظلم رفع کرنے کی خاطر ان صورتوں میں جہاں ''حضورِ خصم'' کی شرط سے تعطیلِ احکام، حرج اور حقوقِ ناس کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو، ائمہ ثلٰثہ کے قول اور ائمہ

حنفیہ کی اس روایت کو معمول بہا بنایا جاسکتا ہے، جس میں قضا علی الغائب جائز ہے اور قاضی کو حق ہونا چاہیئے کہ وہ مقدمات کی سماعت مدعی علیہ کی غیر موجودگی میں کرے ؛ بلکہ جب مصالح متقاضی ہوں اور مدعی علیہ کے قصداً غائب رہنے اور دار القضاء سے فرار کا یقین ہوجائے تو اس کے خلاف قاضی فیصلہ بھی کرسکتا ہے۔(اسلامی عدالت : ۳۹۲)

قضا سے متعلق تیس ضروری کتابوں کا تعارف

قضا سے متعلق امور و مسائل میں ایک گونہ بصیرت پیدا کرنے کے لیے کم از کم ان کتابوں کو زیرِ مطالعہ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام (عربی): قاضی القدس علامہ علاؤالدین الطرابلسی الحنفی متوفی: ۸۴۴ھ، یہ کتاب دنیا بھر کے حنفی قضاۃ کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے اور قضا کی تربیت گاہوں میں داخلِ نصاب ہے۔

(۲) لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام (عربی) : علامہ ابن الشحنہ الحنفی متوفی: ۸۸۲ھ، علامۂ موصوف اپنے دور کے نامور قاضی گذرے ہیں، انہوں نے اہم پیش آمدہ مسائل کو تیس فصلوں پر مرتب کیا ہے، قضا کے مسائل کو خصوصی اہمیت دی ہے، قضا کا کام کرنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

(۳) تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناھج الاحکام (عربی): علامہ ابن فرحون مالکیؒ متوفی: ۷۹۹ھ، اپنے موضوع پر یہ کتاب بے نظیر کتاب ہے، جامعیت، استناد، اور حسنِ ترتیب نیز سلاستِ تعبیر کے اعتبار سے بے حد مفید تصنیف ہے، صاحبِ معین الحکام نے اپنی کتاب میں اسی کے طرزِ تحریر کو اختیار کیا ہے۔

(۴) الاحکام فی الفرق بین الفتاوی والاحکام و تصرفات القاضی والامام (عربی): امام شہاب الدین قرافی مالکی متوفی: ۶۸۴ھ، اس کتاب میں قضاء وافتاء سے متعلق چالیس مسائل پر جامع اور نفیس بحث کی گئی ہے۔

(۵) ادب القاضی (عربی): علی بن محمد بن حبیب الماوردیؒ الشافعی متوفی: ۴۵۰

ھ، قاضی القضاۃ امام ماوردی شافعیؒ اسلام کے نظامِ حکومت اور قوانینِ عدل کے ماہر امام ہیں ،ان کی یہ قابلیت اس کتاب میں پوری طرح جلوہ گر نظر آتی ہے۔

(٦) الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ (عربی): علامہ ابن قیم الحنبلی متوفی: ۷۵۱ ھ، علامہ ابن قیمؒ کی دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی ان کی مجتہدانہ شان نظر آتی ہے، اس کتاب میں انھوں نے اسلامی سیاست اور قضا کے بعض مسائل پر عمدہ گفتگو کی ہے، خاص طور پر قضا کے باب میں قرائنِ قویہ کی حیثیت اور قاضی کی فراست کے سلسلہ میں بھی روشنی ڈالی ہے۔

(۷) اسلامی عدالت (اردو): حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

مصنفِ کتاب آزاد ہندوستان میں امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ کے قائم کردہ نظامِ قضا کے گویا قاضی القضاۃ تھے، قاضی صاحب موصوفؒ کی یہ کتاب ۷۴۰ دفعات پر مشتمل ہے، جس میں قضا کا تعارف وثبوت اور قضا کی تاریخ کے علاوہ قاضی، عدالت، سماعتِ مقدمہ اور فیصلہ سے متعلق قیمتی مباحث موجود ہیں، قاضی صاحب کا ارادہ؛ اصولِ دعوی اور ضابطۂ شہادت پر مشتمل جلدیں تیار کرنے کا بھی تھا؛ مگر زندگی نے وفا نہ کی، یہ کتاب ہندو پاک سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے، اس کا عربی ایڈیشن بھی بیروت سے شائع ہو چکا ہے، فی الحال یہ کتاب برِّصغیر اور عالمِ اسلام میں اہلِ علم اور قضا کا کام کرنے والوں کے لیے اہم مرجع بنی ہوئی ہے۔

(۸) آدابِ قضا (اردو): حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ

حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ، مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی فکر کے امین وترجمان تھے، انہی کی تحریک اور ایماء پر آپؒ نے متعدد کتابیں تالیف فرمائی تھی ،آدابِ قضا ان میں سے ایک ہے، یہ کتاب ''اسلامی عدالت'' کے مقابلے میں اگرچہ مختصر ہے مگر اس میں دعوی اور شہادت سے متعلق احکام بھی جمع ہو گئے ہیں جس کی بنا پر اس کی افادیت دو چند ہو جاتی ہے، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ اس کو

شائع کیا ہے۔

(۹) کتاب الفسخ والتفریق (اردو): حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ

فسخ وتفریق کے موضوع پر یہ کتاب پورے ملک میں قضاء کا کام انجام دینے والوں کے لیے سرمۂ چشم کا درجہ رکھتی ہے۔

(۱۰) ہندوستان اور مسئلہ امارت (اردو): حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ

اس کتاب میں خاص طور پر ہندوستان جیسے ملک کے پس منظر میں فکرِ امارت کو شرعی دلائل کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، آثارِ صحابہ، اور اقوالِ فقہاء کی روشنی میں پیش کیا گیا، یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کے وقیع پیشِ لفظ سے مزیّن ہے۔

(۱۱) قضا کے چند اہم مسائل (اردو): حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ

ہندوستان میں امارتِ شرعیہ کا نظام جب قائم ہوا اور اس کے تحت اسلامی قضاۃ اپنی ذمہ داریاں انجام دینے لگے تو بعض قاضیوں کو اس سلسلے میں کچھ دشواریاں اور کچھ فقہی اشکالات بھی پیش آئے؛ ان حضرات نے مولانا عبدالصمد رحمانیؒ سے اس سلسلہ میں رجوع کیا تو حضرت موصوف نے اس رسالہ کو تصنیف فرما کر ان کی تشفی فرمائی۔

(۱۲) الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ (اردو): حکیم الامت حضرت مولا اشرف علی صاحب تھانویؒ، یہ کتاب اپنے موضوع پر اولین دستاویز ہے، تفویضِ طلاق اور جماعت المسلمین سے متعلق تحقیقی مباحث کے ساتھ ساتھ فسخ وتفریق کے نو اسباب کی وضاحت و تفصیل پر مشتمل ہے اور اپنے دور کے مشاہیر فقہائے کرام کی تصدیقات سے مزین ہے ،حالیہ دنوں میں اس کے دو شاندار ایڈیشن منظرِ عام پر آئے ہیں: ایک مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب امروہی مدظلہ کی تحقیق کے ساتھ اور ایک حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی مدظلہ کی عمدہ تحقیق کے ساتھ۔

(۱۳) الحیلۃ الناجیہ مختصر الحیلۃ الناجزہ (اردو): حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی مدظلہ

الحیلۃ الناجزہ میں جن مسائل کو نہایت خصوصیت اور اہمیت دے کر تفصیلی دلائل

کے ساتھ لکھا گیا ہے، انکا خلاصہ اور نچوڑ اس مقالہ میں پیش کیا گیا ہے۔

(۱۴) اسبابِ فسخ وتفریق (اردو): حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ

الحیلۃ الناجزہ کی دل نشین تلخیص مفید اضافوں کے ساتھ اس رسالہ میں پیش کی گئی۔

(۱۵) اسبابِ فسخ نکاح (اردو): حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی مدظلہ

الحیلۃ الناجزہ اور مجموعۂ قوانین اسلامی کی روشنی میں اٹھارہ اسبابِ فسخ نکاح کو عام فہم زبان میں سمجھایا گیا ہے۔

(۱۶) نظامِ قضا کی ضرورت (اردو): حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی مدظلہ

ہندوستان میں اس نظام کے قیام کی ضرورت پر آسان انداز میں اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱۷) مسلم اقلیتیں اور نظامِ دار القضاء (اردو): فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کا یہ رسالہ اس بحث پر گویا حرفِ آخر ہے، اسلوبِ بیان کی شان وشوکت کے ساتھ عالی تحقیقات کو پیش کرنا اور ان میں اپنا سوزِ جگر بھی شامل کر دینا حضرت مولانا کی تحریرات کا خاصّہ ہوتا ہے، اس رسالہ میں بھی یہی کچھ موجود ہے، حضرت مولانا کا یہ رسالہ جدید فقہی مسائل کی طبعِ جدید کی جلد ششم میں شامل ہے، اس کے علاوہ جلد چہارم میں بھی فسخ وتفریق سے متعلق کئی ایک تحقیقی رسائل موجود ہیں۔

(۱۸) عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی (اردو): ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پہلو پر بڑی تاریخی وتحقیقی بحثیں ان دو کتابوں میں موجود ہیں۔

(۲۰) دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے (اردو): عبد اللہ محمد بن المالکی القرطبی کی عربی کتاب ''اقضیۃ الرسول'' کا یہ ترجمہ ہے جو حکیم محمد عبد الرشید نقشبندی کے قلم سے ہے جس پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مہرِ تصویب لگی ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحیثیتِ قاضی جو

فیصلے فرمائے تھے ان کو اس کتاب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

(۲۱) ہندوستان اور نظامِ قضا (اردو): مولانا عتیق احمد بستوی مدظلہ

اسّی صفحات پر مشتمل یہ مختصر سا رسالہ اپنے موضوع پر نہایت بصیرت افروز اور چشم کشاں ہے، الحیلۃ الناجزہ کا جو ایڈیشن مصنفِ مذکور کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے اس کے اخیر میں بھی یہ رسالہ منسلک ہے۔

(۲۲) رہنمائے قاضی (۲۳) رہنمائے دارالقضاء (اردو): حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوریؒ کے یہ دو رسالے عملی طور پر قضا کا کام کرنے والوں کے لیے عمدہ رہنما ہیں، قضا کا کام کرنے والوں کو اپنا نظام چلانے کے لیے ان رسالوں سے مدد لئے بغیر چارۂ کار نہیں۔

(۲۴) شرعی پنچایت: سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے ۱۹۷۳ء میں یہ کتابچہ مرتب فرمایا تھا، جس میں اس وقت کے شرعی پنچایت کے اصول وضوابط، شرعی پنچایت کے اختیارات، فرائض واحکام منضبط کئے گئے تھے، بعدازاں اسی کی روشنی میں مزید تفصیل اور بہت کچھ اضافوں کے ساتھ ایک جامع ترین ضابطۂ عمل تیار کیا گیا، اس ''ضابطۂ عمل'' کو امارتِ شرعیہ ہند کی مجلسِ شوری نے ۱۳/ اکتوبر ۱۹۹۶ء کے اپنے اجلاس میں پوری طرح غور وخوض کے بعد منظور کیا، اب امارتِ شرعیہ ہند سے مطبوعہ یہی ''ضابطۂ عمل''، محاکمِ شرعیہ کے قیام اور نظامِ کار کی بنیاد اور اساس ہے۔

(۲۵) عدالتی فیصلے (دو جلد)۔(۲۶) سود پر تاریخی فیصلہ (ایک جلد): شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے سپریم کورٹ کے جج ہونے کی حیثیت سے جو تاریخی فیصلے صادر فرمائے تھے، یہ انہیں فیصلوں کا مجموعہ ہے ان کا مطالعہ کرنے سے نہ صرف قضا کا ذوق ومزاج پیدا ہوتا ہے بلکہ اسلام کے نظامِ عدل کی خوبی و بالادستی کا نقش بھی دل ودماغ پر قائم ہوجاتا ہے۔

(۲۷) قضایا سجاد (اردو): یہ مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ کے فیصلوں کا

مجموعہ ہے، جن میں حضرت مولانا کی فقاہتِ نفس، قوتِ استنباط اور استقامتِ فکر نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور قضا کا کام کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہے۔

(۲۸) قضایا امارتِ شرعیہ اردو (دو جلد): مرتب مولانا محمد انظار عالم قاسمی

مؤرخہ ۲۶/جون ۱۹۲۱ء، صوبۂ بہار (اڈیسہ و جھارکنڈ) میں بانیٔ امارتِ شرعیہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی کوششوں سے جب امارتِ شرعیہ کا قیام عمل میں آیا تو وہاں قضا کا مثالی کام روزِ اوّل ہی سے شروع ہو گیا، قضا کے عالی دماغ افراد کی خدمات شروع ہی سے امارتِ شرعیہ کو حاصل رہیں، ان حضرات نے اپنے اپنے دورِ قضاءت میں معرکۃ الآراء فیصلے کئے تھے، ان فیصلوں کو امارتِ شرعیہ نے پوری آب و تاب کے ساتھ شائع کیا ہے، خاص طور پر ہندوستان میں قضا کا کام انجام دینے والوں کو اس مجموعے سے بڑی رہنمائی اور ہمت ملے گی۔

(۲۹) مجموعہ قوانین اسلام: یہ دراصل مسلم پرسنل لاء سے متعلق احکامِ شرعیہ کا دفعہ وار مرتب مجموعہ ہے، سابق جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی نگرانی و رہنمائی میں اس کی ترتیب و تدوین کا آغاز ہوا تھا اور حضرت ہی کی حیات میں پایہ تکمیل کو بھی پہنچا، البتہ تسہیل اور تعبیر و اسلوب میں یکسانیت قائم کرنے کا کام ابھی باقی تھا جو حضرت کی وفات کے بعد، علماء و باحثین کی مجوزہ ٹیم نے مکمل کرلیا، یہ کتاب بلا شبہ قانون دانوں، ہندوستانی سماج اور مسلمانوں کی ضرورت کی تکمیل ہے، مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مجموعہ کی تدوین کو بڑا عظیم کام اور دور رس اثرات کا حامل کارنامہ قرار دیا۔ (مجموعہ قوانین اسلام ص:۲۸)

(۳۰) مجموعہ قوانین اسلام: جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن مرحوم کی یہ کتاب شاید قانونی اسلوب میں لکھی جانے والی اردو زبان کی سب سے مفصل کتاب ہے، کتاب دس جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں قانونِ ازدواج، دوسری میں قانونِ طلاق، تیسری میں قانونِ نسب اولاد و حضانت اور ہبہ و وقف، چوتھی میں قانونِ وصیت، پانچویں میں قانونِ

وراثت، چھٹی میں قانونِ شفعہ، ساتویں میں قانونِ شہادت، آٹھویں میں قانونِ تجارت ،نویں میں قوانینِ حدود، اوردسویں میں قوانینِ قصاص سے متعلق مباحث مذکور ہیں، چوتھی جلد پر محدث العصر مولانا یوسف بنوریؒ کی تقریظ بھی موجود ہے، حضرت بنوریؒ لکھتے ہیں:

موصوف کا ''مجموعہ قوانینِ اسلام جلد چہارم'' اس وقت میرے سامنے ہے، ''قانونِ وصیت'' کی تشریح پر پوری جلد مشتمل ہے ،ترتیبِ ابواب ،ترتیبِ مواد ،استیفاءِ مسائل وجزئیات، حسنِ تعبیر ،موثر تشریح، ودل نشین پیرایۂ بیان میں سابقہ تمام اجزاء سے گوئے سبقت لے گیا ہے، مجھے تفصیلی مطالعہ کا موقع نہیں مل سکا لیکن الحمد للہ میرے رفیق کار فقیہِ عصر مولانا مفتی ولی حسن صاحب ---- تفصیلی مطالعہ کر کے مطمئن ہو گئے (ماخوذ از تقریظ کتاب)

فقیہ العصر حضرت مفتی ولی حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کی ابتدائی جلدوں کا جائزہ بھی لے کر مجموعی اعتبار سے اطمینان کا اظہار فرمایا تھا اور مؤلف کی اس کاوش کو گراں قدر الفاظ کے ذریعہ سراہا تھا لیکن ساتھ ہی کچھ فروگذاشتوں کی جانب بھی مؤلف کی توجہ کروائی تھی اوران کی اصلاح وتصحیح کی ہدایت بھی فرمائی تھی۔(دیکھئے: نقد وتبصرہ بر کتاب مجموعہ قوانینِ اسلام www.alqalamonline.com)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قضا کی عملی مشق

قضا کی عملی مشق شروع کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دار القضاء کے اندرونی نظام کا ایک تعارف اور بعض اصطلاحات کی تشریح (مبادیات) قارئین کے سامنے آجائے۔

(۱) دار القضاء کی تعریف

امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ کے ماتحت وہ ادارہ ہے جو شرعاً یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ شرعی اصول اور فقہی ضوابط کے مطابق پیش آمدہ معاملہ کے ہر پہلو کی جانچ کر کے اس پر شرعی فیصلہ صادر کرے۔

واضح ہو کہ بہار واڑیسہ کے حدود میں دار القضاء، امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ کے ماتحت قائم کئے جاتے ہیں اور ملک کے دیگر صوبوں میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تحت قائم کئے جاتے ہیں؛ جبکہ محاکمِ شرعیہ، امارتِ شرعیہ ہند کے تحت قائم ہوتے ہیں۔

(۲) قاضئ شریعت کی تعریف

ایسا شخص جو منصبِ قضا پر فائز ہونے کے لئے درکار ضروری شرائط پر پورا اترتا ہو نیز صاحبِ بصیرت، عادل، ذی رائے اور معاملہ فہم عالم دین ہو جو مسائل قضا بالخصوص نکاح وطلاق، اسبابِ فسخ وتفریق وغیرہ عائلی مسائل نیز حالاتِ زمانہ، عرف وعادت اور عوام الناس کے مزاج و مذاق سے واقف ہو، اس کا اگر کوئی نائب ہو تو اس کو بھی ان ہی اوصاف کا حامل ہونا چاہئے۔

(۳) منشی یا محرّر کی تعریف

وہ شخص جو دفتری کاموں جیسے فریقین کو اطلاعات جاری کرنا، مقدمہ کا اندراج کرنا، فرد احکام کے مطابق تعمیل کرنا، آمد وصرف کا حساب رکھنا وغیرہ کی صلاحیت رکھتا ہو، نیز وہ دیندار وامانتدار ہو اور بقدرِ ضرورت انگریزی ہندی اور مقامی زبان لکھنا پڑھنا جانتا ہو اور

تحریر بھی صاف اور پڑھنے کے قابل ہو۔

(۴) عرضئ دعوی کی تعریف

وہ درخواست فارم جس میں مدعی یا مدعیہ کی جانب سے اپنا دعوی ومطالبہ پیش کیا گیا ہو۔

عرضئ دعوی، دارالقضاء کے مطبوعہ فارم پر لی جائے گی؛ تاکہ کاروائی میں سہولت ہو، دارالقضاء کے مطبوعہ فارم میں ان امور کا لحاظ ہوتا ہے۔

(الف) درخواست کے سرنامہ پر بعدالت دارالقضاء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لکھا ہوتا ہے، خالی جگہ پر عرضی گزار اس علاقے ومقام کا نام لکھے جہاں کے دارالقضاء میں درخواست دینا ہے۔

(ب) اس سرنامے کے نیچے مقدمہ نمبر۔۔۔۔۔۔۔ سنہ ھ لکھا ہوتا ہے، یہ جگہ دارالقضاء کے محرر پُر کرلیں گے۔

(ج) اس کے بعد درخواست دینے والے کا نام، اس کے والد کا نام، مقام وڈاک خانہ، تھانہ، ضلع اور پن کوڈ لکھنے کے لئے خالی جگہ چھوڑ دی جاتی ہے اور اس کے اخیر میں مدعی یا مدعیہ لکھا ہوتا ہے، عرضی گزار ان خالی جگہوں کو احتیاط کے ساتھ پُر کرے۔

(د) اس کے نیچے درمیان میں بنام کا عنوان آکر نیچے پھر نام، والد کا نام، مقام وڈاک خانہ، تھانہ، پن کوڈ درج کرنے کے لئے خالی جگہ چھوڑ دی جاتی ہے اور اس کے اخیر میں مدعی علیہ/ مدعی علیہا لکھا ہوتا ہے، ان خالی جگہوں میں عرضی گزار اس شخص کی تفصیلات لکھے جس کے خلاف درخواست دینی ہو۔

(ہ) اس کے بعد قاضئ شریعت کو مخاطب کرتے ہوئے دعوی سے متعلق واقعات کی تفصیل عرضی گذار کو لکھنا ہوگا اور اخیر میں دستخط بھی کرنی ہوگی، دارالقضا کے مطبوعہ فارم کے بجائے سادہ کاغذ پر درخواست دینی ہو تو ان مذکورہ بالا امور کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

بعض دارالقضاء کے مطبوعہ فارم اس طرز کے بھی ملتے ہیں کہ بخدمت جناب قاضئ شریعت دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے عنوان کے بعد درخواست کا

مضمون مع دستخط لکھنے کے لئے خالی جگہ چھوڑ دی جاتی ہے پھر نیچے دائیں جانب مکمل نام و پتہ فریقِ اول اور بائیں جانب مکمل نام و پتہ فریق دوم درج کرنے کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی جاتی ہے۔

(۵) عرضئ دعوی کے قابلِ قبول ہونے کے شرائط:

(الف) مدعی اور مدعی علیہ کا نام مع ولدیت اور مکمل پتہ درج ہو۔

(ب) اسبابِ دعوی واضح اور مفصل لکھے ہوں۔

(ج) دعوی اور مطالبہ واضح اور متعین ہو۔

(د) مدعی کا دستخط یا نشانِ انگوٹھا مع تصدیق نشان موجود ہو۔

نوٹ: صرف نشانِ انگوٹھا ہونے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ اس کے نیچے کوئی شخص اپنی دستخط کر کے یہ تصدیق کرے کہ اس نے میرے سامنے یہ نشانِ انگوٹھا لگایا ہے۔

نوٹ: اگر فسخِ نکاح کا دعوی و مطالبہ ہوتو پھر اس کے اسباب کی ضروری تفصیل بھی درخواست میں موجود ہونی چاہئے، مثلاً مفقود الخبری کی بنا پر فسخِ نکاح کا دعوی کیا جارہا ہوتو اس میں یہ وضاحت ہونی چاہئے کہ آیا وہ بلا اطلاع و بلا پتہ چلا گیا یا کچھ بول بتا کر گیا؟ کتنی مدت سے وہ لاپتہ ہے؟ کبھی خط و کتابت کا سلسلہ ہوا یا نہیں؟ اس کو ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی یا نہیں؟ کہاں کہاں ڈھونڈا گیا؟ اس کے والدین اور دیگر اعزہ اقارب کیا کہتے ہیں؟ ان سے رابطہ ومراسلت کی تفصیلات جمع کی جائے تاکہ دارالقضاء ان کا بھی بیان لے، اس صورتحال سے مدعیہ کو فی الحال کیا تکلیف ہے؟ اس کے نفقہ کی ادائیگی کی کیا سبیل ہے؟ وغیرہ، اسی طرح جنونِ زوج کی بنا پر فسخِ نکاح کا مطالبہ ودعوی ہے تو یہ بتانا بھی ضروری ہوگا کہ آیا جنون حادث ہے (جو چار ماہ سے کم یا ایک قول کے مطابق ایک سال سے کم رہا ہو) یا مطبق (جو چار ماہ یا ایک سال تک ممتد رہا ہو) (رہنمائے قاضی:۱۰۱) یہ بھی بتانا ہوگا کہ جنون کی علامتیں کیا ظاہر ہوئیں؟ زمین اور مکانات کا دعوی ہوتو اس کی چوحدی (حدودِ اربعہ) اور مکمل بلدیاتی تفصیلات پیش کرنا بھی ضروری ہوگا، (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، رہنمائے قاضی ص:۱۳۱۔۳)

نمونہ عرضی دعوی یا فارم درخواست

بعدالت دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

مقدمہ نمبر (۵ / ۵۰۰۰) ۱۴۴۲ھ

نام ۔۔ ولد/ بنت ۔۔ ساکن ۔۔ ڈاکخانہ ۔۔ تھانہ ۔۔ ضلع ۔۔ پن کوڈ ۔۔ مدعی/ مدعیہ

بنام

نام ۔۔ ولد/ بنت ۔۔ ساکن ۔۔ ڈاکخانہ ۔۔ تھانہ ۔۔ ضلع ۔۔ پن کوڈ ۔۔ مدعی علیہ/ مدعیہ علیہا

بحضور جناب قاضی شریعت دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

گذارش یہ ہے کہ ۔۔

دستخط/ نشان انگوٹھا مدعی/ مدعیہ

(۶)مثنیٰ عرضئ دعوی کی تعریف

عرضئ دعوی کی نقل یا زیراکس جسے مدعا علیہ کے نام جاری ہونے والی اطلاع کے ساتھ منسلک کر کے اس سے جواب طلب کیا جاتا ہے۔

(۷)بیانِ تحریری کی تعریف

دارالقضاء میں مقدمہ دائر ہونے پر مدعا علیہ کو عرضئ دعوی کی نقل بھیج کر مقررہ تاریخ تک جو جواب طلب کیا جاتا ہے اس جواب کو بیانِ تحریری کہا جاتا ہے۔

(۸)بیانِ تحریری کے مشمولات

مدعیٰ علیہ کو چاہئے کہ وہ مثنیٰ عرضئ دعوی کو غور سے پڑھ کر جو باتیں اس کے خیال میں صحیح ہوں ان کا اقرار کرے اور جو باتیں اس کے خیال میں غلط ہوں، ان سے انکار کرے اور یہ مفصل جواب لکھ کر اپنے دستخط یا نشان انگوٹھا کے ساتھ دارالقضاء میں داخل کرے۔

(۹)رجسٹر اندراجِ مقدمہ کی تعریف

یعنی دارالقضاء کے جملہ مقدمات کا اجمالی ریکارڈ رکھنے والا عمومی رجسٹر؛ ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی عرضی دارالقضاء میں قبول کر لی جاتی ہے تو اس کے حاشیہ پر قاضی ایک مختصر سا حکم لکھتا ہے کہ اخراجات کارروائی جمع ہو اور مقدمہ دائر نمبر ہو اور مقدمہ درجِ رجسٹر ہو، اسی حکم کی تعمیل میں دارالقضاء کا محرر رجسٹر اندراجِ مقدمہ کی طرف رجوع کرتا ہے، رجسٹر اندراجِ مقدمہ میں درجِ ذیل آٹھ خانے ہوتے ہیں۔

۱)سلسلہ وار نمبر یا نشانِ سلسلہ

اب تک کے جملہ مقدمات کے اعتبار سے ہر نئے مقدمہ پر اگلا نمبر لگایا جاتا ہے۔

۲)مقدمہ نمبر یا نشانِ مقدمہ مع سنہ

ہر نئے سال درج ہونے والے مقدمات کے اعتبار سے مع تصریحِ سن یہ نشان لگایا جاسکتا ہے جیسے ۵/۵۰۰۰/ ۱۴۴۲ھ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جملہ مقدمات کے لحاظ سے یہ پانچ ہزاروان مقدمہ ہے اور سال ۱۴۴۲ھ کا پانچواں مقدمہ ہے۔

۳) تاریخِ دائر

اس خانہ میں وہ شمسی وقمری تاریخ درج کی جائے جس میں یہ مقدمہ دائر ہوا۔

۴) نوعیتِ مقدمہ

اس خانہ میں مقدمہ کی نوعیت لکھی ہو مثلاً دعویٰ فسخِ نکاح بر بناءِ جنون یا عدمِ انفاق۔

۵) مدعی/ مدعیہ کا نام و مکمل پتہ

۶) مدعا علیہ/ مدعا علیہا کا نام و مکمل پتہ

۷) خلاصۃ الحکم مع تاریخ

اس خانہ میں فیصلہ کا خلاصہ مع تاریخ لکھ دیا جائے۔

۸) کیفیت: کوئی نوٹ وغیرہ لکھنا ہو تو اس میں لکھا جائے۔

نمونہ رجسٹر اندراجِ مقدمہ

نشان سلسلہ	مقدمہ نمبر	تاریخ دائر	نوعیتِ مقدمہ	نام و مکمل پتہ مدعی/ مدعیہ	نام و مکمل پتہ مدعی علیہ/ مدعیہ علیہا	خلاصۂ فیصلہ مع تاریخ	کیفیت

۱۰)فردِ احکام یا فردِ کاروائی کی تعریف

یہ دراصل کسی ایک مقدمہ سے متعلق ہونے والی از ابتداء تا انتہا تاریخ وار تمام کار وائیوں کی تحریری یادداشت ہے، فریقوں کے نام جاری ہونے والے مختلف احکام کا خلاصہ ہے، جس کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ یہ مقدمہ کاروائی کے کن کن مراحل سے کب اور کیسے گذرا اور فریقین نے کب اور کیا تحریریں داخل کیں نیز قاضی نے پیشِ نظر مقدمہ میں مقدمہ کی نوعیت کے لحاظ سے کیا کیا ہدایات جاری کیں اور ان پر فریقین کا جو مثبت یا منفی رویہ سامنے آیا، اُن تمام باتوں کا تذکرہ فردِ احکام یا فردِ کاروائی میں موجود رہتا ہے اس لئے اس کی بڑی اہمیت ہے۔

فردِ احکام کے سرنامہ پر عدالت دارالقضاء۔۔۔ پھر اس کے نیچے مقدمہ نمبر پھر مکمل نام و پتہ مدعی/ مدعیہ بنام مکمل نام و پتہ مدعی علیہ/ مدعا علیہا لکھا ہوتا ہے، اخیر سطر میں تاریخِ دائر یا داخلہ۔۔۔ مقدمہ کی نوعیت ۔۔۔ اور تاریخ فیصلہ۔۔۔ لکھا ہوتا ہے، اس کے نیچے تین عمودی خانے ہوتے ہیں، ایک تاریخ کا یعنی اجرائے احکام کی تاریخ کا، دوسرا احکام کا اور تیسرا دستخطِ تعمیل کا۔

قاضی؛ فردِ احکام/ کاروائی کے تاریخ والے خانہ میں تاریخ لکھے گا، احکام والے خانے میں احکام جاری کرے گا، محرّر دارالقضاء اس کے مطابق عمل درآمد کر کے تعمیل کے خانے میں دستخط کرے گا، اگر مقدمہ کی کاروائی اس طرز پر چل رہی ہو کہ فریقین میں سے کسی کی جانب سے منفی ردِّ عمل سامنے نہ آرہا ہو بلکہ وہ اپنی شرعی ذمہ داری سمجھ کر دارالقضاء کا بھر پور تعاون کررہے ہوں تو پھر مقدمہ کی کاروائی تین چار احکام میں سمٹ جائے گی اور فیصلہ آجائے گا، ایسی صورت میں فردِ احکام کے تین چار احکام اس طرح ہوں گے:

حکمِ اول

۱۶/ شوال ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۹/ مئی ۲۰۲۱ء مقدمہ نمبر دائر کرتے ہوئے فریقِ دوم کے نام اطلاع مع نقلِ عرضئ دعوی بذریعہ رجسٹری پوسٹ جاری کرتے ہوئے مورخہ ۱۶/ ذو

القعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۷ / جون ۲۰۲۱ء روزِ اتوار تک فریقِ دوم سے بیانِ تحریری طلب ہو نیز اس کاروائی سے فریقِ اول مدعی/ مدعیہ کو بھی اطلاع کر دی جائے فقط قاضئ شریعت۔

اب اس حکم کی تعمیل میں دار القضاء کے محرر کو دو کام کرنے ہیں؛ ایک تو مدعیٰ علیہ کے نام اطلاع جاری کر کے اس سے مذکورہ طریقہ کے مطابق بیانِ تحریری طلب کرنا، دوسرے اس کاروائی سے مدعی/ مدعیہ کو بھی مطلع کرنا۔

حکمِ دوم

مدعیٰ علیہ کی طرف سے بیانِ تحریری موصول ہوا ،لہذا اب پیشئ مقدمہ کی تاریخ ۱۶ / ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۷ جولائی ۲۰۲۱ء روز منگل مقرر کی جارتی ہے،فریقین تاریخِ مذکور پر مع شواہد وثبوت دار القضاء طلب ہوں۔فقط قاضئ شریعت

اس حکم کی تعمیل میں دار القضاء کے محرر کو فریقین کے نام اطلاعات جاری کر کے پیشی اور سماعتِ مقدمہ کے لئے طلب کرنا ہوتا ہے۔

حکمِ سوم

مقررہ تاریخ پیشی پر فریقین مع شواہد وثبوت دار القضاء حاضر ہوئے،ان کے اوران کے گواہوں کے بیانات قلمبند کئے گئے،لہذا اب کاروائی ختم کی جاتی ہے مِسل (مقدمہ کی مکمل فائل) قریبی فرصت میں فیصلہ کے لئے پیش ہو۔فقط قاضئ شریعت

اس حکم کی تعمیل میں دار القضاء کا محرر مناسب موقع پر مِسل ، قاضی کی خدمت میں پیش کرے گا تا کہ قاضی اس پر اپنا فیصلہ لکھے۔

حکمِ رابع

مورخہ ۲۰ / ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۱ / جولائی ۲۰۲۱ء کو مقدمۂ ہذا کا فیصلہ لکھا جا چکا،لہذا اس مِسل کو بھی فیصل شدہ مسلوں کے ساتھ شامل کر دیا جائے نیز مدعی/ مدعیہ کو اس فیصلہ کا حکم ارسال کیا جائے اور یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ اگر پورے فیصلہ کی نقل درکار ہو تو درخواست دینے کے پندرہ دن کے بعد نقلِ فیصلہ جاری کر دیا جائے گا۔فقط قاضئ شریعت

اس حکم کی تعمیل میں دارالقضاء کا محرر مذکورہ مِسل کو فیصل شدہ مسلوں کے ساتھ شامل کردے گا نیز مدعی/ مدعیہ کے نام فیصلہ کا حکم ارسال کردے گا۔

اگر مقدمہ کی کاروائی میں اُتار چڑھاؤ جاری ہو جیسا کہ عموماً ہوتا ہے تو پھر قاضی اس کے مطابق احکام جاری کرے، مثال کے طور پر مدعی علیہ/ مدعی علیہا کے نام جاری کردہ نوٹس: اگر اس رپورٹ کے ساتھ واپس آ گئی کہ مدعی علیہ وہاں موجود نہیں یا اس کا کوئی پتہ نہیں تو پھر مدعی/ مدعیہ کے لئے حکم جاری کرے کہ وہ مدعی علیہ کا صحیح پتہ تحقیق کر کے دارالقضاء میں داخل کرے اور اگر اس کا پہلے سے داخل کردہ پتہ صحیح ہے تو پھر یہ حکم جاری کرے کہ مدعی/ مدعیہ، مدعی علیہ کے دو قریبی رشتہ دار یا اس کے علاقے کے دو معززین کے نام و پتے مقررہ تاریخ تک داخلِ دارالقضاء کرے تا کہ ان کے ذریعہ سے حقیقتِ واقعہ تک رسائی ہو سکے اور اطلاع مع نقلِ عرضئ دعوی بنام مدعی علیہ کی تعمیل مدعی علیہ پر کی جا سکے (اسلامی عدالت: ۴۴۵) اگر مدعیہ نے مدعی علیہ کے مفقود الخبر یا غائب غیر مفقود ہونے کا دعوٰی کیا ہے تو ایسی صورت میں کسی مقامی اخبار کے ذریعہ اعلانِ مفقود الخبر شائع کرانے کا حکم جاری کرے، دو سے تین بار اس طرح کا اعلان شائع کرانے کی ہدایت جاری کرے اور اخیر اعلان میں اس بات کا انتباہ بھی دینے کی ہدایت کرے کہ تاریخِ مقررپر حاضر ہو کر رفعِ الزام نہ کرنے کی صورت میں مدعیہ کے بیان و شہادت کے مطابق مقدمہ فیصل کر دیا جائے گا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقررہ تاریخ پر فریقین مع ثبوت و گواہان حاضر ہوئے مگر ناکافئ وقت کی بنا پر صرف مدعیہ اور اس کے گواہوں کے بیانات قلمبند ہو سکے، مدعی علیہ اور اس کے گواہان کے بیانات قلمبند کرنے کے لئے وقت نہ رہا؛ ایسی صورت میں اگلی پیشی کی تاریخ مقرر کر کے مدعی علیہ کو مع ثبوت و گواہان حاضر ہونے کا حکم جاری کرے۔

نوٹ: فردِ احکام میں احکام والے خانے میں قاضی یکے بعد دیگرے احکامات جاری کرتا رہے گا مگر ان احکامات پر حکمِ اول اور حکمِ ثانی وغیرہ کا عنوان نہ لگائے گا، یہاں محض تفہیم کے لئے اس طریقہ کو اختیار کیا گیا ہے البتہ ہر حکم کے آخر میں قاضی فقط لکھ کر دستخط ضرور کرے گا۔

نمونہ فردِ احکام

عدالت دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

مقدمہ نمبر (۵ / ۵۰۰۰) ۱۴۴۲ھ

فردِ احکام

نام۔۔بنت/ ولد۔۔ساکن۔۔ڈاکخانہ۔۔تھانہ۔۔ضلع۔۔مدعی/ مدعیہ

بنام

نام۔۔بنت/ ولد۔۔ساکن۔۔ڈاکخانہ۔۔تھانہ۔۔ضلع۔۔مدعی علیہ/ مدعیہ علیہا

تاریخِ داخلہ۔۔۔مقدمہ کی نوعیت۔۔۔تاریخ فیصلہ۔۔۔

تاریخ	احکام	دستخطِ تعمیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فإن تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

آپسی اختلاف کا شرعی حل

ارشادالٰہی ہے کہ :اَلَمۡ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزۡعُمُونَ أَنَّهُمۡ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيۡكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبۡلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدۡ أُمِرُوا أَن يَكۡفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيۡطَانُ أَن يُضِلَّهُمۡ ضَلَالًا بَعِيدًا۔سورۃ النساء(60)(ترجمہ) کیا آپ ﷺ نے (اے محمد ﷺ) ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ پر نازل کی گئی ،اور جو کتاب آپ ﷺ سے پہلے نازل کی گئی ،(مگر) وہ اپنے مقدمات شیطان کی طرف لے جانا چاہتے ہیں ،حالانکہ ان کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کو (حکم وحاکم)تسلیم نہ کریں (لیکن)شیطان ان (مسلمانوں) کو بہکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے ،اس آیت کا مفہوم ومقصد یہ ہے کہ غیر مسلموں کو حکم وحاکم نہیں بنانا چاہیےاور مسلمان اپنے معاملات میں ان کی طرف رجوع نہ کریں ،ان کے پاس مقدمات فیصلہ کے لیے لے جانا گمراہی وضلالت ہے ،اس آیت سے پہلے ارشاد ہے :يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌سورۃ النساء(59) یعنی اے ایمان والو!اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور صاحب امر (امیر) کی جو تم مسلمانوں میں سے ہو اور جب کسی امر میں نزاع ہو تب اللہ ورسول ﷺ کے احکام کی طرف رجوع کرو ،جن کا مطلب یہ ہے کہ اپنے معاملات اور مقدمات کا فیصلہ اسلامی احکام کے مطابق ان مسلمانوں سے طلب کرو جو اس کے اہل ہوں خلاصہ یہ ہے کہ نزاعات جھگڑوں کو ختم نہ کرنا یا ایسے مقدمات جماعت مسلمین کو چھوڑ کر غیر مسلموں کے پاس لے جانا معصیت اور گناہ ہے ،اس گناہ اور ذلت سے محفوظ رہنے کے لئے اسلامی فقہ نے غیر مسلمانوں کی حکومت میں امیر مسلم اور قاضی شرع کے قیام کو ضروری قرار دیا ہے ،چنانچہ دین کے اسی اصول کے پیش نظر تلنگانہ میں امارت اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا گیا ،اور امارت نے مسلمانوں کے باہمی تنازعات اور خصومات کی یکسوئی کے لیے دارالقضا کو قائم کیا ہے تاکہ مسلمان خدا کے نافرمان نہ بنیں۔

گناہ وعذاب کے استحقاق کے علاوہ دنیاوی بھی لحاظ سے یہ امر مناسب ہے کہ جو مقصد آسانی سے مسلمانوں کو اپنی قومی عدالت (دارالقضاء) سے حاصل ہو جائے اس کے لیے زیر باری پریشانی بے عزتی اور ذلت برداشت وگوارہ کی جائے ،اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ دارالقضاء میں اپنے معاملات پیش کرے اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے آگے اپنا سر جھکائے دین ودنیا کی سرخروئی اور بھلائی کا یہی سیدھا راستہ ہے اور نفس امارہ کے حکم پر نہ چلے کہ وہ ہمیشہ بری بات کی طرف چلاتا ہے اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ. کہ نفس امارہ تو بری باتوں کا ہی حکم کرتا ہے۔

نمونۂ اطلاع بنام مدعا علیہ برائے طلب بیان تحریری

اطلاع بنام مدعیٰ علیہ

خواجہ سراج الدولہ

نشان مقدمہ:۵ / ۵۰۰۰ / ۱۴۴۲ھ

نام مدعیہ:ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ

ساکن:محمدی لائن فرسٹ لانسر حیدرآباد

بنام

نام مدعیٰ علیہ:خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ

ساکن:رسالہ بازار، گولکنڈہ حیدرآباد

مدعی/ مدعیہ نے آپ پر عدالت شرعیہ دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ میں دعوی دائر کی ہے

جس کی نقل اس اطلاع کے ساتھ بھیجی جاتی ہے اور بیانِ تحریری کے

لیے تاریخ ۱۶ / ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۷ / جون ۲۰۲۱ء روزِ اتوار مقرر کی گئی ہے ،آپ اپنا بیانِ تحریری تفصیل کے ساتھ تاریخ مذکور کے اندر بذریعہ رجسٹری ٹپہ یا دست بدست دفتر ہذا پر داخل کریں۔

دستخط قاضی شریعت..................

تاریخ:۶ / ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ م ۱۷ / جون ۲

نوٹ :مراسلت میں اپنے مقدمہ کا نمبر اور فریقین کا نام اور پتہ دیجئے ،ورنہ عدم کاروائی کی ذمہ داری دفتر پر نہیں ہوگی۔

نمونہ اطلاع بنام مدعیہ

بعدالت دار القضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

مقدمہ نمبر (۵/ ۵۰۰۰) ۱۴۴۲؁ھ

---------------------------مدعی/ مدعیہ

---------------------------مدعی علیہ/ مدعی علیہا

اطلاع بنام مدعیہ

عرضئ دعوی پہونچی، دائر نمبر کی گئی اور تاریخ ۱۶/ ذی القعدہ ۱۴۴۲؁ھ مطابق ۲۷/ جون ۲۰۲۱؁ء بروز اتوار تک مدعی علیہ/ مدعی علیہا سے بیانِ تحریری بذریعہ رجسٹری پوسٹ یا دست بدست طلب کیا گیا ہے، جواب آنے پر کوئی تاریخ پیشئ مقدمہ کی مقرر کر کے آپ کو مطلع کیا جائے گا فقط۔

دستخط نائب قاضئ شریعت

۱۷/ شوال ۱۴۴۲؁ھ

۲۹/ مئی ۲۰۲۱؁ء

نمونہ اطلاع برائے پیشی وسماعت مقدمہ

بعدالت دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

مقدمہ نمبر (۵ / ۵۰۰۰) ۱۴۴۲ھ

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مدعی/ مدعیہ

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مدعی علیہ/ مدعی علیہا

اطلاع بنام مدعی/ مدعیہ

مقدمہ ہذا میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے نام اطلاع مع مثنّٰی عرضئ دعوی جاری ہوئی اور اس سے بیانِ تحریری موصول ہوا، لہذا پیشئ مقدمہ کی تاریخ ۱۶ / ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۷ / جولائی ۲۰۲۱ء روز منگل مقرر کی جاتی ہے، تاریخِ مذکور پر آپ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خود مع ضروری شواہد وثبوت بوقت ۹ / بجے دن دارالقضاء حاضر ہوکر اثباتِ دعویٰ ورفعِ الزام کریں۔ گواہان کم سے کم ایسے دو معتبر مرد مسلم یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونے چاہئے جو مقدمہ سے متعلق حالات سے پوری طرح براہِ راست واقف ہوں اور اصول وفروع میں سے نہ ہوں، تاریخ پر فریقین یہ اطلاع ساتھ لائیں۔فقط

دستخط نائب قاضی شریعت

یکم ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ م ۱۲ جولائی ۲۰۲۱ء

نوٹ: اس قسم کی ایک اطلاع؛ اطلاع بنام مدعی علیہ کے عنوان کے ساتھ مدعی علیہ کے نام بھی جاری کی جائے گی۔

۱۱)مقدمہ کی سماعت

(الف) مدعا علیہ کی جانب سے جب بیانِ تحریری آجائے یا مدعا علیہ کی جانب سے اطلاع کی وصولی سے انکار ہو تو (اسے متعیّنت قرار دے کر) قاضی سماعتِ مقدمہ کے لئے ایک تاریخ مقرر کر کے اطلاع بنام فریقین؛ محفوظ ذریعہ سے ارسال کرے گا۔

(ب) تاریخِ سماعت پر جب فریقین حاضر ہو جائیں تو پہلے فریقین اور گواہوں سے مطبوعہ حاضری فارم پر حاضری درج کرائیں گے اور اس پر ان کی دستخط لے کر مسل میں شامل کر دیا جائے گا۔

(ج) فریقین اور گواہوں کی حاضری کے بعد سماعتِ مقدمہ کی کاروائی شروع کی جائے گی؛ اوّلاً دعوی اور جوابِ دعوی کی روشنی میں صلح کی کوشش کی جائے گی؛ اگر یہ کوشش کامیاب ہو جائے تو جن نکات اور شرائط پر صلح ہو، اس کو صلح نامہ کے طور پر قلمبند کر کے اس پر قاضی فریقین سے اپنے سامنے دستخط کرالے یا نشانِ انگوٹھا لگوالے اور اس صلح نامہ کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کر دے۔

(د) اگر صلح کی کوشش کامیاب نہ ہو تو پہلے مدعی اس کے بعد مدعی کے گواہان پھر مدعیٰ علیہ کا بیان علیحدہ علیحدہ سفید کاغذ پر قلمبند کیا جائے گا؛ اگر مدعی علیہ، صفائی کے گواہ پیش کرے تو مدعی علیہ کے بیان کے بعد اس کے گواہوں کا بیان تحریر کیا جائے گا؛ اسی طرح اگر کسی مقدمہ میں مدعی علیہ بھی کسی خاص معاملہ میں مدعی کی حیثیت رکھتا ہے تو اس کا اور اس کے گواہان کا بیان؛ فریقِ اول اور اس کے گواہان کے بیانات سے قبل بھی قلمبند کیا جا سکتا ہے۔

۵) قاضی فریقین اور گواہان کے بیانات میں نام، ولدیت، پورا پتہ، عمر اور بوقتِ ضرورت حلیہ و پیشہ بھی درج کر لے تا کہ فریقین اور گواہان کا مکمل تعارف ہو جائے اور خاص طور پر یہ بات بھی پوچھ لے کہ ان کا فریقین سے کیا رشتہ ہے۔

۶) بیان مکمل ہونے کے بعد وہ بیان، بیان دینے والے کے سامنے پیش کر دیا جائے یا اسے پڑھ کر سنائے پھر اس سے دستخط یا نشانِ انگوٹھا لے لیا جائے اور اس کے بعد قاضی اپنا دستخط

تاریخ کے ساتھ ثبت کردے۔

۷) اگر بیان میں کوئی لفظ کاٹا گیا ہو تو اس پر قاضی اپنا دستخط کردے۔

۸) بیان میں یہ کوشش کی جائے کہ بیان دینے والے کے الفاظ ہی درج ہوں، قاضی اپنی جانب سے کوئی تعبیر یا تشریح نہ لکھے۔

۹) مدعی کے بیان کے وقت مدعی علیہ خود یا اس کا نامزد وکیل بیٹھ سکتا ہے، اسی طرح مدعی علیہ کے بیان کے وقت مدعیہ/ مدعی خود رہے یا اس کا نامزد وکیل۔

۱۰) فریقین کے بیانات کے وقت وہاں پر کوئی گواہ موجود نہ رہے جو فریقوں کا بیان سن رہا ہو۔

۱۱) اسی طرح ہر گواہ کے بیان کے وقت کوئی دوسرا گواہ وہاں نہ رہے جو اس گواہ کے بیان کو سُن سکے، یہ تدبیر فقہاءِ کرام نے گواہی میں تزویر (جعلسازی) کے امکان پر روک لگانے کے لئے تجویز کی ہے۔

۱۲) تمام بیانات اور بحث ترتیب وار فائل میں منسلک کردی جائے۔

نمونۂ حاضری فارم

بعدالت دارالقضاء امارت ملتِ اسلامیہ تلنگانہ

مقدمہ نمبر (۵ / ۵۰۰۰) ۱۴۴۲ھ

نام ۔۔۔۔ ولدیت ۔۔۔۔ سکونت ۔۔۔۔ مدعی/ مدعیہ

بنام

نام ۔۔۔۔ ولدیت ۔۔۔۔ سکونت ۔۔۔۔ مدعی علیہ/ مدعیہ علیہا

بحضور جناب قاضی شریعت دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

عرض خدمت یہ ہے کہ میں ۔۔۔۔۔ مدعی آنجناب کے حکم کے مطابق اپنے گواہوں کے ساتھ تاریخِ پیشی پر حاضر ہوں، التجا ہے کہ میرا اور میرے گواہوں کا بیان قلمبند کرلیا جائے۔ عدالت دارالقضاء میں، میں یہ تحریری اقرار کرتا ہوں کہ قاضی شریعت میرے مقدمہ کا جو فیصلہ کریں گے میں اس فیصلہ کو بسر و چشم قبول ومنظور کروں گا اور عدول حکمی نہیں کروں گا، گواہوں کے نام حسبِ ذیل ہیں:

نام گواہان

۱) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دستخط/ نشان انگوٹھا مدعی/ مدعیہ

۲) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۳) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تاریخ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نوٹ: (۱) مدعی/ مدعیہ اپنے حاضری فارم پر صرف گواہوں کے نام درج کرے گا ان کی دستخط کی ضرورت نہیں البتہ ختم مضمون پر مدعی/ مدعیہ کی دستخط ضروری رہے گی۔

(۲) اسی قسم کے حاضری فارم پر مدعی کے گواہان اور مدعی علیہ اور اس کے گواہان بھی اپنی حاضری درج کریں گے اور عرضِ خدمت یہ ہے کہ میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس خالی جگہ میں اپنا نام اور اس کے بعد اپنی حیثیت یعنی مدعی کے گواہان یا مدعی علیہ وغیرہ ظاہر کریں گے۔

۱۲)وکیل بنانا:

مقدمہ کی پیروی کے لئے مدعی یا مدعی اعلیہ کسی شخص کو مقرر کر سکتے ہیں؛ ایسے شخص کو وکیل کہتے ہیں، اس صورت میں مدعی یا مدعی علیہ کو درخواست دینا ہوگا کہ ہم نے فلاں شخص کو مقدمہ کی پیروی کے لئے اپنا وکیل مقرر کیا وہ جو کچھ کرے گا ہم اس کے پابند ہوں گے اور وکیل کو بھی وکالت کی منظوری لکھنی ہوگی۔

نمونہ وکالت نامہ

بعدالت دارالقضاء امارت ملتِ اسلامیہ تلنگانہ

مقدمہ نمبر (۵۰۰۰/۵) ۱۴۴۲ھ

نام ۔۔ ولدیت ۔۔ ساکن ۔۔ ڈاکخانہ ۔۔ تھانہ ۔۔ ضلع ۔۔ پن کوڈ ۔۔ مدعی/ مدعیہ

بنام

نام ۔۔ ولدیت ۔۔ ساکن ۔۔ ڈاک خانہ ۔۔ تھانہ ۔۔ ضلع ۔۔ پن کوڈ ۔۔ مدعی علیہ/ مدعی علیہا

بحضور جناب قاضی دارالقضاء امارتِ ملت اسلامیہ

عرضِ خدمت یہ ہے کہ میں ۔۔ مدعی/ مدعی علیہ نے اپنے مقدمہ میں مسمیّ ۔۔ بنت/ ولد ۔۔ ساکن ۔۔ تھانہ ۔۔ ضلع ۔۔ کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے، وہ میری طرف سے مختلف موقعوں پر معلومات پیش کرنے اور دیگر ضروری امور پر جرح و بحث کے مجاز ہیں اور وکالت نامہ پر ان کا دستخط/ نشان انگوٹھا موجود ہے، وہ جو کچھ میری طرف سے پیروی کریں گے میں اس کا پابند رہوں گا/ گی۔

دستخط/ نشان انگوٹھا وکیل ۔۔۔

دستخط/ نشان انگوٹھا درخواست دہندہ ۔۔۔

تاریخ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۳) فیصلہ کی ترتیب

فیصلہ کی ترتیب کاروائی کا آخری اور اہم حصہ ہے، فیصلہ کی ترتیب میں اس امر کا لحاظ رکھا جائے کہ فیصلہ بالکل مختصر نہ ہو اور نہ غیر متعلق بحثوں کو جمع کر کے اسے طویل بنا دیا جائے، فیصلہ میں حسبِ ذیل ترتیب قائم کی جائے:

(۱) عرضیٔ دعوی اور بیان عند القاضی کی روشنی میں خلاصۂ دعویٰ لکھا جائے۔

(۲) کاروائی کے تمام مراحل کو ذکر کیا جائے پھر فیصلے میں مدعی علیہ کے بیانِ تحریری اور بیان عند القاضی کے اہم حصوں کا خلاصہ شامل کیا جائے بعد ازاں مسلماتِ فریقین کو بھی ایک مستقل عنوان کے ساتھ زیرِ بحث لایا جائے۔

(۳) اثباتِ دعوی پر بحث کی جائے کہ فریق کے لئے کیا حجت موجود ہے یعنی مدعی علیہ کا اقرار ہے یا مدعیہ کا بینہ ہے یا مدعی علیہ کا نکول عن الحلف ہے یا فیصلہ کی بنیاد عرف و عادت پر ہے یا قرائنِ قاطعہ یا امارات پر ہے یا فیصلے کی بنیاد مختلف تحریری وثیقے ہیں۔

(۴) گواہوں کے بیانات میں اگر اختلاف ہو اور اس کا اثر فیصلے پر پڑتا ہو تو قاضی فیصلہ میں اختلافی شہادت پر بھی بحث کرے۔

(۵) تنقیحِ دعوی کے بعد حکمِ شرعی کی تطبیق کی جائے۔

(۶) تطبیقِ حکم میں نصوصِ شرعیہ (کتاب وسنت) اور ائمہ فقہاء کی تصریحات کو بھی دلیل میں ذکر کیا جائے۔

(۷) دعوی کا جو جزء؛ حجت سے ثابت نہ ہو، اُسے خارج قرار دیا جائے۔

(۸) ثابت شدہ اجزاء دعوی پر الگ الگ حکم قلمبند کیا جائے۔

(۹) مقدمہ کی نوعیت کے پیشِ نظر؛ قاضی اپنے فیصلے میں اس شرعی حکم کی عملی تنفیذ کے لئے اربابِ حل وعقد (ائمہ مساجد، علماء، محلہ یا شہر کے بااثر سماجی کارکنان وغیرہ) کو بھی متوجہ کر سکتا ہے۔

(۱۰) قاضی اثنائے سماعت؛ منکرامور پر بھی تنبیہی احکام صادر کرے کیوں کہ کارِ قضاء کے

ذریعہ جہاں حقوق زندہ کئے جاتے ہیں وہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔

(۱۱) فیصلہ کے ہر صفحہ پر قاضی اپنا دستخط کرے گا اور اگر کوئی اندیشہ نہ ہو تو فریقین کی موجودگی میں اسے فریقین کو سنا دے بصورتِ دیگر فیصلہ کے متن (یعنی حکم) کی نقل فریقین کو بھیج دی جائے۔

(۱۲) فیصلہ اور دیگر کاغذات کی نقل اگر فریقین حاصل کرنا چاہیں تو باضابطہ درخواست کے بعد مطلوبہ کاغذات کی اجرتِ نقل جمع کرا کر نقل جاری کی جاسکتی ہے (رہنمائے قاضی: ۷۸)

نمونۂ اعلان مفقود الخبر

اعلان مفقود الخبر

مقدمہ (۵۰۰۰/۵) ۱۴۴۲ھ

نام۔۔۔۔ولدیت۔۔۔۔ساکن۔۔۔ڈاکخانہ

۔۔۔تھانہ۔۔۔ضلع۔۔۔۔پن کوڈ۔۔۔مدعی علیہ

بنام

نام۔۔ولدیت۔۔ساکن۔۔ڈاکخانہ۔۔تھانہ۔۔ضلع۔۔پن کوڈ۔۔مدعی علیہ

اطلاع بنام مدعاعلیہ

مدعاعلیہ مذکور کو بذریعہ اخبار یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ تمہاری منکوحہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے فسخِ نکاح کا مقدمہ دائر کیا ہے کہ تم نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔سالوں سے اسے چھوڑ رکھا ہے نہ تم نے نان ونفقہ دیا اور نہ کبھی خبر لی اور نہ تمہارا کوئی پتہ ہے۔

لہذا تم کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ تم مؤرخہ۔۔۔۔۔۔۔۔کو دارالقضاء میں حاضر ہو کر رفع الزام کرو ورنہ بصورت عدم حاضری مقدمہ فیصل کر دیا جائے گا۔

منجانب: قاضی شریعت دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ حیدر آباد

اعلان غائب غیر مفقود

مقدمہ (۵/۵۰۰۰) ۱۴۴۲ھ

نام۔۔ولدیت۔۔ساکن۔۔ڈاکخانہ۔۔تھانہ۔۔ضلع۔۔پن کوڈ۔۔مدعیہ

بنام

نام۔۔ولدیت۔۔ساکن۔۔ڈاکخانہ۔۔تھانہ۔۔ضلع۔۔پن کوڈ۔۔۔مدعی علیہ

اطلاع بنام مدعا علیہ

اس مقدمہ میں مدعیہ نے اپنے شوہر کے خلاف دارالقضاء امارت ملتِ اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ حیدرآباد میں فسخِ نکاح کا دعوی دائر کیا ہے کہ مؤرخہ ۱۵ / اکتوبر ۱۹۹۸ء کو بہ عوض مہرِ مؤجل مبلغ پندرہ ہزار روپئے سکّہ ہند آپ سے نکاح ہوا، بعدازاں شوہر کا ذہنی توازن اس قدر خراب ہوگیا کہ وہ چار پانچ سال سے غائب ولا پتہ ہے، آپ کے لا پتہ ہونے کی گواہی آپ کے حقیقی ماموں۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے دی ہے، لہذا تم مدعا علیہ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہوں اپنی موجودگی کی اطلاع دارالقضاء کو دیں اور مؤرخہ یکم ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۲ / جون ۲۰۲۱ء بروزِ اتوار بوقت تین بجے دن دارالقضاء پنجہ شاہ حیدرآباد حاضر ہوکر رفعِ الزام کرو، عدم پیروی کی صورت میں مقدمہ کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

منجانب: قاضی شریعت دارالقضاء امارت ملتِ اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ حیدرآباد۔

نوٹ: اس اعلان کے بعد مناسب ہوگا کہ مزید دو اعلان اس طرح کے اور دیئے جائیں اور ہر بعد والے اعلان میں پچھلے اعلان کا بھی حوالہ ضرور دیا جائے کہ اس تعلق سے مؤرخہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کو آپ کے نام اس اخبار میں اعلان شائع کر کے رفعِ الزام کا موقع دیا گیا مگر آپ نے کوئی پیروی نہیں کی لہذا تم مدعا علیہ کو آگاہ کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔اور اخیر والے اعلان میں یہ انتباہ بھی دے دیا جائے کہ بصورتِ عدم پیروی وعدم حاضری مقدمہ کا فیصلہ کردیا جائے گا اور مزید مہلت نہیں دی جائے گی۔

۱۴) دارالقضاء کی کاروائی کے چار مراحل پر اجمالی نظر

سابقہ بحث سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عرضئ دعوی سے لے کر فیصلہ تک دارالقضاء کی کاروائی بالترتیب چار مراحل سے گذرتی ہے جو درجِ ذیل ہیں:

پہلا مرحلہ: درخواست دہندہ کی جانب سے درخواست دینے پر اس کا جائزہ لینا اور اصول و ضوابط کے مطابق ہونے کی صورت میں اس کو قبول کر لینا۔

دوسرا مرحلہ: رجسٹر اندراجِ مقدمہ میں متعلقہ تفصیلات درج کرنا، درخواست پر مقدمہ نمبر لگانا پھر فی الفور اس مقدمہ کی فردِ کاروائی/فردِ احکام تیار کرنا، اور بیانِ تحریری طلب کرنے کے لئے مدعی علیہ کے نام اطلاع جاری کرنا پھر اس کاروائی سے مدعی/مدعیہ کو بھی مطلع کرنا۔

تیسرا مرحلہ: مدعی علیہ کی جانب سے سامنے آنے والے ردِّ عمل کی روشنی میں درجہ بدرجہ مقدمہ کی کاروائی کو آگے بڑھانا اور بالآخر پیشی اور سماعتِ مقدمہ کی تاریخ طئے کر دینا، اور مقررہ تاریخ پر فریقین اور ان کے گواہان کے ثبوت و بیانات کو قلمبند کر لینا۔

چوتھا مرحلہ: اب تک کی مکمل کاروائی کی روشنی میں فیصلہ کو مرتب کرنا اور زیرِ بحث مقدمہ کو اختتام تک پہنچانا۔

نمونہ کابین نامہ

(تفویضِ طلاق کا مضمون)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امابعد! میں ۔۔ولد۔۔ساکن۔۔ضلع۔۔کا ہوں، میرا نکاح مسماۃ۔۔بنت۔۔ساکن۔۔ضلع۔۔کے ساتھ شرائطِ ذیل پر بعوضِ مہر۔۔روپیہ سکۂ رائج الوقت کے قرار پایا ہے؛ لہذا میں بدرستی ہوش وحواس بلاکسی جبر واکراہ کے مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھتا ہوں تاکہ میں اس کا پابند رہوں اور درصورت عدم پابندی؛ مسماۃ موصوفہ بالا کے لئے رہائی کی صورت ہوسکے پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جب تک وہ میرے نکاح میں رہے میں شرائطِ مندرجہ ذیل کا پابند رہوں گا اور بغرضِ اطمینان لکھتا ہوں کہ اگر میں مسماۃ مذکور سے نکاح کروں اور نکاح کے بعد شرائطِ ذیل میں کسی شرط کے خلاف کروں تو اس کے بعد مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاقِ بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جاوے شرائط یہ ہیں:

(۱)۔۔۔(۲)۔۔۔(۳)۔۔۔اس کابین نامہ کو میں نے منظور کیا اور لکھوا کر دیکھنے سننے کے بعد آج بتاریخ۔۔۔ماہ۔۔۔سنہ۔۔۔دستخط/نشانِ انگشت کرتا ہوں۔

العبد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

گواہ اول۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

گواہ دوم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نوٹ: نکاح سے قبل اس کابین نامہ پر دستخط ہو جانا چاہئے، بعدازاں نکاح کی زبانی وتحریری کاروائی ہوگی۔ (دیکھئے الحیلۃ الناجزہ: ۴۱)

اس کابین نامہ کے مطابق شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں عورت کو اپنے اوپر ایک طلاقِ بائن واقع کرنے کا کلّی اختیار مل جاتا ہے، لیکن ظاہر ہے طلاق کے معاملہ میں عورت کو اتنی آزادی دے دینا؛ اس کی فطری انفعال مزاجی اور قوتِ فیصلہ کی کمی کو مدنظر

رکھتے ہوئے کسی طرح بھی مناسب اور قرینِ مصلحت نہیں، اس لئے بہتر ہے، یہ اختیار یا تو کسی دار القضاء کو تفویض کیا جائے یا پھر عورت کے تفویضِ طلاق کے حق کو دونوں خاندان کے معاملہ فہم افراد میں سے ہر ہر جانب کے ایک ایک فرد کی رائے اور فیصلے کے ساتھ جوڑ دیا جائے یا کم از کم عورت کے ولی کو اس میں شامل کیا جائے کہ: ''اگر وہ مذکورہ شرائط کی خلاف ورزی کا ہونا تسلیم کرلیں اور طلاق کو مناسب کہیں تو ایسی صورت میں عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اوپر ایک طلاقِ بائن واقع کرلے''۔

نوٹ: تفویضِ طلاق کی کتبِ فقہ میں تین صورتیں ملتی ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) نکاح سے پہلے ہی تفویض پر معاہدہ طئے ہوجائے اور عہد نامہ پر فریقین کے دستخط ہوجائیں، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ تفویض میں نکاح کرنے کی شرط ذکر کردی جائے مثلاً یوں کہے:

''اگر میں نے تم سے نکاح کیا اور فلاں فلاں بات میری طرف سے پائی گئی تو تم کو اپنے آپ طلاقِ بائن واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا'' اوپر دیا گیا ''نمونۂ کابین نامہ'' اسی پہلی صورت کے مطابق ہے۔

(۲) ایجاب وقبول ہی میں تفویضِ طلاق کردیا جائے: اس صورت میں ضروری ہے کہ ایجاب عورت یا اس کے ولی کی طرف سے تفویضِ طلاق کی شرط کے ساتھ ہو اور مرد اس کو قبول کرلے، اگر مرد کی طرف سے ایجاب ہو اور وہ ایجاب کے ساتھ تفویضِ طلاق کرے اور عورت قبول کرے تو اس کا اعتبار نہیں۔

(۳) نکاح کے بعد طرفین: تفویضِ طلاق کے معاہدہ نامہ پر دستخط کردیں، چاہے اس معاہدہ میں شوہر کی طرف سے پہل ہو یا بیوی کی طرف سے، دونوں ہی صورتیں درست ہیں۔

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم تفویضِ طلاق کی ان تینوں صورتوں کو قلمبند کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں: یوں تو نکاح کے وقت تفویضِ طلاق

کے موضوع پر گفتگو سماج کے موجودہ مزاج کے تحت گراں محسوس ہوگی لیکن اگر اِس طرح کے نکاح نامے طبع کرالئے جائیں اوراس فارم میں پہلے سے اس طرح کی تحریر موجود ہوتو لوگ بتدریج اس کے عادی ہوجائیں گے۔(جدید فقہی مسائل:۴/۲۶۶)

اگر ہمارے معاشرہ میں اِس طرح تفویضِ طلاق کی مناسب شکلیں رواج پذیر ہوجائیں تو ایک طرف تو شوہروں کے مظالم اور ہٹ دھرمیوں سے،مظلوم خواتین کی علیحدگی میں آسانیاں پیدا ہوں گی تو دوسری طرف شرعی عدالتوں کی جانب سے کی جانے والی تفریق اور فسخِ نکاح کے عمل میں درپیش مشکلات پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔

ایک مقدمہ کی کاروائی کا مکمل نمونہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ ورسولہ

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

نشان مقدمہ: ۵ / ۱۵۱۱ ۱۴۳۴ھ

فرد کاروائی

نام: ہندہ فاطمہ بنت: محمد ابراہیم الدولہ ساکن: محمدی لائن فرسٹ لانسر حیدرآباد مدعیہ

بنام

نام: خواجہ سراج الدولہ ولد: خواجہ معین الدولہ ساکن: رسالہ بازار گولکنڈہ حیدرآباد مدعا علیہ

تاریخ داخلہ — نوعیتِ مقدمہ — تاریخ فیصلہ

تاریخ	احکام	دستخطِ تعمیل
۶ / صفر ۱۴۳۴ھ م ۲۰ / ڈسمبر ۲۰۱۲ء	مقدمہ دائر نمبر کرتے ہوئے فریقِ دوم کے نام اطلاع معہ نقل عرضی دعویٰ بذریعہ رجسٹری پوسٹ جاری کرتے ہوئے مؤرخہ ۶ / ربیع الاول ۱۴۳۴ھ م ۱۹ جنوری ۲۰۱۳ء روزِ ہفتہ تک فریق دوم سے بیان تحریری طلب ہو نیز اس کاروائی سے مدعیہ کو بھی اطلاع کردی جائے۔ فقط	
۲۴ / صفر ۱۴۳۴ھ م ۸ / جنوری ۲۰۱۳ء	فریقِ دوم مدعی علیہ کے نام کی مجریہ اطلاع پوسٹ کی اس رپورٹ کے ساتھ واپس آگئی کہ مکتوب الیہ مکان میں موجود نہیں ہے لہذا اب مدعیہ کو لکھا جائے کہ مدعی علیہ کا موجودہ پتہ ہو تو ورنہ مدعی علیہ کے دو قریبی رشتہ داروں	

	کے نام و پتے مؤرخہ ۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ م ۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء روز جمعرات تک طلب ہو۔فقط	
۱۵/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ م ۲۶/فروری ۲۰۱۳ء	والد مدعیہ نے مدعی علیہ کے ایک رشتہ دار محمد انور الدین خان عرف انّو کا پتہ داخل کیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پتہ پر اطلاع معہ نقل عرضی بذریعہ رجسٹری پوسٹ جاری کرتے ہوئے مؤرخہ ۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ م ۲۱/مارچ ۲۰۱۳ء روزِ جمعرات تک موصوف سے مدعا علیہ کے بارے میں جواب طلب کیا جائے اور اس کاروائی سے مدعیہ کو بھی اطلاع کردی جائے۔فقط	
۱۱/جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ م ۲۲/اپریل ۲۰۱۳	محمد انور الدین نے دارالقضاء کی اطلاع بذریعہ رجسٹری پوسٹ نہیں لیا، نیز مدعیہ کے والد نے مدعا علیہ کے حقیقی ماموں مرزا خسرو بیگ کو دارالقضاء میں لاکر حلفیہ بیان قلمبند کروایا، لہٰذا موصوف کے بیان سے یہ واضح ہے کہ مدعا علیہ کا ذہنی توازن خراب ہے اور وہ ایک طویل عرصہ سے غائب ولا پتہ ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہ کے نام روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد میں اعلان غائب غیر مفقود شائع کرتے ہوئے مؤرخہ یکم رجب المرجب ۱۴۳۴ھ م ۱۲/مئی ۲۰۱۳ء بروز اتوار	

	رفعِ الزام کے لیے بوقت ۳ بجے دن دارالقضاء پنجہ شاہ حیدرآباد طلب کیا جائے اور یہ بھی لکھا جائے کہ عدم پیروی کی صورت میں مقدمہ کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔فقط	
۱۱/رجب ۱۴۳۴ھ م ۲۲/مئی ۲۰۱۳ء	مؤرخہ ۱۲/مئی ۲۰۱۳ء کو مدعا علیہ کے نام اخباری اعلان شائع کیا گیا تھا مگر اس نے کوئی پیروی نہیں کی لہٰذا اب دوبارہ ۱۲/شعبان ۱۴۳۴ھ م ۲۲/جون ۲۰۱۳ء کو اعلان شائع کرواکر مدعاعلیہ کو دارالقضاء حاضر ہوکر رفعِ الزام کرنے کو کہا جائے یہ بھی لکھا جائے کہ عدم پیروی کی صورت میں مقدمہ کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔فقط	
۲۰/شعبان ۱۴۳۴ھ م ۳۱/مئی ۲۰۱۳ء	مؤرخہ ۱۲/شعبان ۱۴۳۴ھ م ۲۲/جون ۲۰۱۳ء کو مدعیٰ علیہ کے نام اخباری اعلان شائع کیا گیا تھا مگر اس نے اعلان کے مطابق کوئی پیروی نہیں کی لہٰذا اب سہ بارہ ۲۴/شعبان ۱۴۳۴ھ م ۴ جولائی ۲۰۱۳ء کو اعلان شائع کرواکر مدعی علیہ کو دارالقضاء حاضر ہوکر رفعِ الزام کا حکم کیا جائے یہ بھی لکھا جائے کہ عدم پیروی وعدم حاضری کی صورت میں مقدمہ کا فیصلہ کردیا جائے گا اور مزید مہلت نہیں دی جائے گی۔فقط	

۲۰/شوال ۱۴۳۴ھ م ۳۰/جولائی ۲۰۱۳ء	مدعا علیہ کے نام بالترتیب ۱۲/مئی ۲۰۱۳ء، ۲۲/جون ۲۰۱۳ء اور ۴/جولائی ۲۰۱۳ء کو بذریعہ اخبار اعلان شائع کیا گیا تھا مگر مدعا علیہ مذکورہ تاریخوں پر دارالقضاء نہ حاضر ہوا اور نہ ہی کوئی پیروی کی لہٰذا اب پیشی کی تاریخ ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ م ۳/اکتوبر ۲۰۱۳ء بروزِ جمعرات بوقت تین بجے دن مقرر کی جاتی ہے، تاریخ مذکور پر مدعیہ مع ثبوت و گواہاں دارالقضاء طلب ہوں۔فقط	
۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ م ۳/اکٹوبر ۲۰۱۳ء	مقررہ تاریخ پیشی پر مدعیہ مع ثبوت و گواہاں دارالقضاء حاضر ہوئی اس کے اور اس کے گواہوں کے بیانات قلم بند کیے گئے لہٰذا اب کاروائی ختم کی جاتی ہے مسل قریبی فرصت میں فیصلہ کے لیے پیش ہو۔فقط	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولیکتب بینکم کاتب بالعدل

فارم درخواست

بخدمت جناب قاضی شریعت دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ۔ حیدرآباد۔ ۲

Rs:20/

تاریخ :۵/صفر ۱۴۳۴ھ — رسید نمبر: 3710

مطابق: ۱۹/دسمبر ۲۰۱۲ء چہارشنبہ — مقدمہ نمبر: ۵ /۱۵۱۱، ۱۴۳۴ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

منکہ مسماۃ ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم الدولہ تاریخ پیدائش ۸ /اکتوبر ۱۹۸۰ء پیشہ خانہ داری ساکنہ محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدرآباد کا عقد نکاح مؤرخہ ۲۳ء جمادی الثانی ۱۴۱۹ھم ۱۵ /اکتوبر ۱۹۹۸ء کو بعوض مہر مؤجل دو دینار سرخ دو دینار شرعی پندرہ ہزار روپیہ سکّہ رائج الوقت کے مسمی خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ عمر تاریخ پیدائش ۱۷ /فروری ۱۹۷۰ء پیشہ ملازم خانگی ساکن جانگی نگر ٹولی چوکی حیدرآباد سے ہوا شوہر مذکور سے مجھے جملہ تین اولاد ہیں (۱) لڑکا محمد نعمان خان عمر ۱۲ /سال (۲) لڑکی اسماء عمر ۱۱ /سال (۳) رافعہ عمر آٹھ سال ہیں۔

بہرحال تین اولادوں کے بعد میرے شوہر کی دماغی حالت بگڑ گئی یہاں تک کہ وہ لوگوں کو پہچانتے بھی نہیں تھے جس کی بناء پر مجھے میکے آکر رہنا پڑا، اب وہ بھی کہاں ہیں کس حال میں ہیں پتہ نہیں ہے میں یہ تمام عرصہ جملہ حقوق زوجیت ونفقہ سے محروم ہوں تجرد کی زندگی سے عاجز ہوں عفت وعصمت کو خطرہ ہے لہٰذا جناب قاضی شریعت سے گذارش ہے میرا نکاح فسخ کردیں۔ فقط — دستخط

مکمل پتہ فریقہ اول

Name: Hinda Fatima

Father Name:MD Ibrahim dawla

Address:9-7-298/MD Lines

Dist:Second lancer HYD.TS

City:HYD PINCode:500008

Phone No:...................

مکمل پتہ فریقہ دوم

Name: Khaja siraj dawla

Father Name: Khaja moin dawla

Address:9-11-299/Risala bazar

Dist:Golconda HYD

City:HYd PINCode:500008

Phone No:...................

تنقیح: کیا آپ کا مقدمہ کسی عدالت میں زیر دوران ہے؟ اور ہے تو کہاں اور کس نوعیت کا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فإن تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ

دار القضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

آپسی اختلاف کا شرعی حل

ارشاد الٰہی ہے کہ: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا۔ سورۃ النساء (60) (ترجمہ) یعنی کیا آپ ﷺ نے (اے محمد ﷺ) ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ پر نازل کی گئی، اور جو کتاب آپ ﷺ سے پہلے نازل کی گئی، (مگر) وہ اپنے مقدمات شیطان کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کو (حکم وحاکم) تسلیم نہ کریں (لیکن) شیطان ان (مسلمانوں) کو بہکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے، اس آیت کا مفہوم ومقصد یہ ہے کہ غیر مسلموں کو حکم وحاکم نہیں بنانا چاہیے اور مسلمان اپنے معاملات میں ان کی طرف رجوع نہ کریں، ان کے پاس مقدمات فیصلہ کے لیے لے جانا گمراہی وضلالت ہے، اس آیت سے پہلے ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ سورۃ النساء (59) یعنی اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور صاحبِ امر (امیر) کی جو تم مسلمانوں میں سے ہو اور جب کسی امر میں نزاع ہو تب اللہ ورسول ﷺ کے احکام کی طرف رجوع کرو، جن کا مطلب یہ ہے کہ اپنے معاملات اور مقدمات کا فیصلہ اسلامی احکام کے مطابق ان مسلمانوں سے طلب کرو جو اس کے اہل ہوں خلاصہ یہ ہے کہ نزاعات جھگڑوں کو ختم نہ کرنا یا ایسے مقدمات جماعت مسلمین کو چھوڑ کر غیر مسلموں کے پاس لے جانا معصیت اور گناہ ہے، اس گناہ اور ذلت سے محفوظ رہنے کے لئے اسلامی فقہ نے غیر مسلمانوں کی حکومت میں امیر مسلم اور قاضی شرع کے قیام کو ضروری قرار دیا ہے، چنانچہ دین کے اسی اصول کے پیش نظر تلنگانہ میں امارت اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا گیا، اور امارت نے مسلمانوں کے باہمی تنازعات اور خصومات کی یکسوئی کے لیے دار القضا کو قائم کیا ہے تاکہ مسلمان خدا کے نافرمان نہ بنیں۔

گناہ وعذاب کے استحقاق کے علاوہ دنیاوی بھی لحاظ سے یہ امر نامناسب ہے کہ جو مقصد آسانی سے مسلمانوں کو اپنی قومی عدالت (دار القضاء) سے حاصل ہو جائے اس کے لیے زیر باری پریشانی بے عزتی اور ذلت برداشت وگوارہ کی جائے، اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ دار القضاء میں اپنے معاملات پیش کرے اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے آگے اپنا سر جھکائے دین ودنیا کی سرخروئی اور بھلائی کا یہی سیدھا راستہ ہے اور نفس امارہ کے حکم پر نہ چلے کہ وہ ہمیشہ بری بات کی طرف چلاتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ۔ کہ نفس امارہ تو بری باتوں کا ہی حکم کرتا ہے۔

اطلاع بنام مدعٰی علیہ

خواجہ سراج الدولہ

نشان مقدمہ: ۵/۱۵۱۱

نام مدعیہ: ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ

ساکن: محمدی لائن فرسٹ لانسر حیدرآباد

بنام

نام مدعیٰ علیہ: خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ

ساکن: رسالہ بازار، گولکنڈہ حیدرآباد

مدعی/ مدعیہ نے آپ پر عدالت شرعیہ دار القضاء امارت ملت اسلامیہ میں دعوی دائر کی ہے جس کی نقل اس اطلاع کے ساتھ بھیجی جاتی ہے اور بیانِ تحریری کے لیے تاریخ ۶/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۹/ جنوری ۲۰۱۳ء روزِ ہفتہ مقرر کی گئی ہے، آپ اپنا بیانِ تحریری تفصیل کے ساتھ تاریخ مذکور کے اندر بذریعہ رجسٹری ٹپہ یا دست بدست دفتر ہذا پر داخل کریں۔

دستخط قاضی شریعت ....

تاریخ: ۶/ صفر ۱۴۳۴ھ م ۲۰/ ڈسمبر ۲۰۱۲ء

نوٹ: مراسلت میں اپنے مقدمہ کا نمبر اور فریقین کا نام اور پتہ دیجئے، ورنہ عدم کاروائی کی ذمہ داری دفتر پر نہیں ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔حیدرآباد۔۲

مقدمہ نمبر:۵ / ۱۵۱۱ / ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ   مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ   مدعاعلیہ

اطلاع بنام مدعیہ

اس مقدمہ میں فریق دوم خواجہ سراج الدولہ کے نام اطلاع بذریعہ رجسٹری پوسٹ جاری ہوئی ہے اور مؤرخہ ۶/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۹/جنوری ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ تک بیان تحریری طلب کیا گیا ہے، جواب آنے کے بعد آپ کو اطلاع کردی جائے گی۔فقط

نائب قاضی شریعت

۲۰/ ۱۲/ ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔ حیدرآباد۔ ۲

مقدمہ نمبر: ۵ / ۱۵۱۱ / ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ مدعا علیہ

اطلاع بنام مدعیہ

اس مقدمہ میں مدعا علیہ کے نام کی اطلاع پوسٹ کی اس رپورٹ کے ساتھ واپس آگئی کہ وہ مکان میں موجود نہیں ہے، لہٰذا آپ مدعیہ کو لکھا جاتا ہے کہ اگر مدعا علیہ کا موجودہ پتہ ہو تو یا نہیں تو مدعا علیہ کے دو رشتہ داروں کے نام و پتے مؤرخہ ۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء بروزِ منگل تک دارالقضاء میں داخل کردیں تاکہ آگے کی کارروائی جاری رہ سکے۔ فقط

نائب قاضی شریعت

۲۵/صفر ۱۴۳۴ھ

مقدمہ نمبر:۵/ ۱۵۱۱ سنہ ۱۴۳۴ھ

M.D.ANWARUDDIN KHAN (ANNU)

H.NO.9-10-250,Risala Bazar

Golconda Fort, Hyderabad

500008.T.S

مدعیہ کی طرف سے ایک رشتہ دار کا پتہ داخل ہوا ہے، موصوف مدعا علیہ کے چچازاد بھائی ہیں، مذکورہ پتہ والدِ مدعیہ نے داخل کیا ہے۔

نائب قاضی شریعت

۹/ربیع الثانی سنہ ۱۴۳۴ھ

م ۲۰ فروری سنہ ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔ حیدرآباد۔ ۲

مقدمہ نمبر: ۵ /۱۵۱۱ / ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ مدعا علیہ

اطلاع بنام

محمد انورالدین صاحب

سلام مسنون؛ امید کہ بعافیت ہونگے۔

اس مقدمہ میں مدعیہ ہندہ فاطمہ نے اپنے شوہر خواجہ سراج الدولہ سے خلع حاصل کرنے کے لیے دارالقضاء ہذا سے رجوع ہوئی معلوم ہوا کہ مدعا علیہ موجود نہیں ہے، لہٰذا اس تعلق سے آپ کو لکھا جاتا ہے کہ اگر مدعا علیہ خواجہ سراج الدولہ موجود ہو تو یہ اطلاع اس پر تعمیل کرادیں موجود نہ ہونے کی صورت میں ایک مسلمان ہونے کے ناطے دینی وشرعی ذمہ داری تصور فرما کر مدعا علیہ کے بارے میں مؤرخہ ۲۱/ مارچ ۲۰۱۳ء بروز جمعرات ۳/ بجے دن دارالقضاء حاضر ہوکر اظہارِ حق کریں تا کہ عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔ فقط

نائب قاضی شریعت

۲۰۱۳/۲/۲۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔حیدرآباد۔۲

مقدمہ نمبر:۵ /۱۵۱۱ / ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ مدعاعلیہ

اطلاع بنام مدعیہ

اس مقدمہ میں مدعاعلیہ کے چچازاد بھائی محمد انور الدین خان عرف انّو کے نام اطلاع جاری ہوئی ہے، اوران سے مدعاعلیہ کے بارے میں جواب مؤرخہ ۲۱/مارچ ۲۰۱۳ء بروز جمعرات تک طلب کیا گیا ہے۔

نائب قاضی شریعت

۲۶/فروری ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار القضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔ حیدرآباد۔ ۲

اعلان غائب غیر مفقود

مقدمہ نمبر: ۵/۱۵۱۱/ ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ ساکن محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدرآباد مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ مرحوم ساکن رسالہ بازار گولکنڈہ حیدرآباد مدعا علیہ

اطلاع بنام مدعا علیہ

اس مقدمہ میں مدعیہ نے اپنے شوہر مدعا علیہ کے خلاف دار القضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ حیدرآباد میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کی ہے کہ مؤرخہ ۱۵/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو بعوض مہر مؤجل ملبغ پندرہ ہزار روپئے ودو دینار شرعی ودو دینار سرخ ہوا، شوہر کا ذہنی توازن اس قدر خراب ہوگیا کہ وہ چار پانچ سال سے غائب ولا پتہ ہے، تمہارے لا پتہ ہونے کی گواہی تمہارے حقیقی ماموں مرزا خسرو بیگ نے بھی دی، لہٰذا تم مدعا علیہ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہوں اپنے موجودگی کی اطلاع دار القضاء کو دیں اور مؤرخہ یکم رجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۲/مئی ۲۰۱۳ء بروز اتوار کو دار القضاء پنجہ شاہ حیدرآباد حاضر ہوکر رفع الزام کرو عدم پیروی کی صورت میں مقدمہ کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

قاضی شریعت دار القضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ حیدرآباد۔ ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔حیدرآباد۔۲

اعلان غائب غیر مفقود

مقدمہ نمبر:۵ /۱۵۱۱ /۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ ساکن محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدرآباد مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ مرحوم ساکن رسالہ بازار گولکنڈہ حیدرآباد مدعاعلیہ

اطلاع بنام مدعاعلیہ

اس مقدمہ میں مدعیہ نے اپنے شوہر مدعاعلیہ کے خلاف دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ حیدرآباد میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کی ہے کہ مؤرخہ ۱۵/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو بعوض مہر مؤجل ملبغ پندرہ ہزار روپئے ودو دینارشرعی ودودینارسرخ ہوا،شوہر کا ذہنی توازن اس قدر خراب ہوگیا کہ وہ چار پانچ سال سے غائب و لاپتہ ہے،تمہارے لاپتہ ہونے کی گواہی تمہارے حقیقی ماموں مرزا اخسرو بیگ نے بھی دی ہے،اس تعلق سے مؤرخہ ۱۲/مئی ۲۰۱۳ء کوتمہارے نام اسی اخبار میں اعلان شائع کر کے رفع الزام کا موقع دیا گیا،مگر تم نے کوئی پیروی نہیں کی،لہٰذا تمہارے نام دوبارہ اعلان شائع کیا جاتا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اپنی موجودگی کی اطلاع دارالقضاء پنجہ شاہ حیدرآباد کو دو اور مؤرخہ ۱۲/شعبان ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۲/جون ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ ۳ بجے دن دارالقضاء حاضر ہوکر رفع الزام کرو بصورت عدم پیروی مقدمہ کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

قاضی شریعت دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ حیدرآباد۔۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار القضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔ حیدر آباد۔ ۲

اعلان غائب غیر مفقود

مقدمہ نمبر: ۵ / ۱۵۱۱ / ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ ساکن محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدر آباد مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ مرحوم ساکن رسالہ بازار گولکنڈہ حیدر آباد مدعا علیہ

اطلاع بنام مدعا علیہ

اس مقدمہ میں مدعیہ نے اپنے شوہر مدعا علیہ کے خلاف دار القضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ حیدر آباد میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کی ہے کہ مؤرخہ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو بعوض مہر مؤجل مبلغ پندرہ ہزار روپئے ودو دینار شرعی ودو دینار سرخ ہوا، شوہر کا ذہنی توازن اس قدر خراب ہوگیا کہ وہ چار پانچ سال سے غائب و لاپتہ ہے، تمہارے لاپتہ ہونے کی گواہی تمہارے حقیقی ماموں مرزا خسرو بیگ نے بھی دی، اس تعلق سے مؤرخہ ۱۲/ مئی ۲۰۱۳ء اور ۲۲/ جون ۲۰۱۳ء کو تمہارے نام سے اخبار میں اعلان شائع کر کے رفع الزام کا موقع دیا گیا، مگر تم نے کوئی پیروی تک نہیں کی، لہٰذا تمہارے نام سہ بارہ اعلان شائع کیا جاتا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اپنی موجودگی کی اطلاع دار القضاء پنجہ شاہ حیدر آباد کو دو اور مؤرخہ ۱۱/ رمضان ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰/ جولائی ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ ۳ بجے دن دار القضاء ہذا حاضر ہو کر رفع الزام کرو بصورت عدم پیروی وعدم حاضری مقدمہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور مزید مہلت نہیں دی جائے گی۔

قاضی شریعت دار القضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ حیدر آباد۔ ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔ حیدرآباد۔ ۲

مقدمہ نمبر: ۵ / ۱۵۱۱ / ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ مدعا علیہ

اطلاع بنام مدعیہ

مقدمہ ہذا میں آپ مدعیہ کو لکھا جاتا ہے کہ مؤرخہ ۲۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ م ۳/ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات بوقت ۳ بجے دن تاریخ پیشی مقرر کی گئی ہے، اس تاریخ پر آپ مدعیہ بذات خود معہ گواہان وثبوت دارالقضاء حاضر ہو کر اثباتِ دعویٰ کریں، واضح رہے کہ گواہان دو مسلمان مرد ہوں جو مقدمہ سے متعلق حالات سے پوری طرح براہِ راست واقف ہوں۔ فقط

نائب قاضی شریعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔حیدرآباد۔۲

مقدمہ نمبر:۵/۱۵۱۱/ ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ مدعاعلیہ

اطلاع بنام

حسب الحکم دارالقضاء کے آج بتاریخ ۲۶/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ م ۳/اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات میں مدعیہ ہندہ فاطمہ بذات خود اپنے گواہان کو لے کر دارالقضاء حاضر ہوئی ہوں، جناب قاضی شریعت سے درخواست کرتی ہوں کہ میرا اور میرے گواہان کے بیانات قلمبند کر لیے جائیں، دارالقضاء ہذا سے جو بھی فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہوگا۔

گواہان کے نام حسب ذیل ہیں۔

گواہ نمبر (۱): محمد ریاض الدین ولد محمد فیاض الدین مرحوم (حقیقی ماموں)

گواہ نمبر (۲): محمد سلمان خان ولد محمد ابراہیم دولہ (حقیقی بھائی)

دستخط

Hinda Fatima

03/10/2013

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔ حیدرآباد۔ ۲

مقدمہ نمبر: ۵ / ۱۵۱۱ / سنہ ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ   مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ   مدعا علیہ

اطلاع بنام

آج بتاریخ ۲/ ذی الحجہ سنہ ۱۴۳۴ھ م ۸/ اکتوبر سنہ ۲۰۱۳ء بروز منگل دارالقضاء ہذا میں پیشی مقرر ہے لہٰذا میں دو (۲) گواہان منجانب مدعیہ دارالقضاء حاضر ہوئے ہیں، جناب قاضی شریعت سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم دونوں گواہان کے بیانات قلمبند کر لیے جائیں۔ فقط

گواہ نمبر (۱): محمد رضوان خان ولد محمد ابرہیم دولہ   (حقیقی برادر خورد مدعیہ)

دستخط معہ تاریخ گواہ (۱)............

گواہ نمبر (۲): محمد عابد خان ولد محمد عرفات خان   (تایازاد بھائی مدعیہ)

دستخط معہ تاریخ گواہ (۲)............

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

پنجہ شاہ۔ حیدرآباد۔ ۲

مقدمہ نمبر: ۵ / ۱۵۱۱ / ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ مدعا علیہ

اطلاع بنام

آج بتاریخ ۲۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ م ۴ ردسمبر ۲۰۱۳ء بروز چہارشنبہ کو میں محمد امتیاز الدین خان ولد محمد فیاض الدین خان دارالقضاء ہذا حاضر ہوا ہوں کیونکہ مجھے ہندہ فاطمہ کے تعلق سے گواہی دینا ہے۔ فقط

دستخط معہ تاریخ.................

بیان حلفی مدعیہ عند القضاء

میرا نام ہندہ فاطمہ ہے، میرے والد کا نام محمد ابراہیم دولہ ہے، میری تاریخ پیدائش ۸/۱اکتوبر ۱۹۸۰ء ہے، میں امورِ خانہ داری انجام دیتی ہوں، میں اپنے والد کے مکان محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدرآباد، میں رہتی ہوں، میرا عقد نکاح خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ تاریخ پیدائش ۱۷/فبروری ۱۹۷۰ء، پیشہ خانگی ملازم ساکن جانکی نگر، ٹولی چوکی حیدرآباد سے بتاریخ ۲۳/جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ م ۱۵ اکٹوبر ۱۹۹۸ء کو بعوض مہر مؤجل مبلغ پندرہ ہزار روپئے معہ دو دینار سرخ اور دو دینار شرعی ہوا، شادی کے بعد میرے ساتھ میرے شوہر کوئی ۵، ۶ ماہ رہے ہوں گے، اس کے بعد وہ سعودی عرب بغرض ملازمت چلے گئے، وہ شادی سے پہلے ہی سے سعودی عرب میں ملازم تھے، سعودی عرب جانے کے کچھ ماہ بعد ہی سعودی عرب سے اچانک حیدرآباد آ گئے اور یہیں رہنے لگے، شوہر نے مجھ سے کہا کہ میں حیدرآباد میں ہی کارڈ نٹر میکانک کام شروع کرنا چاہتا ہوں، شوہر میرے تمام زیورات فروخت کر کے کاروبار شروع کر دیے، کاروبار میں کوئی فائدہ نہیں ہوا، بالآخر وہ کاروبار بند کر دیے، اسی اثنا میں میرے شوہر مجھ پر شک بھی کرتے تھے، میرے شوہر کا ذہنی توازن آہستہ آہستہ خراب ہونے لگا، ذہنی توازن کے علاج کے لیے میں اپنے شوہر کا عاملوں درگاہ کے مرشدوں اور بالخصوص ڈاکٹر عبدالمجید خان ماہر امراض دماغ کے پاس بھی تقریبا تین (۳) سال علاج کروائی، ڈاکٹر عبدالمجید خان کی رپورٹ کے مطابق کہ "خواجہ سراج الدولہ کا ذہنی توازن ٹھیک ہوگیا ہے اب اس کی خود کی شرارت ہے" شوہر کا ذہنی توازن اس کے باوجود بھی اچھا نہیں ہوا، میرے شوہر پاگل پن کی حرکات کرنے لگے جیسا کہ اپنے آپ میں ہنسنا ، باتیں کرنا، اس طرح کی کیفیت بہت زیادہ کرنے لگے، شوہر مجھے مار پیٹ کرتے تھے اور گالی گلوج بھی دیتے تھے، شوہر کا ذہنی توازن اس قدر خراب ہو چکا تھا کہ پتہ نہیں وہ کہاں بھاگ گئے ہیں، شوہر تقریبا ۲۰۰۸ء سے تا حال بالکل غائب و لا پتہ ہے، اس اثنا میں میرے والدین اور میرے بھائی محمد عمران خان کے علاوہ میری ساس میرے چاچا خسر انور

اور میرے نندوئی اسلم نے کافی امکانی جگہوں پر میرے شوہر کو تلاش کیے لیکن میرے شوہر کا کہیں بھی پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے میرا غالب گمان ہے کہ شاید میرے شوہر مر چکے ہوں گے؛ میں تقریبا ۲۰۰۸ء سے تا حال سن ۲۰۱۳ء تقریبا چھ سال سے منجانب شوہر جملہ حقوقِ زوجیت اور نفقہ سے محروم ہوں، مجھے شوہر سے بالترتیب تین اولاد تولد ہوئے ہیں، محمد نعمان خان عمر ۱۳ سال، اسماء عمر ۱۲ سال، اور رافعہ عمر ۸ سال، اب تک میری اور میرے تینوں بچوں کی جملہ کفالت و پرورش میرے والدین برداشت کررہے ہیں؛ میں اپنے شوہر سے فسخ نکاح چاہتی ہوں اگر قاضی شریعت میرا نکاح میرے شوہر سے فسخ کر دیں تو میں دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہوں تا کہ میں سکون اور چین کی زندگی گزار سکوں۔ فقط

Hinda

03/10/2013

بیان حلفی گواہ نمبر(۱) مدعیہ

میرا نام محمد رضوان خان ہے، میرے والد کا نام محمد ابراہیم دولہ ہے، میری عمر ۲۸ سال ہے، میں نیروز یوا کمپنی کلاتھ شاپ عابڈس حیدرآباد میں ملازمت کرتا ہوں، میرا مکان محمدی لائن، سکنڈ لانسر حیدرآباد ہے اور یہ مکان میرے والد کا ذاتی ہے میری بہن کا نام ہندہ فاطمہ ہے اور اس کی عمر تقریبا ۳۰ سال ہوگی، میرے سے عمر میں دو سال بڑی ہے، ہندہ فاطمہ کی شادی خواجہ سراج الدولہ سے تقریبا آج سے ۱۲/ ۱۳ سال قبل ہوئی، خواجہ سراج الدولہ کے والد کا نام مجھے یاد نہیں ہے میرے بہنوئی کا شادی سے پہلے سے ہی سعودی عرب میں کار ڈینٹنگ کا ورکشاپ تھا میرے بہنوئی کا مکان قلعہ گولکنڈہ میں تھا، میں شادی میں شریک تھا مگر میری کم عمری کی وجہ سے مہر کتنا تھا مجھے معلوم نہیں ہے، شادی کے بعد دونوں میاں بیوی تقریبا ۵/سال تک ٹھیک رہے شادی کے ۳/سال بعد خواجہ سراج الدولہ سعودی عرب کے کاروبار چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے حیدرآباد آگئے، حیدرآباد میں کوئی کاروبار تو نہیں کیے صرف کاروبار شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے رہے، اسی دوران میری بہن کے جملہ زیورات فروخت کر دیئے یہ کہہ کر کہ مجھے کاروبار شروع کرنا ہے مگر کوئی کاروبار شروع نہیں کیے، پانچ سال بعد میرے بہنوئی کا ذہنی توازن آہستہ آہستہ خراب ہونے لگا ان کا کافی علاج کروایا گیا بالخصوص ڈاکٹر مجید خان ماہر امراض دماغ سے بھی علاج کروایا گیا، لیکن وہ دوا استعمال نہیں کرتے تھے، جس وقت سے ان کا ذہنی توازن خراب ہوا اس کے بعد سے میری بہن کو گالی گلوچ دیتا تھا اور مار پیٹ بھی کرتا تھا میرے بہنوئی خواجہ سراج الدولہ کا ذہنی توازن اس قدر خراب ہوگیا کہ وہ پاگلوں کی طرح سڑکوں پر پھرا کرتے تھے اب تقریباً عرصہ ۵ سال سے وہ بالکل غائب ولا پتہ ہے، لوگوں کے کہنے کے مطابق ہر امکانی جگہوں پر میں بذات خود انہیں تلاش کیا اور میرے والد بھی تلاش کئے اور خود اس کی والدہ یعنی خواجہ سراج الدولہ کی والدہ بھی تلاش کی ہے مگر اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں اور کس جگہ ہے عرصہ ۵ سال سے میری بہن اپنے ۳ بچوں کے ساتھ میرے والدین کے پاس رہتے ہیں اور جملہ

اخراجات میرے والدین ہی برداشت کررہے ہیں میری بہن کو میرے بہنوئی سے جملہ تین اولاد تولد ہوئے ہیں جن کے نام محمد نعمان الدین خان عمر ۱۳ سال، اسماء عمر ۱۲ سال اور رافعہ فاطمہ عمر ۱۰ سال ہے اگر شریعت کے مطابق میری بہن کا عقد نکاح میرے بہنوئی سے ختم ہو جاتا ہے تو اس کا دوسرا نکاح میرے والدین کردیں گے اس کے علاوہ مجھے کچھ اور کہنا نہیں ہے جو کچھ بھی میں بیان دیا ہوں اللہ تعالی کو حاضر ناظر جان کر اپنا بیان لکھا رہا ہوں ہو۔ فقط

محمد رضوان الدین خان

08/10/2013

بیان حلفی گواہ نمبر (۲) مدعیہ

میرا نام محمد امتیاز الدین خان ہے، میرے والد کا نام محمد رفیع الدین خان مرحوم ہے، میری عمر ۴۳ سال ہے، میری تعلیم دسویں جماعت تک ہے، میں سرکاری ملازم ہوں (سیکریٹریٹ) میرا مکان ٹپہ چبوترہ، صابر نگر، H.NO:12-2-386/A/5 حیدرآباد ہے، یہ مکان میرا ذاتی ہے، میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ میں مدعیہ ہندہ فاطمہ کو جانتا ہوں یہ میری حقیقی بھانجی ہے، اس کا نکاح خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ عمر تقریبا ۳۵ سال پیشہ ملازم سعودی عرب ساکن گولکنڈہ حیدرآباد سے ۱۹۹۸ء میں ہوا، شادی کی تاریخ اور دن مجھے یاد نہیں ہے البتہ میں شادی میں شریک تھا، مہر کتنا طے ہوا وہ بھی مجھے یاد نہیں ہے، شادی کے بعد دونوں میاں بیوی حیدرآباد میں ۲/۳ ماہ ساتھ رہے، اس کے بعد ہندہ کا شوہر سعودی عرب بغرض ملازمت چلا گیا اور چند ماہ یعنی ڈھائی ماہ بعد سعودی عرب سے حیدرآباد واپس آ گئے اور حیدرآباد میں ہی کارڈ نٹنگ کا کام شروع کر دیئے، اس وقت تک دونوں میاں بیوی کے حالات اچھے تھے، اسی اثناء میں شوہر سے اس کو تین اولاد ہوئے (۱) محمد نعمان عمر ۱۲ سال (۲) اسماء فاطمہ عمر ۱۱ سال اور رافعہ فاطمہ عمر ۱۰ سال، آخری بچی پیدا ہونے کے بعد خواجہ سراج الدولہ (عرف متین) کی طبیعت آہستہ آہستہ خراب ہونے لگی اور کچھ ہی دنوں میں ان کا ذہنی توازن خراب ہو گیا اور وہ نیم پاگل جیسی کیفیت کرنے لگا اور بیوی بچوں کو بلا کسی وجہ کے مار پیٹ کرتا تھا اور اور گالی گلوج بھی دیتا تھا موصوف کے پاگل پن کا ڈاکٹروں سے علاج کروایا گیا اور عاملوں سے بھی دعا تعویذ کرایا گیا، اس کے باوجود بھی ان کا پاگل پن اچھا نہیں ہوا جب ان میں پاگل پن حد سے زیادہ ہونے لگا تو وہ کئی کئی دن کے بعد گھر آتے تھے، اس کے باوجود بھی ہندہ فاطمہ اپنے شوہر کے ساتھ ۲۰۰۹ء تک رہی، ۲۰۰۹ء کے بعد وہ بالکل غائب ولا پتہ ہو گیا، میں بذات خود امکانی جگہوں پر جیسے رحمت آباد، اجمیر اور حیدرآباد کی درگاہوں پر تلاش کیا مگر اس کا کوئی پتہ نہیں چلا ۲۰۰۹ء کے بعد سے تا حال ہندہ اور اس کے تینوں بچوں کی کفالت ہندہ

کے والدین ہی کررہے ہیں گویا کہ ہندہ فاطمہ منجانب شوہر جملہ حقوق زوجیت اورنفقہ سے عرصہ نوسال سے محروم ہے، اب چونکہ اس کا شوہر غائب اور لاپتہ ہے اوروہ منجانب شوہر جملہ حقوق وواجبات سے محروم ہے، ہندہ فاطمہ چاہتی ہے کہ اس کا نکاح اس کے شوہر سے ختم ہو جاتا ہے تو وہ دوسرا نکاح کرنے تیار ہے۔ فقط

بیان حلفی گواہ نمبر (۳) مدعیہ

میرا نام محمد عابد خان ہے، میرے والد کا نام عرفات خان مرحوم ہے، میری عمر تقریباً ۲/۲۸ سال ہوگی، پیشہ تجارت، ساکن محمدی لائن مکان نمبر 211/125-3 -9 سکنڈ لانسر حیدرآباد، یہ مکان کرائے کا ہے، میں ہندہ فاطمہ کو جانتا ہوں یہ میری چچازاد بہن ہے، جس کی عمر ۳۰ سال ہوگی، ہندہ فاطمہ کا عقد نکاح خواجہ سراج الدولہ (اس کے والد کا نام مجھے معلوم نہیں ہے) سے آج سے تیرہ چودہ سال قبل ہوا، میں شادی میں شریک نہیں تھا اور اس وقت میری عمر بھی بہت کم تھی نیز اسی دن میری حقیقی خالہ کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے میں شادی میں شریک نہیں ہو سکا مہر کتنا طے ہوا وہ بھی مجھے معلوم نہیں ہے، مجھے معلوم ہوا کہ ہندہ فاطمہ کا شوہر سعودی عرب میں ویلڈنگ کا کام کرتے تھے، شادی کے بعد میں ایک دومرتبہ اس سے ملا تھا، دراصل میرے والد کے انتقال کے بعد سے میں اور میرے افراد خاندان اپنے چچا ابراہیم دولہ سے بہت کم ملنا جلنا ہوتا تھا کبھی کسی تقاریب میں ہی ملاقات ہو جاتی ہے میں اپنی والدہ سے سنتا تھا کہ ہندہ فاطمہ شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ تقریباً پانچ سال رہی، اسی درمیان ہندہ فاطمہ کو یکے بعد دیگر تین اولاد تولد ہوئے جن کا نام (۱) اسماء فاطمہ عمر ۱۱ سال (۲) نعمان عمر ۹ سال (۳) رافعہ فاطمہ عمر ۶ سال ہے اور میں اپنی والدہ سے یہ بھی سنتا تھا کہ ہندہ فاطمہ کا شوہر عجیب حرکات کرتا ہے اور وہ اپنے کپڑے بھی پھاڑ لیتا ہے اور پاگل جیسے حرکات کرتا تھا، مزید مجھے ہندہ فاطمہ کے حقیقی بھائی محمد رضوان خان سے معلوم ہوا کہ اب وہ پانچ سال سے بالکل غائب اور لاپتہ ہے کہاں اور کس جگہ ہے اس کا علم نہیں ہے اور یہ بھی سنا کہ ہندہ فاطمہ کے شوہر کے بارے میں گولکنڈہ پولیس اسٹیشن میں اس کی گمشدگی کی شکایت بھی درج کرائی گئی تھی، میں بذات خود اپنے طور پر معلومات نہیں کر سکا کہ خواجہ سراج الدولہ کہاں ہیں، میں اپنی والدہ سے یہ بھی سنا ہے کہ ہندہ فاطمہ پانچ چھ سال سے اپنے والدین کے مکان میں ہے اور یہ بھی سنا کہ ہندہ فاطمہ کے اور ان کے بچوں کے تمام اخراجات میرے چچا برداشت کر رہے ہیں جو بھی میں نے بیان دیا ہے وہ سنی سنائی ہے میں نے اپنے طور پر کبھی معلومات نہیں کیا۔ فقط

بیان حلفی حقیقی ماموں مدعا علیہ

میرا نام مرزا خسرو بیگ ہے، میرے والد کا نام مرزا عثمان علی بیگ مرحوم ہے، میری عمر ۵۳ سال ہے، میں تجارت کرتا ہوں، میرا مکان رسالہ بازار گولکنڈہ حیدرآباد ہے اور یہ مکان میرا ذاتی ہے، میں خواجہ سراج الدولہ عرف متین کو جانتا ہوں وہ میرا حقیقی بھانجہ ہے اور میری بڑی بہن کا چھوٹا بیٹا ہے میرے بہنوئی کا نام خواجہ معین الدولہ مرحوم ہے اور میرے بہنوئی کا انتقال اس وقت ہوا، جب کہ میرا بھانجہ تقریباً ڈیڑھ سال کا تھا میرے بھانجے کا نکاح ہندہ فاطمہ ساکنہ ندیم کالونی ٹولی چوکی حیدرآباد سے ۱۵/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو ہوا، میں شادی میں شریک نہیں تھا، البتہ شادی کے بعد خود میری بہن اور بھانجی ہندہ کو کافی تکلیف دیئے جس کی وجہ سے وہ بچی کافی پریشان رہتی تھی اس بچی کو تین اولاد ہوئے، تقریباً چار پانچ سال سے وہ بالکل غائب ولاپتہ ہے کیونکہ اس کا دماغی توازن اس قدر خراب ہوگیا ہے کہ وہ بالکل پاگل کی طرح کرتا پھرتا ہے، لوگوں کو مارتا پھرتا ہے خود میرے بڑے بھائی کو جب کہ وہ نماز پڑھنے جارہے تھے بہت مارا، ہندہ کا اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرنا بالکل حق بجانب ہے، حالاں کہ میں نے ۲/۳ سال قبل ہی لڑکی کے والد سے کہا تھا کہ اس کو سسرال والوں اور شوہر کے ظلم سے بچالو یا علیحدگی کرلو مگر لڑکی کے والد شاید میری باتوں پر دھیان نہیں دیے، لڑکا چونکہ غائب ہے اس لئے شریعت کے لحاظ سے کوئی مناسب حل نکال دیا جائے، اور میری بہن کے اندر اتنی طاقت نہیں کہ وہ اپنے پوتروں کو پال سکے۔ فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار القضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

مؤرخہ۔۔۔۔ پنجہ شاہ۔حیدر آباد۔۲

مقدمہ نمبر ۵ /۱۵۱۱ ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ ساکن مکان نمبر 298-7-9 محمدی لائنس سکنڈ لانسر حیدر آباد مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ ساکن مکان نمبر 299-11-9 رسالہ بازار گولکنڈہ حیدر آباد مدعا علیہ

فیصلہ

یہ مقدمہ ۵ رصفر ۱۴۳۴ھ م ۱۹ ردسمبر ۲۰۱۲ء بروز چہارشنبہ کو دار القضاء، امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ پنجہ شاہ حیدر آباد میں درج رجسٹر ہوا، ضابطہ کے مطابق مدعا علیہ خواجہ سراج الدولہ کے نام اطلاع معہ نقل عرضی دعویٰ بذریعہ رجسٹری پوسٹ جاری کرتے ہوئے مدعا علیہ سے مورخہ ۶ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ م ۱۹ رجنوری ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ تک بیان تحریری طلب کیا گیا، نیز اس کاروائی کی اطلاع مدعیہ ہندہ فاطمہ کو بھی دی گئی ، مدعا علیہ کے نام کی مجریہ اطلاع پوسٹ کی اس رپورٹ کے ساتھ واپس آگئی کہ مکتوب الیہ مکان میں موجود نہیں ہے، لہٰذا مدعیہ کو لکھا گیا کہ اگر مدعا علیہ کا موجودہ کوئی اور پتہ ہو تو یا نہیں بھی ہو تو مدعا علیہ کے دو قریبی رشتہ داروں کے نام اور پتے مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ م ۳۱ر جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات تک طلب کئے گئے، مدعیہ کے والد نے مدعا علیہ کے ایک رشتہ دار محمد انور الدین خان عرف انو کا پتہ دار القضاء ہذا میں داخل کیا، لہذا اس پتہ پر مدعا علیہ کے نام اطلاع معہ نقل عرضی دعوی بذریعہ رجسٹری پوسٹ جاری کرتے ہوئے موصوف سے مورخہ ۸ رجمادی الاول ۱۴۳۴ھ م ۲۱ر مارچ ۲۰۱۳ء بروز جمعرات تک مدعا علیہ کے بارے میں جواب طلب کیا گیا اور مدعیہ کو بھی اس کارروائی کی اطلاع دی گئی۔

محمد انور الدین نے دارالقضاء کی اطلاع کو نہیں لیا، ان کے نام کی رجسٹری پوسٹ واپس آگئی جو مسل میں شامل ہے، چنانچہ مدعیہ کے والد نے مدعا علیہ کے حقیقی ماموں مرزا خسرو بیگ کو دارالقضاء میں لاکر ان کا حلفیہ بیان قلمبند کروایا، مرزا خسرو بیگ کے حلفیہ بیان سے یہ واضح ہوا کہ مدعا علیہ کا ذہنی توازن خراب ہے اور وہ ایک طویل عرصہ سے غائب ولا پتہ ہے، لہذا مناسب سمجھا گیا کہ مدعا علیہ کے نام اردو روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد میں اعلان غائب مفقود الخبر مورخہ ۲۰/جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ م ۲۳/اپریل ۲۰۱۳ء بروز منگل شائع کرتے ہوئے مورخہ یکم رجب ۱۴۳۴ھ م ۱۲/مئی ۲۰۱۳ء بروز اتوار بوقت تین بجے دن مدعا علیہ کو رفعِ الزام کے لیے دارالقضاء پنجہ شاہ حیدرآباد طلب کیا گیا، مدعا علیہ تاریخ مذکور پر حاضر نہیں ہوا اور نہ ہی اس نے کوئی پیروی کی، معاملہ کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مدعا علیہ کے نام دوبارہ اردو روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد میں اعلان غائب مفقود الخبر مورخہ ۱۳/رجب ۱۴۳۴ھ م ۲۴/مئی ۲۰۱۳ء بروز جمعہ شائع کرتے ہوئے مورخہ ۱۲/شعبان ۱۴۳۴ھ م ۲۲/جون ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ بوقت ۳/بجے دن مدعا علیہ کو رفعِ الزام کے لیے دارالقضاء ہذا طلب کیا گیا اور یہ لکھا گیا کہ عدم پیروی کی صورت میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اس تاریخ پر بھی مدعا علیہ نے کوئی پیروی نہیں کی، معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر مدعا علیہ کے نام سہ بارہ اردو روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد میں اعلان غائب مفقود الخبر مورخہ ۲۴/شعبان ۱۴۳۴ھ م ۴/جولائی ۲۰۱۳ء بروز جمعرات شائع کرتے ہوئے مورخہ ۱۱/رمضان ۱۴۳۴ھ م ۲۰/جولائی ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ بوقت ۳/بجے دن مدعا علیہ کو رفعِ الزام کے لیے دارالقضاء ہذا طلب کیا گیا اور یہ واضح کردیا گیا کہ عدم حاضری وعدم پیروی کی صورت میں مقدمہ کا فیصلہ کردیا جائے گا اور مزید مہلت نہیں دی جائے گی، اس کے باوجود بھی مدعا علیہ دارالقضاء ہذا حاضر نہیں ہوا اور نہ ہی اس نے کوئی پیروی کی، لہٰذا مدعیہ کو مورخہ ۲۶/ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ م ۳/اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات بوقت ۳/بجے دن پیشی مقرر کرکے مدعیہ اور اس کے دو گواہان کو اثبات دعویٰ کے لیے دارالقضاء طلب کیا گیا، مدعیہ

بذات خود اپنے دو گواہان کے ساتھ دارالقضا ہذا حاضر ہوئی، مدعیہ اور اس کے دونوں گواہان کے بیانات قلمبند کر لیے گئے اس طرح کاروائی کی تکمیل ہوئی۔

مدعیہ ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ تاریخ پیدائش ۸/اکتوبر ۱۹۸۰ء پیشہ خانہ داری ساکن محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدرآباد، اپنے عرضی دعوی میں لکھی ہے کہ میرا عقد نکاح مؤرخہ ۲۳/جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ م ۱۵/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو بعوض مہر مؤجل مبلغ پندرہ ہزار روپے ودو دینار سرخ و دو دینار شرعی مسمیٰ خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ تاریخ پیدائش ۱۷/فروری ۱۹۷۰ء پیشہ ملازم خانگی ساکن جانکی نگر ٹولی چوکی حیدرآباد سے ہوا، شوہر مذکور سے مجھے تین اولاد ہیں، (۱) محمد نعمان خان عمر ۱۲/سال (۲) اسماء عمر ۱۱/سال اور (۳) رافعہ عمر ۸/سال، تین اولاد ہونے کے بعد میرے شوہر کی دماغی حالت بگڑ گئی، یہاں تک کہ وہ لوگوں کو پہچانتے بھی نہ تھے جس کی بناء مجھے میکہ آکر رہنا پڑا، اب وہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں پتہ نہیں ہے؛ میں یہ تمام عرصہ جملہ حقوق زوجیت ونفقہ سے محروم ہوں تجرد کی زندگی سے عاجز ہوں عفت وعصمت کو خطرہ ہے، لہٰذا جناب قاضی شریعت سے گزارش ہے کہ میرا نکاح فسخ کردیں۔

مدعیہ ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ تاریخ پیدائش ۸/اکتوبر ۱۹۸۰ء پیشہ خانہ داری ساکن محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدرآباد اپنے دعویٰ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے بیان حلفیہ عندالقضاء میں کہتی ہیں کہ میرا عقد نکاح خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ تاریخ پیدائش ۱۷/فروری ۱۹۷۰ء پیشہ خانگی ملازم ساکن جانکی نگر ٹولی چوکی حیدرآباد سے ۲۳/جمادالثانی ۱۴۱۹ھ م ۱۵/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو بعوض مہر مؤجل مبلغ پندرہ ہزار روپے ودو دینار سرخ ودو دینار شرعی ہوا، شادی کے بعد میرے شوہر میرے ساتھ کوئی پانچ چھ ماہ رہے ہوں گے اس کے بعد وہ سعودی عرب میں ملازمت کے لیے چلے گئے، وہ شادی سے پہلے ہی سے سعودی عرب میں ملازم تھے، سعودی عرب جانے کے کچھ ماہ بعد ہی سعودی عرب سے اچانک حیدرآباد آگئے اور یہیں رہنے لگے، شوہر نے مجھ سے کہا کہ میں حیدرآباد میں ہی کار

ڈنٹر میکانک کام شروع کرنا چاہتا ہوں، شوہر میرے تمام زیورات فروخت کر کے کاروبار شروع کردیے، کاروبار میں کوئی فائدہ نہیں ہوا، بالآخروہ کاروبار بند کردیے، اسی اثنا میں میرے شوہر مجھ پر شک بھی کرتے تھے، میرے شوہر کا ذہنی توازن آہستہ آہستہ خراب ہونے لگا، ذہنی توازن کے علاج کے لیے میں اپنے شوہر کا عاملوں درگاہ کے مرشدوں اور بالخصوص ڈاکٹر عبدالمجید خان ماہر امراض دماغ کے پاس بھی تقریبا تین (۳) سال علاج کروائے گئے، ڈاکٹر عبدالمجید خان کی رپورٹ کے مطابق کہ: "خواجہ سراج الدولہ کا ذہنی توازن ٹھیک ہوگیا ہے اب اس کی خود کی شرارت ہے"، شوہر کا ذہنی توازن اس کے باوجود بھی اچھا نہیں ہوا میرے شوہر پاگل پن کی حرکات کرنے لگے جیسا کہ اپنے آپ میں ہنسنا باتیں کرنا اس طرح کی کیفیت بہت زیادہ کرنے لگے، شوہر مجھے مار پیٹ کرتے تھے اور گالی گلوج بھی دیتے تھے، شوہر کا ذہنی توازن اس قدر خراب ہو چکا تھا کہ پتہ نہیں وہ کہاں بھاگ گئے ہیں، شوہر تقریبا ۲۰۰۸ء سے تاحال بالکل غائب ولا پتہ ہے، اس اثنا میں میرے والدین اور میرے بھائی محمد عمران خان کے علاوہ میری ساس میرے چاچا خسر انور اور میرے نندوئی اسلم نے کافی امکانی جگہوں پر میرے شوہر کو تلاش کیے لیکن میرے شوہر کا کہیں بھی پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے، میرا غالب گمان ہے شاید میرے شوہر مر چکے ہوں گے، اب میں تقریبا ۲۰۰۸ء سے تاحال ۲۰۱۳ء تقریبا چھ سال سے منجانب شوہر جملہ حقوقِ زوجیت اور نفقہ سے محروم ہوں، مجھے شوہر سے بالترتیب تین اولاد تولد ہوئے ہیں، محمد نعمان خان عمر ۱۳ سال، اسماء عمر ۱۲ سال، اور رافعہ عمر ۸ سال، اب تک میری اور میرے تینوں بچوں کی جملہ کفالت و پرورش میرے والدین برداشت کررہے ہیں، میں اپنے شوہر سے فسخ نکاح چاہتی ہوں اگر قاضی شریعت میرا نکاح میرے شوہر سے فسخ کردیں تو میں دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہوں تاکہ میں سکون اور چین کی زندگی گزار سکوں۔

مدعیہ ہندہ فاطمہ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے دو گواہان محمد رضوان خان اور محمد امتیاز الدین خان پیش کی ہیں:

گواہ (۱) محمد رضوان خان ولد محمد ابراہیم دولہ عمر ۲۸ / سال، پیشہ خانگی ملازم ساکن محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدرآباد کا حلفیہ بیان ہے کہ مدعیہ ہندہ فاطمہ میری بہن ہے اور اس کی عمر ۳۰ / سال ہے، ہندہ فاطمہ کی شادی خواجہ سراج الدولہ سے تقریبا ۱۲ / ۱۳ سال قبل ہوئی، خواجہ سراج الدولہ کے والد کا نام مجھے یاد نہیں ہے، میرے بہنوئی کا شادی سے پہلے سے ہی سعودی عرب میں کارڈینٹنگ کا ورکشاپ تھا، میرے بہنوئی کا مکان قلعہ گولکنڈہ میں تھا، میں شادی میں شریک تھا مگر میری کم عمری کی وجہ سے مہر کتنا تھا مجھے معلوم نہیں ہے، شادی کے بعد دونوں میاں بیوی تقریبا ۵ / سال تک ٹھیک رہے شادی کے ۳ / سال بعد خواجہ سراج الدولہ سعودی عرب سے کاروبار چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے حیدرآباد آ گئے، حیدرآباد میں کوئی کاروبار تو نہیں کیے صرف کاروبار شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے رہے، اسی دوران میری بہن کے جملہ زیورات فروخت کر دیئے یہ کہہ کر کہ مجھے کاروبار شروع کرنا ہے مگر کوئی کاروبار شروع نہیں کیے، پانچ سال بعد میرے بہنوئی کا ذہنی توازن آہستہ آہستہ خراب ہونے لگا ان کا کافی علاج کروایا گیا بالخصوص ڈاکٹر مجید خان ماہر امراض دماغ سے بھی علاج کروایا گیا لیکن وہ دوا استعمال نہیں کرتے تھے، جس وقت سے ان کا ذہنی توازن خراب ہوا اس کے بعد سے میری بہن کو گالی گلوچ دیتا تھا اور مار پیٹ بھی کرتا تھا، میرے بہنوئی خواجہ سراج الدولہ کا ذہنی توازن اس قدر خراب ہو گیا کہ وہ پاگلوں کی طرح سڑکوں پر پھرا کرتے تھے اب تقریباً عرصہ ۵ سال سے وہ بالکل غائب ولا پتہ ہے، لوگوں کے کہنے کے مطابق ہر امکانی جگہوں پر میں بذات خود انہیں تلاش کیا اور میرے والد بھی تلاش کئے اور خود اس کی والدہ یعنی خواجہ سراج الدولہ کی والدہ بھی تلاش کی ہے مگر اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں اور کس جگہ ہے عرصہ ۵ سال سے میری بہن اپنے ۳ بچوں کے ساتھ میرے والدین کے پاس رہتے ہیں اور جملہ اخراجات میرے والدین ہی برداشت کر رہے ہیں، میری بہن کو میرے بہنوئی سے جملہ تین اولاد تولد ہوئے ہیں جن کے نام محمد نعمان الدین خان عمر ۱۳ سال اسماء فاطمہ عمر ۱۲ سال اور رافعہ فاطمہ عمر ۱۰ سال ہے، اگر شریعت کے مطابق میری بہن کا عقد نکاح

میرے بہنوئی سے ختم ہوجاتا ہےتو اس کا دوسرا نکاح میرے والدین کردیں گے۔

گواہ (۲) محمد امتیاز الدین خان ولد محمد رفیع الدین خان مرحوم، عمر ۴۳ سال، پیشہ سرکاری ملازم (سیکریٹریٹ) ساکن ٹپہ چبوترہ، صابر نگر، H.NO:12-2-386/A/5 حیدرآباد، مکان ذاتی کا حلفیہ بیان ہے کہ مدعیہ ہندہ فاطمہ میری حقیقی بھانجی ہے، اس کا نکاح خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ عمر تقریباً ۳۵ سال پیشہ ملازم سعودی عرب ساکن گولکنڈہ حیدرآباد سے ۱۹۹۸ء میں ہوا، میں شادی میں شریک تھا، مگر شادی کی تاریخ اور دن اور مہر کتنا طے ہوا وہ مجھے یاد نہیں ہے، شادی کے بعد دونوں میاں بیوی حیدرآباد میں ۲/۳ ماہ ساتھ رہے، اس کے بعد ہندہ کا شوہر سعودی عرب بغرض ملازمت چلا گیا اور چند ماہ یعنی ڈھائی ماہ بعد سعودی عرب سے حیدرآباد واپس آگئے اور حیدرآباد میں ہی کارڈ نٹنگ کا کام شروع کردیئے اس وقت تک دونوں میاں بیوی کے حالات اچھے تھے، اسی اثناء میں شوہر سے اس کو تین اولاد ہوئے (ا) محمد نعمان عمر ۱۲ سال (۲) اسماء فاطمہ عمر ۱۱ سال اور رافعہ فاطمہ عمر ۱۰ سال، آخری بچی پیدا ہونے کے بعد خواجہ سراج الدولہ (عرف متین) کی طبیعت آہستہ آہستہ خراب ہونے لگی اور کچھ ہی دنوں میں ان کا ذہنی توازن خراب ہوگیا اور وہ نیم پاگل جیسی کیفیت کرنے لگا اور بیوی بچوں کو بلا کسی وجہ کے مار پیٹ کرتا تھا اور اور گالی گلوج بھی دیتا تھا موصوف کے پاگل پن کا ڈاکٹروں سے علاج کروایا گیا اور عاملوں سے بھی دعا تعویذ کرایا گیا، اس کے باوجود بھی ان کا پاگل پن اچھا نہیں ہوا، جب ان میں پاگل پن حد سے زیادہ ہونے لگا تو وہ کئی کئی دن کے بعد گھر آتے تھے، اس کے باوجود بھی ہندہ فاطمہ اپنے شوہر کے ساتھ ۲۰۰۹ء تک رہی، ۲۰۰۹ء کے بعد وہ بالکل غائب و لاپتہ ہوگیا، میں بذات خود امکانی جگھوں پر جیسے رحمت آباد، اجمیر اور حیدرآباد کی درگاہوں پر تلاش کیا مگر اس کا کوئی پتہ نہیں چلا ۲۰۰۹ء کے بعد سے تاحال ہندہ اور اس کے تینوں بچوں کی کفالت ہندہ کے والدین ہی کررہے ہیں، بہرحال ہندہ فاطمہ منجانب شوہر جملہ حقوق زوجیت اور نفقہ سے عرصہ ۹/سال سے محروم ہے۔

بہر حال مدعیہ ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ ساکن محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدر آباد کی عرضی دعوی اور بیان عندالقضاء سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مدعیہ کا عقد نکاح مدعا علیہ خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ ساکن رسالہ بازار گولکنڈہ حیدرآباد سے بتاریخ ۲۳/ جمادی الثانی ۱۴۱۹؁ھ م ۱۵/ اکتوبر ۱۹۹۸؁ء کو بعوض مہر موجل مبلغ پندرہ ہزار روپے ودو دینار سرخ اور دو دینار شرعی ہوا، شادی کے بعد میں مدعیہ کو مدعا علیہ سے تین اولاد تولد ہوئے (۱) محمد نعمان خان عمر ۱۳/ سال (۲) اسماء عمر ۱۲/ سال (۳) رافعہ عمر ۸/ سال، تینوں بچوں کے تولد ہونے کے بعد مدعا علیہ کا ذہنی توازن خراب ہونے لگا اور وہ نیم پاگل کی طرح حرکات کیا کرتا تھا، مدعا علیہ کا ذہنی توازن اس قدر خراب ہو گیا کہ اب وہ تقریباً عرصہ ۵ سال سے غائب ولا پتہ ہے، مدعیہ کے والد اور بھائیوں نے امکانی جگہوں پر مدعا علیہ کو تلاش کئے مگر مدعا علیہ کا کوئی پتہ نہیں چلا بقول مدعیہ، مدعا علیہ کے ۵ سال سے غائب ہونے کی وجہ سے مدعیہ اور اس کے تینوں بچوں کی جملہ کفالت مدعیہ کے والدین اور بھائی برداشت کر رہے ہیں، گویا کہ مدعیہ عرصہ ۵ سال سے منجانب شوہر جملہ حقوق زوجیت اور نفقہ سے محروم ہے، اور مدعیہ اپنے شوہر سے عدم ادائے حق زوجیت و عدم ادائے نفقہ وغیبوبت زوج کی بناء پر دارالقضاء ہذا سے فسخ نکاح چاہتی ہے، مدعیہ ہندہ فاطمہ نے دو گواہان محمد رضوان خان ولد محمد ابراہیم دولہ اور محمد امتیاز الدین خان ولد محمد رفیع الدین خان مرحوم اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے دارالقضاء میں پیش کی ہے، ان دونوں گواہان کے بیانات سے بھی یہ امر واضح ہے کہ مدعا علیہ ۵ سال سے غائب ولا پتہ ہے اور مدعیہ اپنے شوہر کی طرف سے عرصہ پانچ سال سے جملہ حقوق زوجیت ونفقہ سے محروم ہے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ عدم ادائے نفقہ و عدم ادائے حق زوجیت وغیبوبت زوج فقہاء کے نزدیک موجب فسخِ نکاح ہے یا نہیں، عدم انفاق کے سلسلہ میں مالکی تصریحات اس طرح ہیں:۔

عدم انفاق سے متعلق مالکی تصریحات

"اما الجواب عن امراة المعسر الذي لا يجد ما ينفق عليها ففي

المدونة، قال لها مالك ،وكل من لم يقو على نفقة امراته فرق بينهما"

(فتوى العلامة سعيد بن صديق الفلاتی المفتي المالكي بالمدينة المنورةبحواله الحيلة االناجزة،ص:۱۳۲- وكتاب الفسخ والتفريق، ص: ۸۴)۔

"المتعنت ،الممتنع على الإنفاق ففي مجموع الأمير ما نصه، إن منعها نفقة الحال فلها القيام فإن لم يثبت عسره انفق أو طلق، وإلا طلّق عليه قال محشيه قوله وإلا طلّق أی طلّق الحاكم من غير تلوّم"

(فتوى العلامة سعيد بن صديق الفلاتی المفتي المالكي بالمدينة المنورةبحواله الحيلة االناجزة،ص:۱۳۳- وكتاب الفسخ والتفريق، ص: ۸۹)۔

عدم ادائے حق زوجیت کے سلسلہ میں مالکی تصریحات

"اذا ثبت لها التطليق بذٰلک فبخشية الزنا أولى، لأن ضرر ترك الوطؤ اشد من ضرر عدم النفقة، ألا ترى أن إسقاط النفقة يلزمها وإ ن اسقطت حقهافی الوطؤ فلها الرجوع فيه، ولأن النفقة يمكن تحصيلها بنحو تسلف وسوال بخلاف الوطا"

(فتوى العلامه سعيد بن صديق الفلاتی المالكی المفتي بالمدينة المنورةبحواله الحيلة االناجزة،ص: ۱۳۱- وكتاب الفسخ والتفريق، ص: ۹۹)۔

"إن دامت نفقتها ولم تخف زنا وإلا فلها تعجيل الطلاق قال المحشی وإلا تدم نفقتها بأن لم يكن له مال أصلاً او فرغ أو دامت وخافت الزنا فلهاتعجيل الطلاق الى أن قال ولها المهر كاملاً"

(فتوی العلامه سعید بن صدیق الفلاتی المفتي المالكي بالمدينة المنورةبحواله الحيلة االناجزة، ص: ۱۳۱- وكتاب الفسخ والتفريق، ص: ۹۹)۔

غیوبت زوج کے سلسلہ میں مالکی تصریحات

"ومثل المفقود من علم موضعه وشكت زوجته عدم النفقة، يرسل إليه الحاكم إما أن تحضر أو ترسل النفقة أو تطلقها وإلا طلقها لحاكم بل لو كان حاضراً وعدمت النفقة"

(فتوی العلامه سعید بن صدیق الفلاتی المفتي المالكي بالمدينة المنورةبحواله الحيلة االناجزة، ص: ۱۲۱- وكتاب الفسخ والتفريق، ص: ۷۶)۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مدعا علیہ خواجہ سراج الدولہ کے نام اطلاع معہ نقل عرضی دعویٰ بذریعہ رجسٹری پوسٹ جاری کی گئی ،لیکن مدعا علیہ کے نام کی مجریہ اطلاع پوسٹ کی اس رپورٹ کے ساتھ واپس آ گئی کہ مکتوب الیہ مکان میں موجود نہیں ہے چنانچہ مدعیہ کے والد محمد ابراہیم دولہ نے مدعا علیہ کے حقیقی ماموں مرزا خسرو بیگ ولد مرزا عثمان علی بیگ مرحوم عمر ۵۳ ؍سال ساکن رسالہ بازار گولکنڈہ حیدرآباد کو دارالقضاء ہذا میں لاکر موصوف کا بیان قلمبند کروائے ،موصوف مرزا خسرو بیگ مدعا علیہ خواجہ سراج الدولہ کے بارے میں اظہار کیا کہ عرصہ ۴ ؍ ۵ سال سے وہ غائب اور لاپتہ ہے اور مدعیہ یہ تمام عرصہ منجانب شوہر جملہ حقوق زوجیت ونفقہ سے محروم ہے، لہٰذا مدعا علیہ کے نام روزنامہ اردو رہنمائے دکن حیدرآباد میں وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ اعلان غائب مفقود الخبر شائع کیا گیا، اس کے باوجود بھی مدعا علیہ خواجہ سراج الدولہ دارالقضاء ہذا حاضر ہو کر رفعِ الزام نہیں کیا اور نہ ہی اس نے کوئی پیروی کی ، گویا کہ مدعا علیہ کا یہ عمل فقہاء کے نزدیک "**نکول عن الحلف** " کے قائم مقام ہے جو اقرارِ دعویٰ کے حکم میں ہے، مدعا علیہ کا دارالقضاء ہذا حاضر ہو کر رفعِ الزام نہ کرنا اس بات پر

دلالت کرتا ہے کہ مدعاعلیہ رفعِ الزام سے قاصر ہے اور مدعیہ کو یونہی معلّق رکھنا چاہتا ہے،جس سے مدعیہ ضرروحرج میں مبتلا ہےاور رفع ضرروحرج ودفع ظلم وجور؛ قاضی کا فریضہ منصبی ہے ان حالات میں مدعیہ کا مطالبہ فسخ نکاح میرے نزدیک حق بجانب ہے،لہٰذا میں جملہ احکام ومصالح شرعی کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل حکم دیتا ہوں:

حکم

میں نے طویل عرصہ سے نفقہ وحق زوجیت ادانہ کرنے ، نیز غیبوبت زوج کی بناء پرظلم وجوراور ضرروحرج کو دور کرنے ،اسی طرح فتنوں کے سدِّ باب اور تحفظِ عصمت کی غرض سے مدعیہ ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ ساکن محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدرآباد کا عقدنکاح مدعا علیہ خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ ساکن رسالہ بازار گولکنڈہ حیدرآباد سے فسخ کردیا، مدعیہ اب مدعاعلیہ کی بیوی باقی نہیں رہی ،عدت گزار کروہ اپنے نفس کی مجاز ہے، واضح ہو کہ جوان عورتوں کی عدت مکمل تین حیض ہےاور عمر رسیدہ عورتوں کی تین ماہ ہے۔فقط

خالدسیف اللہ رحمانی

تاریخ فیصلہ: ۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ　　　　دستخط قاضی شریعت

مطابق ۱۹/جنوری ۲۰۱۴ء بروز اتوار

نوٹ: یہ فیصلہ شرعی نقطۂ نظر سے ہے، مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں سرکاری عدالت سے رجوع ہوکرقانونی طور پر بھی فسخِ نکاح کی ڈگری حاصل کرلی جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ تلنگانہ

مؤرخہ۔۔۔۔۔پنجہ شاہ۔حیدرآباد۔۲/حوالہ:۵/۱۵۱۱ ۱۴۳۴ھ

ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ، ساکن محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدرآباد مدعیہ

بنام

خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ، ساکن رسالہ بازار گولکنڈہ حیدرآباد مدعاعلیہ

اطلاع بنام مدعیہ حکم فیصلہ

مقدمہ ہذا کا فیصلہ مؤرخہ ۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ م ۱۹/جنوری ۲۰۱۴ء بروز اتوار کو ہو چکا ہے، آپ کے پاس صرف فیصلہ کا حکم ارسال کیا جارہا ہے، اگر آپ پورے فیصلہ کی نقل لینا چاہتے ہیں تو جملہ فیصلہ دس (۱۰) صفحات پر مشتمل ہے، درخواست دینے کے پندرہ دن کے بعد نقل فیصلہ جاری کردیا جائے گا، فیصلہ کا حکم حسب ذیل ہے:

حکم

میں نے طویل عرصہ سے نفقہ وحق زوجیت ادا نہ کرنے، نیز غیبوبت زوج کی بناء پر ظلم وجور اور ضرر وحرج کو دور کرنے، اسی طرح فتنوں کے سد باب اور تحفظ عصمت کی غرض سے مدعیہ ہندہ فاطمہ بنت محمد ابراہیم دولہ ساکن محمدی لائن سکنڈ لانسر حیدرآبا کا عقد نکاح مدعاعلیہ خواجہ سراج الدولہ ولد خواجہ معین الدولہ ساکن رسالہ بازار گولکنڈہ حیدرآباد سے فسخ کردیا، مدعیہ اب مدعاعلیہ کی بیوی باقی نہیں رہی، عدت گزار کر وہ اپنے نفس کی مجاز ہے، واضح ہو کہ جوان عورتوں کی عدت مکمل تین حیض ہے اور عمر رسیدہ عورتوں کی تین ماہ ہے۔ فقط

دستخط قاضی شریعت

۶/جمادی الاول ۱۴۳۵ھ

نوٹ: یہ فیصلہ شرعی نقطۂ نظر سے ہے، مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں سرکاری عدالت سے رجوع ہو کر قانونی طور پر بھی فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کر لی جائے۔

نوٹ: اس مقدمہ میں مدعیہ اور مدعی علیہ کی اصل شناخت مخفی رکھی گئی ہے، ناموں اور بعض دیگر چیزوں کی جو تفصیلات درج کی گئی ہیں، وہ فرضی ہیں۔

بابِ سوم

مقالہ نگاری: اصول و آداب

رموزِ اوقاف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شعبۂ افتاء کے طلبہ کی نصابی مصروفیات کا ایک حصہ، مقالہ نگاری بھی ہوتا ہے، بعض مدارس میں سال کے اخیر دورانیہ میں باضابطہ طور پر طلبہ سے یہ کام کروایا جاتا ہے اور اہتمام کے ساتھ اس کو شائع بھی کیا جاتا ہے، ازہرِ دکن جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کے شعبۂ افتاء میں برسوں سے اس پر عمل ہے، صدرِ شعبہ امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی نگرانی میں ہر سال کے طلبہ کے لئے مرکزی و ذیلی عناوین طئے کئے جاتے ہیں اور طلبہ اس پر دادِ تحقیق دیتے ہیں، اس نظام کے تحت اب تک یہاں سے دسیوں تحقیقی مجلّے شائع ہو چکے ہیں، جنہیں ملک بھر میں؛ بلکہ بیرونِ ملک کے علمی حلقوں میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، دیگر بعض مدارس میں افتاء کے سالِ دوّم کے طلبہ سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کے معیار کا دو تین سو صفحات پر مشتمل طویل مقالہ لکھوانے کا معمول ہے، ویسے مفتی کو کبھی بھی کاغذ و قلم سے جدا کر کے نہیں دیکھا جا سکتا، ہر دم اس کا قلم اشاعتِ دین اور بیانِ مسائل کے لئے رواں دواں رہتا ہے، بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن پر طویل بحث کئے بغیر غبار نہیں چھٹتا اور راجح موقف ظاہر نہیں ہوتا، ایسے مواقع پر مفتی کا فتوی ایک مقالہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے، کبھی ملکی اور عالمی پسِ منظر میں جدید مسائل پر تحقیق ایک شرعی فریضہ بن جاتا ہے، وہاں افراط و تفریط سے بچ کر مسلکِ اعتدال کو مدلل و منقح کرنا ایک امتحان سے کم نہیں ہوتا، اگر زمانۂ طالبِ علمی میں اس جہت سے بھی کچھ مشق و تمرین ہو جائے تو آئندہ کام کرنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے، ذیل میں اس سلسلہ کی کچھ گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔

جاندار تحریر کے اوصاف

کسی بھی تحریر و تحقیق میں قبولیت کی شان اور روح وجان خاص طور پر تین چیزوں سے پیدا ہوتی ہے (۱) شروع میں تصحیح نیت (۲) درمیان میں طلبِ نصرت (۳) اخیر میں شکر و استغفار۔

نیت کی درستگی کے ساتھ کام کا آغاز کیا جائے، اللہ کی رضا کی خاطر تحقیقِ دین، اشاعتِ دین اور حفاظتِ دین کا جذبہ، دل ودماغ میں رچا بسا ہو، اپنی علمی سربلندی کا اظہار یا دوسرے کے مقام کو گرانا یا تحقیق برائے تحقیق جیسے گھٹیا اور کم تر مقاصد پیشِ نظر نہ ہوں، علمی و تحقیقی کاموں کے درمیان اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت وتوفیق بار بار طلب کی جائے، کم از کم ہر جلسہ کے آغاز پر باوضو رہنے کا اہتمام کیا جائے، وقفہ وقفہ سے اس مسنون دعا کا ورد رکھا جائے:

اللَّهُمَّ وَفِّقْنِي لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَالنِّيَّةِ وَالْهدى. إِنَّك عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الدعاء للطبرانی: ۱۳۵۵) اور اس دعا کا بھی: **اللّٰهُمّ لا سَهْلَ إلا مَا جَعَلْتَهُ سَهْلاً وَأَنْتَ تجعَلُ الحُزْنَ اِذا شِئْتَ سَهْلاً (صحیح ابن حبان: ۹۷۴)**

اسی طرح تحریر اور فتوی نویسی سے قبل ان اوراد کا پڑھنا بھی بزرگوں سے منقول ہے:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْلِی اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ سُبْحٰنَك لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّك اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ،

حضرت مکحولؒ ایسے موقع پر ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھا کرتے تھے اور بعض اسلاف یوں دعا کرتے تھے:

اللهم وفقنی واهدنی وسددنی واجمع لی بین الصواب والثواب واعذنی من الخطاء والحرمان۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ علمی مشکلات میں حضرت معاذ بن جبلؓ کی ہدایت کردہ اِس دعا کا بکثرت ورد فرماتے:

یا معلّم ابراهیم علّمنی۔ (اعلام الموقعین: ۴/۱۹۸)

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اپنا پڑھا ہوا ایک حرف بھی

فراموش نہ کرے تو وہ اپنا سبق پڑھنے یا کتاب کا مطالعہ شروع کرتے وقت ایک بار یہ دعا پڑھ لے:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ عَلَیْنَا حِکْمَتَکَ وَ انْشُرْ عَلَیْنَا رَحْمَتَکَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام.

جب کام مکمل ہوجائے تو اللہ کے اس انعام پر شکر بجا لائے اور اپنی تقصیرات پر استغفار کرے، نیز عنداللہ وعندالناس علمی کاوش کے مقبول ومفید ثابت ہونے کی خوب تضرّع کے ساتھ دعا کرے، استغفار کی اس تسبیح کو ایک دفعہ کم ازکم پڑھ لے:

وَاَسْتَغْفِرُکَ لِکُلِّ خَیْرٍ اَرَدْتُ بِہٖ وَجْھَکَ فَخَالَطَنِیْ فِیْہِ مَا لَیْسَ لَکَ۔ (کنز العمال: ۵۱۲۶)

تحریر کو مفید بنانے والے عناصر

کسی بھی تحریر وتحقیق میں اِفادیت وآفاقیت کی شان ان چھ چیزوں سے پیدا ہوتی ہے:

(۱) تحریری لوازم، یعنی تحریر میں نحو وصرف کے اصول کی رعایت ہو اور تشبیہات واستعارات اور محاورات وضرب الامثال وغیرہ کا موزوں ومتناسب استعمال ہو۔

(۲) موضوع سے مناسبت، یعنی تحریر میں جتنا بھی مواد پیش کیا گیا ہے وہ موضوع سے براہِ راست یا بواسطۂ علاقۂ قریب بے تکلفانہ تعلق رکھتا ہو۔

(۳) وضاحت، یعنی تحریر میں استعمال کردہ الفاظ آسان، سادہ اور مانوس ہوں، جملے مختصر ہوں اور پیراگراف بھی زیادہ لمبے لمبے نہ ہوں، اوسطاً ایک پیراگراف پانچ سے دس سطروں کا ہونا چاہیے۔

(۴) مقصدیت، یعنی تحریر لکھنے کا مقصد کیا ہے؟ یہ تحریر قلمبند کرنے کا خیال کیوں آیا؟ کیا ضرورت درپیش ہوئی؟ اس جانب بھی اشارہ ہونا چاہیے۔

(۵) اختصار وجامعیت، یعنی تحریر مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ جامع بھی ہو اور

موضوع سے متعلق تمام ضروری گوشوں کا اس میں احاطہ کرلیا گیا ہو، کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑا گیا ہو۔

(۶) نتیجہ خیزی، یہ چیز ایک بامقصد تحریر کا گویا جزوِ لازم ہے، ایک بامقصد تحریر میں نتیجۂ بحث اور پیغام ضرور موجود رہتا ہے، نتیجہ و پیغام سے عاری تحریر اس خالی خول کے مانند ہوتی ہے جس میں مغز اور گودا نہ ہو۔

مقالہ نگاری کے مراحل

کسی بھی مقالہ نگار کو اپنا مقالہ تیار کرنے میں ان پانچ مراحل سے گذرنا پڑتا ہے (۱) موضوع کا انتخاب (۲) موضوع سے متعلق ذیلی عناوین کی خاکہ سازی (۳) مواد کا استخراج یا معلومات جمع کرنا (۴) مقالہ اور رسالہ کو قلمبند کرنا (۵) نظرِ ثانی اور مناقشہ۔

(۱) موضوع کا انتخاب

موضوع ایسا ہونا چاہئے جو واقعی اس لائق ہو کہ اس پر محنت کی جائے، جس سے امت کی کسی بھی لحاظ سے ایک دینی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہو، اس بات کا بھی اطمینان کرلینا چاہئے کہ جس موضوع پر تحقیق کا ارادہ ہے، اس کے لئے درکار صلاحیت، فرصت اور مواد کے استخراج کے لئے مطلوبہ مراجع نہ صرف موجود ہوں؛ بلکہ ان سے استفادہ کی شکلیں بھی مہیا ہوں، نیز یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ موضوع کی جانب مقالہ نگار کا قلبی میلان بھی ہو، فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''موضوع کے انتخاب کا عمل دراصل طلبہ و اساتذہ کا مشترکہ عمل ہے''

پروفیسر خورشید احمد سعیدی لکھتے ہیں:

''اپنے تحقیقی مقالے کے موضوع کو منتخب کرنے کے لئے عوامی لائبریریوں اور ذاتی کتب خانوں کے علاوہ مدارس اور جامعات کے اندر تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ اور اسکالرس سے ملاقاتیں اور مشورے کر کے بھی اپنی پسند کا موضوع منتخب کیا جاسکتا ہے۔۔۔ نیز یونیورسٹیوں اور بڑے

شہروں کے مختلف اداروں میں وقتاً فوقتاً کئی موضوعات پر علمی و تحقیقی سمینار اور کانفرنسیں ہوتی رہتی ہیں، ان میں شرکت کرنے سے موضوع کی تلاش میں سرگرداں طلبہ کو بہت فائدہ ہوتا ہے، وہ ایسے سمینارز اور کانفرنسوں میں نہ صرف مختلف علوم وفنون کے جدید مسائل اور پہلوؤں سے واقف ہو سکتے ہیں؛ بلکہ اُن میں اپنے مقالات پڑھنے والے محققین سے شناسائی بھی پیدا کر سکتے ہیں''(تحقیقی مقالے کے موضوع کا انتخاب اور اس کا خاکہ از پروفیسر خورشید احمد سعیدی)

موضوع کے انتخاب میں مختلف دائرہ معارف، انسائیکلوپیڈیا، معاجم، قوامیس، کتب، رسائل، اخبارات، عالمی منظرنامے، تحقیقی کاموں کے اشاریہ جات وغیرہ دیکھنے سے بھی بڑی معاونت ملتی ہے۔

(۲) موضوع سے متعلق ذیلی عناوین کی خاکہ سازی

ایک مقالہ نگار جب کسی نہ کسی طریقہ سے قابلِ تحقیق موضوع منتخب کرلیتا ہے تو اس کا اگلا قدم اس موضوع کا ایک علمی خاکہ (خطۃ البحث یا Synopsis) تیار کرنا ہوتا ہے، قابلِ قدر مقالہ مقررہ مدت کے اندر مکمل کرنا ایک محقق کی منزل ہے تو اُس موضوع کا خاکہ اُس منزل تک کامیابی سے پہنچنے کا راستہ ہے، جس مسافر کو اپنی منزل کے راستے کا علم نہ ہو وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح جس محقق کے تحقیقی مقالے کا خاکہ اچھی طرح واضح نہ ہو وہ عام طور پر قابلِ قدر مقالہ تیار نہیں کرسکتا، کسی موضوع پر ایک مناسب خاکہ کے بغیر کام شروع کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی سوچے سمجھے اور مناسب ومعقول نقشے کے بغیر مکان کی تعمیر شروع کر دینا۔

خاکہ سازی کا مطلب یہ ہے کہ طالبِ علم اپنی تحقیق سے متعلق سات چیزیں متعین کرے:

(۱) مقالے کا ایسا نام جو مختصر ہونے کے ساتھ واضح اور جامع ہو۔

(۲) موضوع کا تعارف:

کم از کم دو مناسب پیراگراف میں موضوع کا عمومی وخصوصی تعارف ہوگا۔

(۳) موضوع کی اہمیت وافادیت:

کم از کم دو پیراگراف میں عمومی و خصوصی تناظر میں موضوع کی افادیت واہمیت اجاگر کرنے کے لئے چار پانچ نکات لکھنا چاہئے۔

(۴) اسبابِ اختیارِ موضوع:

خاکہ کے اس عنصر میں ان اسباب ومحرکات پر روشنی ڈالی جائے گی جو اس موضوع پر قلم اُٹھانے کا باعث بنے۔

(۵) موضوع پر تحقیق کے حدود:

خاکہ کے اس عنصر میں موضوع سے متعلق ان جہات پر روشنی ڈالی جائے جن پر بحث وتحقیق کا ارادہ ہے، نیز معلومات جمع کرنے کے طریقِ کار اور اپنے اختیار کردہ علمی اسلوب پر بھی مختصراً تحریر کرے۔

(٦) مرکزی عنوانات قائم کرنا:

ان میں سے ہر ایک کی حیثیت مقالے کے ''باب'' کی ہوگی۔

(۷) مرکزی عنوانات کے تحت آنے والے ذیلی عنوانات قائم کرنا:

ان میں سے ہر ایک کی حیثیت مقالے کی فصل کی ہوگی، عناوین قائم کرنے میں طبعی ومنطقی ترتیب کا لحاظ ہونا چاہئے کہ قاری کا ذہن ایک عنوان کے بعد دوسرے عنوان کی جانب آسانی سے منتقل ہو جائے، کہیں خلاء اور تشنگی محسوس نہ ہو، نیز عنوانات مختصر واضح اور پُرکشش ہوں اور اپنے مشمولات کی مخبری کر رہے ہوں۔

جن مدارس میں دوسالہ افتاء کورس ہوتا ہے وہاں تنہاء ایک طالبِ علم یہ کام سرانجام دے لیتا ہے اور جہاں ایک سالہ کورس ہوتا ہے وہاں سال کے آخر میں تمام طلبہ مل کر ایک وسیع عنوان پر کتاب تیار کرتے ہیں اور ہر طالبِ علم کے کھاتے میں ایک ایک مرکزی عنوان آتا ہے، جس کے تحت وہ ذیلی عناوین قائم کر کے اپنے حصہ کا کام پورا کرتے ہیں، باقی موضوع کا تعارف واہمیت وغیرہ پر نگران کار استاذ اپنے تعارفی کلمات میں گفتگو فرماتے ہیں۔

خاکہ تیار کرنے کے لئے تحقیق نگار کو دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

(۱) معیاری نمونہ

(۲) بنیادی مآخذ

معیاری نمونہ سے مراد اس موضوع پر قبل ازیں تیار کردہ مقالے اور کتابیں جن کو سامنے رکھ کر خاکہ تیار کیا جائے اور علم و تحقیق کے کاروان کو آگے بڑھایا جائے، بنیادی مآخذ سے مراد، موضوع سے متعلق وہ کتابیں ہیں جو مراجع کا درجہ رکھتی ہیں، ان مآخذ کا علم اساتذہ و ماہرین فن اور کتب خانوں کی علمی سیر کے ذریعہ ہوگا، اس کے علاوہ معیاری نمونوں میں جن مراجع و مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، ان پر نظر دوڑانے سے بھی بنیادی مآخذ کا پتہ چل جائے گا، اس چھان بین اور مغزماری سے تحقیق نگار ایک اچھا خاکہ تیار کر لیتا ہے، یہ بات یاد رہے کہ خاکہ میں درج کردہ مرکزی و ذیلی عناوین قطعی و حتمی نہیں ہوتے؛ بلکہ مقالہ کو قطعی شکل دینے تک ان میں حسبِ تحقیق و مطالعہ ترمیم کا عمل جاری رہتا ہے، اور کبھی کسی عنوان کو حذف کرنا یا کوئی عنوان اضافہ کرنا بھی مقالہ کے معیار کو باقی رکھنے کے لئے ضروری محسوس ہوتا ہے۔

(۳) مواد کا استخراج یا معلومات جمع کرنا

موضوع سے متعلق ہر طرح کے مصادر و مآخذ کا مطالعہ کرے، اصلی مصادر و مآخذ کا بھی اور ذیلی و ثانوی مصادر کا بھی، متقدمین، متاخرین اور معاصرین ہر ایک کی تحقیقات سے فائدہ اُٹھانے میں دریغ نہ کرے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بقول اتنا مطالعہ کرے اتنا مطالعہ کرے کہ دماغ کا برتن بھر کر اُبلنے لگے تب لکھنے کی سوچے، مطالعہ و تحقیق کے دوران حاصل شدہ مواد کو مرکزی و ذیلی عناوین کے تیار شدہ خاکہ کی متعلقہ جگہوں میں رکھے، اگر مکمل اقتباس نقل کر لینا مناسب معلوم ہو رہا ہو تو مکمل اقتباس مع حوالہ درج کرے؛ ورنہ کم از کم اشارہ لکھ لے، اشارہ اس انداز میں لکھے کہ آئندہ اصل کی طرف رجوع کرنا ہو تو دوبارہ تحقیق و تلاش کی زحمت اُٹھانی نہ پڑے۔

(۴) مقالہ اور رسالہ کو قلمبند کرنا

خاکہ اور اس میں جمع کردہ مواد کو سامنے رکھتے ہوئے مقالہ کو ترتیب دے اور معلومات کو ایک لڑی میں پرو دے، مقالہ کی زبان سہل و آسان ہو، مشکل الفاظ، طویل ترکیبات اور نامانوس محاورات سے پاک ہو، ابتدائیہ، درمیانہ اور اختتامیہ خوب مؤثر دلکش اور جاندار ہو، طول نویسی سے حتی الامکان احتراز ہو، ایک ہی طرح کی بات مختلف کتابوں میں موجود ہو تو ساری کتابوں کے اقتباسات نقل نہ کرے؛ بلکہ زیادہ مستند کتاب کی زیادہ واضح عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرے اور باقی کتابوں کی طرف اقتباسات نقل کئے بغیر وکذا فی وکذا فی ۔۔۔۔ کہہ کر صرف حوالہ درج کردے، موضوع کے اسلوب و زبان کی خوب رعایت رکھے، فقہی موضوعات پر سنجیدہ ، سادہ و چست اور قانونی اسلوبِ تحریر موزوں لگتا ہے، ان کو دلچسپ بنانے کے لئے مصالح وحِکَم کے تذکرے سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے، ادبی تحریر ہے تو اس میں شوخ جملے بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں، اخلاقی مضامین ہیں تو دل کو متأثر کرنے والے ترغیب وترہیب کے فقرے مناسب ہیں، لطائف وظرائف میں بھی یہ چیزیں اچھی لگتی ہیں، اگر کوئی ایسا فقہی موضوع ہے جس میں اختلافِ آراء ہو تو اس کے لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ تمہید کے بعد پہلی رائے کا ذیلی عنوان لگا کر قائلین کے نام مع احترام اور دلائل پوری جانبداری کے ساتھ ذکر کئے جائیں پھر دوسری رائے کا ذیلی عنوان لگا کر اسی طرح قائلین کے نام اور دلائل ذکر کرتے چلے جائیں ، اگر دو ہی موقف ہوں؛ مانعین اور مجوزین کا تو آپ جن کے ہم موقف ہوں، ان کے نام اور دلائل متاخر ذکر کریں اور مخالف رائے رکھنے والوں کے نام اور دلائل پہلے ذکر کریں، اپنا نقطۂ نظر مدلل کرنے کے بعد مخالفین کے دلائل کا جواب بھی آنا چاہئے ،صاحبِ ہدایہ کا مقبولِ عام اسلوب بھی اِسی سے ملتا جلتا ہے۔

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایسے مسائل جن میں نقطۂ نظر کا اختلاف ہو، ان کی ترتیب کا طریقہ یہ ہے کہ

تمہید کے بعد پہلے مذاہب وآراء نقل کردیئے جائیں اور ہر رائے کے مشہور مؤیدین کا ذکر آجائے، اس کے بعد ہر نقطۂ نظر کے دلائل مستقل عنوان کے ساتھ اس وضاحت وقوت کے ساتھ لکھیں کہ گویا وہی آپ کی رائے ہے اور سب سے اخیر میں اس نقطۂ نظر کو ثابت کیا جائے جو آپ کے نزدیک راجح ہو، فریقِ مخالف کے دلائل پر محاکمہ کی بھی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ تمام نقاطِ نظر کے دلائل پیش کرنے کے بعد پھر ان سب پر تنقید کی جائے اور اس کے لئے مستقل عنوان قائم کیا جائے، دوسرے یہ کہ ہر نقطۂ نظر کی دلیل کے ساتھ ہی اس کے ضعف کی طرف بھی اشارہ کردیا جائے۔

اس میں خاص طور یہ بات ملحوظ رہے کہ جس نقطۂ نظر کی آپ تائید کررہے ہوں، اس کے حق میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں، اگر ان میں سے بعض میں سقم ہو تو اس کے اظہار میں بھی تکلف سے کام نہ لیا جائے، اس طرح قاری آپ کی غیر جانبداری کو محسوس کرے گا اور آپ کے استدلال سے بھی زیادہ متاثر ہوگا۔

ہر دو صورت میں مخالف نقطۂ نظر کے دلائل پر تنقید کے بعد آپ کے نقطۂ نظر پر مخالفین کی جانب سے جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کے جواب پر ضرور ایک نوٹ لکھنا چاہئے، یہی نوٹ اصل میں مناظرانہ اسلوب اور معروضی (تحقیقی) اسلوب میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔

اگر بحث طویل کی گئی ہو تو یہ بھی مناسب ہے کہ اختتامی حصہ میں دو تین سطروں میں اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں پیش کئے گئے دلائل کی طرف اشارہ کردیا جائے، اس اختتامی حصہ کو ''خلاصۂ بحث''، ''کلمۂ آخرین''، ''حاصلِ بحث'' وغیرہ کا عنوان دیا جاسکتا ہے۔ (خلاصۂ از علمی موضوعات پر مطالعہ وتحقیق کا طریقہ، ص:٦ تا ٨)۔

مقالہ کی تبییض: اس کا تعلق براہِ راست مقالہ کی تیاری سے نہیں ہے بلکہ جو مقالہ آپ نے رَف انداز سے تیار کرلیا ہے اور ابھی وہ مسودہ کی صورت میں ہے، اس کو مزید

صاف وشفاف اور بارونق بنانا گویا مقالہ کی تبییض ہے، مقالہ کی تبییض میں ان امور کو نگاہ میں رکھا جائے:

۱) ہر صفحہ کے دائیں جانب ڈیڑھ انچ اور بائیں جانب ایک انچ اور صفحہ کی بالائی جانب سے سوا انچ اور نیچے کی جانب سے نصف انچ جگہ چھوڑ دی جائے، اس سے مقالہ خوب صورت بھی نظر آتا ہے اور اگر کسی وجہ سے اوراق کے کنارے پھٹ گئے تو اصل عبارت کو نقصان نہیں پہنچتا۔

۲) ہر پیراگراف کی پہلی سطر باقی حصہ کے مقابلے دو لفظ کے بقدر چھوڑ کر شروع کی جائے۔

۳) مرکزی عناوین سطر کے وسط میں اور ذیلی عناوین سطر کے دائیں کنارے لکھے جائیں۔

۴) ہر صفحہ کا حاشیہ اسی صفحہ پر لکھ دیا جائے اور ہر صفحہ کے حواشی مستقل طور پر نمبر ایک سے شروع کئے جائیں، یہ طریقہ قدیم ہے اور آسان و بہتر بھی۔

۵) مرکزی عنوان سب سے نمایاں خط میں لکھا جائے، ذیلی عنوان کا خط اس سے کم نمایاں ہو، اور مضمونِ کتاب کا خط اس سے کم نمایاں ہو اور سب سے باریک خط حاشیہ کا ہو۔

۶) مضامین میں موزوں مقامات پر پیراگراف ضرور قائم کرنے چاہئے، پیراگراف نہ بہت بڑے ہوں اور نہ بالکل چھوٹے۔

۷) مضمون میں جہاں کہیں اقتباس نقل کرنا ہو تو اس کو حوض میں لکھنا چاہئے، حوض سے مراد یہ ہے کہ دائیں جانب اور بائیں جانب سے عام عبارت کے مقابلے اس کی سطریں پون پون انچ کے قریب کم کردی جائیں، حوض میں بھی پہلی سطر دو لفظوں کے بقدر چھوڑ کر شروع کرنی چاہئے اور اقتباس کو واوین (''........'') میں نقل کرنا چاہئے۔

۸) حوالہ جات لکھنے کا طریقہ آج کل یوں ہے کہ سب سے پہلے مصنف کی نسبت، اس کے بعد مصنف کا نام پھر کتاب کا نام، اس کے بعد جلد نمبر پھر صفحہ نمبر، اس کے بعد مطبوعہ کا

رمز ط لکھ کر مطبع کا نام، آخر میں سنِ طباعت لکھا جائے مثلاً:

العسقلانی، ابن حجر الحافظ، فتح الباری: ۵ / ۴۳۷ ط: دار العلم بیروت ۱۲۸۰ھ۔

۹) کتاب و رسالہ کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے: سب سے پہلے سرِ ورق، اس کے بعد فہرستِ مضامین، اس کے بعد دیباچہ، دیباچہ کے بعد اصل کتاب، اگر کتاب کا ضمیمہ بھی ہو تو اصل کتاب کے بعد ضمیمہ، ضمیمہ کے بعد کتابیات یعنی مآخذ و مصادر کی فہرست، اخیر میں اشاریہ یعنی انڈکس۔ (ماخوذ از علمی موضوعات پر مطالعہ و تحقیق کا طریقہ۔ مزید دیکھئے: تحریر کیسے سیکھیں: مفتی ابولبابہ، پانچواں باب آدابِ تحریر: ۲۷۵-۷۹) ۴

(۵) نظرِ ثانی اور مناقشہ

نظرِ ثانی، مقالہ نگار کا کام ہے، وہ اپنی کاوش پر آخری نظر ڈال کر ہر زاویے سے مطمئن ہو جائے، جب وہ اپنے طور پر مطمئن ہو گیا تو کسی صاحبِ نظر کی نگاہ سے گزار کر اپنے مقالے کو قابلِ اعتبار بنا دے، یہی نقد و نظر مناقشہ کہلاتی ہے۔

مناقشہ میں کسی بھی تحریر کو پانچ پہلوؤں سے دیکھا جاتا ہے:

اول: اس تحریر میں پیش کیا گیا مواد

دوسرے: مقالہ نگار کی نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت

تیسرے: خود اس نتیجہ اور نظریہ کی علمی حیثیت

چوتھے: مقالہ نگار کی تعبیر اور بیان و اظہار کا اسلوب

پانچویں: اس مضمون کی ترتیب

جو تحریر ان پانچ پہلوؤں سے جتنی زیادہ مکمل ہوگی، اسی قدر عمدہ، اثر انگیز اور اپنے مقصد کے لئے نتیجہ خیز ہوگی، اگر کسی تحریر پر مناقشہ و مباحثہ کا موقع ملے تو ان تمام پہلوؤں سے اس کو دیکھنا چاہیے اور خود نظرِ ثانی کرنی ہو تو اپنی تحریر بھی بار بار پڑھنی چاہیے: کیوں کہ دوسروں کی تحریر کا عیب معلوم کرنا آسان ہے، خود اپنی تحریر کی خامیوں پر آگاہ ہونا زیادہ مشکل ہے۔ (ماخوذ از علمی موضوعات پر مطالعہ و تحقیق کا طریقہ، مزید دیکھئے: تحریر کیسے سیکھیں: مفتی ابو

لبابہ، پانچواں باب آدابِ تحریر، ص:۲۷۵-۲۷۹)

ایک عرب استاد نے قابلِ قدر تحقیق کو نَمْلَۃ اور نَحْلَہ یعنی چیونٹی اور شہد کی مکھی کے کام کی مثال سے سمجھایا ہے، چیونٹی مختلف جگہوں کا سفر کرتی ہے، موسم کی صعوبتیں برداشت کرتی ہے، راہ گیروں کے پیروں تلے بھی کچلی جاتی ہے پھر بھی اپنا کام جاری رکھتی ہے اور اپنے کھانے کی متعدد اشیاء تلاش کر کے اپنے بِل میں جمع کر کے رکھ دیتی ہے؛ مگر اس کے عمل سے کوئی نئی چیز سامنے نہیں آتی گویا اس نے صرف ''جمع المواد'' کا کام کیا، اس کے برعکس شہد کی مکھی کی تلاش و تحقیق ہے، وہ بھی جگہ جگہ سفر کرتی ہے، وقت لگاتی ہے، ایک ایک پھول کی نہ صرف زیارت کرتی ہے؛ بلکہ اس سے اخذِ فیض کرتی ہے، ہر جگہ کے پھول اور اُن کا رس مختلف ہوتا ہے، ان کا ذائقہ اور رنگ مختلف ہوتا ہے، وہ ان سب کو اپنے چھتے میں جمع کرتی ہے اور جمع شدہ مواد پر اِس انداز سے محنت کرتی ہے اور اپنی مثبت سوچ و فکر سے اس پر اس انداز سے اثر انداز ہوتی ہے کہ جمع شدہ رس چاہے وہ پھیکا تھا یا تُرش، کڑوا تھا یا بے ذائقہ، سب ایک لذیذ شہد میں ڈھل جاتا ہے، جسے ہر کوئی حاصل کرنے کی کوشش اور کھانے کی خواہش کرتا ہے، چیونٹی کے جمع شدہ مواد کی طرف کوئی انسان یا جانور توجہ نہیں کرتا، وہ زمین پر اس کے بِل ہی میں رہتا ہے، اس کا فائدہ محدود ہوتا ہے، جبکہ شہد کی مکھی کے کام کا نتیجہ دور نزدیک تک پہنچتا ہے، قرآن مجید میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے، اس مثال سے حقیقی اور غیر حقیقی تحقیق کے درمیان فرق اور اُن کے نتائج کی افادیت کے حدود کو سمجھا جاسکتا ہے۔

(تحقیقی مقالے کے موضوع کا انتخاب اور اس کا خاکہ، از پروفیسر خورشید احمد سعیدی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رموزِ اوقاف

تحریر میں ظاہری حسن پیدا کرنے اور اس کی تفہیم میں آسانی کے لئے کچھ علامات کے استعمال کا رواج قدیم زمانے سے چلا آیا ہے، البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شکلیں تبدیل ہوتی رہی ہیں، ہر دور کے اہلِ علم اس کی پابندی کرتے ہیں، ان سے جہاں پڑھنے والے کو معانی و مفاہیم سمجھنے اور انہیں ذہن نشین کرنے میں آسانی ہوتی ہے، وہیں ان سے لکھنے والے کے سلیقے، ذوق اور عصرِ حاضر کے ادبی تقاضوں سے واقفیت کا بھی پتہ چلتا ہے، لہٰذا طلبۂ عزیز کو اپنی تحریروں اور فتوؤں میں ان علامات کے صحیح استعمال کی مشق بھی کرنی چاہئے۔

اردو میں جو علامتیں عام طور پر استعمال کی جاتی ہیں اور مختلف قسم کے وقفوں کو ظاہر کرتی ہیں، ان میں سے مشہور یہ ہیں: سکتہ، وقفہ، ختمہ، سوالیہ، ندائیہ، تفصیلیہ، دونقطہ، واوین، قوسین، مربع قوسین، خطِّ فاصل، خطِّ مستقیم اور نقطے۔

ا) سکتہ یا وقف خفیف (،)

اس علامت سے جملے کے مختلف الفاظ یا چھوٹے چھوٹے مرکبات کو جدا رکھنے اور عبارت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اس کے استعمال کی عام صورتیں یہ ہیں:

(الف) جملے میں تین یا تین سے زیادہ الفاظ جو ساتھ ساتھ استعمال کئے گئے ہوں، ان میں آخری لفظ سے پہلے ''اور'' کا لفظ اور بقیہ سب الفاظ کے بعد یہ علامت لائی جاتی ہے، اس علامت پر تھوڑا سا ٹھہرنا پڑتا ہے مثلاً: ہم گھر سے قلم، دوات اور کاغذ لائے تھے۔

(ب) ایک ہی جملے کے جوڑا جوڑا الفاظ کے درمیان یہ علامت لائی جاتی ہے، جیسے: میاں! نزلہ ہو یا زکام، کھانسی ہو یا بخار، سر میں درد ہو یا جسم میں، یہ دوا ہر حال میں مفید ہے۔

(ج) ایسے اسموں یا ضمیروں کے درمیان جو ایک دوسرے کے متبادل ہوں یعنی

مبدل منہ اور بدل ہوں، جیسے: اس کتاب میں فاتحِ سندھ، سپہ سالارِ اسلام، محمد بن قاسم کے حالاتِ زندگی تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

(د) بڑے بڑے جملوں کے درمیان حروفِ عطف سے پہلے یعنی اس لئے، لیکن، آخر کار، اگرچہ اور بلکہ وغیرہ سے پہلے، بعض ماہرین ایسے مواقع پر سکتہ کے بجائے وقفہ کا رمز استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

(ہ) اگر چند جملے یکے بعد دیگرے آئیں اور وہ سب مل کر ایک معنیٰ دیں، ان کی الگ الگ مستقل حیثیت نہ ہو تو ان کے درمیان بھی سکتہ لگے گا، اس کا نمونہ دیکھنے کے لئے اوپر کے سب سے پہلے پیراگراف پر غور کرو۔

(و) جب دو لفظوں کو ملا کر پڑھے جانے کا اندیشہ ہو اور اس سے معنیٰ میں خلل آرہا ہو تو ان کے درمیان بھی سکتہ لگے گا، جیسے: مسدّس، حالی کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔

(ز) اشعار میں ایسے مقامات پر سکتہ ضرور لگانا چاہئے، جہاں لفظ آگے پیچھے ہوں یا ٹکڑوں کو الگ الگ کر دینے سے مفہوم واضح ہو سکتا ہو، ذیل کے اشعار پر غور فرمایئے:

زیبا نہیں ہے، دعوئ عشق نبی ابھی
صورت بنی ہے ان کی، نہ سیرت بنی ابھی
غفلت میں عمر کٹ گئ، کچھ کر لے نیکیاں
عاقل! ہے تیرے قبضہ میں، کچھ زندگی ابھی

(سہ ماہی حسامی امیر ملت نمبر: ۳۴۷)

۲) وقفہ (؛)

یہ علامت وہاں لگائی جاتی ہے جہاں "سکتہ" سے زیادہ ٹھہرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اردو میں اس کے استعمال کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

(الف) جب ایک طویل جملے میں کئی چھوٹے جملے آجائیں تو آخری جملے سے

پہلے یہ علامت لگائی جاتی ہے، جیسے: ''اس دور میں جب ہر طرف افراتفری کا عالم ہے، جب رشوت اور بدعنوانی اپنی انتہا کو پہونچی ہوئی ہے، جب حق وصداقت کی تمام قدریں ختم ہوتی جارہی ہیں، جب عدل وانصاف عنقا ہو چکا ہے، جب لحاظ ومروت کا نام تک نہیں رہا؛ ایسے میں اللہ والے، دیانت دار اور وضع دار لوگوں کا وجود غنیمت ہے۔''

(ب) جملے کے ایسے حصوں کے درمیان، علامتِ وقفہ لائی جاتی ہے، جو الگ الگ حیثیت رکھتے ہوں، جیسے: ''مولانا حالی کی یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید، مقدمۂ شعروشاعری؛ مولانا شبلی کی سیرۃ النبی، الفاروق، سوانح مولانا روم؛ مولانا علی میاں کی المرتضی، تاریخ دعوت وعزیمت، سیرت سید احمد شہید؛ اردو کی بلند پایہ تصانیف ہیں۔''

(ج) جب کئی لفظوں کے بیچ میں سکتہ ہو، لیکن اس کی نوعیت مختلف ہو تو اس کے اظہار کے لئے بھی وقفہ لگایا جاتا ہے جیسے: دہلی، ممبئی، کلکتہ؛ ان سب بڑے شہروں میں کچی بستیاں موجود ہیں۔

۳) ختمہ یا وقفِ کامل (۔)

(الف) یہ علامت وہاں لگائی جاتی ہے جہاں کوئی جملہ یا پیراگراف ختم ہوجاتا ہے ،اس علامت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو خیال شروع ہوا تھا وہ ختم ہو چکا ہے۔

(ب) مخففات کے بعد بھی یہ علامت لگائی جاتی ہے، جیسے: ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی

۴) سوالیہ یا استفہام (؟)

(الف) یہ علامت کسی جملہ کے آخر میں لائی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی بات دریافت کی جارہی ہے جیسے آپ کا کیا نام ہے؟

(ب) جب سوال میں طنز یا شدتِ طلب کی کیفیت ہو تو یہ علامت دو یا تین مرتبہ بھی لگائی جاتی ہے، جیسے: ''جب اس ملک کی آزادی میں ہندو اور مسلمان دونوں کی قربانیاں شامل ہیں تو پھر مسلمانوں کے ساتھ دوسرے درجہ کے شہریوں کا سلوک آخر کیوں؟؟''

۵) ندائیہ یا استعجابیہ یا علامت تاثر (!)

(الف) یہ علامت منادیٰ کے بعد لگتی ہے، جیسے اے خدا! مسلمانوں کی مدد فرما۔

(ب) مختلف نفسیاتی کیفیات مثلاً غم، خوشی، حیرت اور تعجب وغیرہ کو ظاہر کرنے کے لئے لگائی جاتی ہیں، جیسے: انا للہ! یہ دَم بھر میں کیا ہوگیا، واہ! سبحان اللہ! کتنا پیارا منظر ہے۔

(ج) خطابیہ الفاظ کے آخر میں بھی یہ علامت استعمال کی جاتی ہے، جیسے: صدرِ گرامی! معزز حاضرین! میرے عزیز دوستو!

(د) جب تاثّر میں شدّت یا تاکید کی کیفیت پیدا کرنا مقصد ہو تو یہ علامت ایک سے زیادہ بار لگائی جاتی ہے نیز استفہامِ تعجب میں علامتِ استفہام کے ساتھ مل کر لگتی ہے، جیسے یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے: پورے یورپ بلکہ پوری دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شہر ہو جہاں اتنے فیشن شو ہوتے ہیں جتنے پیرس میں، لیکن یہ وہی پیرس ہے جہاں اگر کوئی مسلمان لڑکی اپنی مرضی، اپنی پسند اور لباس پہننے کی آزادی اور خودمختاری کا حق استعمال کرتے ہوئے اپنے سر کو اسکارف سے ڈھانپ لے تاکہ اس کے بال نظر نہ آئیں، تو اسے ایسا کرنے سے روک دیا جاتا ہے، کیا ان مسلمان لڑکیوں کے اسکارف استعمال کرنے سے، اس ملک کی معاشی، معاشرتی یا اخلاقی زندگی میں کوئی طوفان کھڑا ہوجائے گا؟ جسے یہ قومیں روکنا چاہتی ہیں!؟ لوگوں کا امن وسکون اور چین برباد ہوجائے گا!؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ تو پھر ان مسلمان لڑکیوں کو اسکارف پہننے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی!!؟؟ (پاجا سراغ زندگی: ۱۲۶)

نوٹ: جب کسی جملے کا اختتام علامتِ تاثر یا استفہام پر ہو تو ختمہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

۶) تفصیلیہ (:-)

(الف) یہ علامت کسی فہرست کو پیش کرنے کے وقت لگاتے ہیں، جیسے تاریخِ اسلام کے بڑے بڑے فاتحین یہ ہیں:-

(۱) حضرت خالد بن ولیدؓ (فاتحِ عراق و شام) (۲) حضرت عمرو بن عاصؓ (فاتحِ مصر) (۳) محمد بن قاسمؒ (فاتحِ سندھ) (۴) موسیٰ بن نصیرؒ (فاتحِ افریقہ) (۵) طارق بن زیادؒ (فاتحِ اندلس)۔

(ب) ان جملوں کے آخر میں بھی یہ علامت لگائی جاتی ہے جن میں ''مندرجہ ذیل'' اور ''حسبِ ذیل'' جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں جیسے: مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجئے:۔

۷) دو نقطے (:)

جب ذیلی عنوان لگایا جائے تو عنوان کے بعد یا مثال پیش کرنی ہو تو مثال سے پہلے یہ علامت لگائی جاتی ہے، اوپر کی بحث میں جگہ جگہ جیسے: کہہ کر مثالیں اور نمونے پیش کئے گئے ہیں، ان پر غور کیجئے، یہاں ایک استعمال یہ بھی ہے کہ ذیلی عنوان اگر مستقل سطر میں ہو تو دو نقطے نہیں لگیں گے۔

۸) واوین یا علامتِ اقتباس (" ")

(الف) جو جملے یا تحریر کسی دوسرے شخص کا کہا ہوا ہو، اُسے اقتباس کی علامت کے درمیان لکھتے ہیں۔

۹) قوسین ()

اس علامت کا استعمال عام طور سے دو مقصد کے لئے ہوتا ہے:

(الف) کسی مشکل لفظ کی وضاحت وتفسیر کے لئے۔

(ب) دعائیہ کلمہ کے لئے۔

قدیم تحریروں میں جملۂ معترضہ کے لئے بھی اس علامت کا استعمال ہوتا تھا مگر آج کل جملۂ معترضہ کے لئے مکرر ڈیش ـ یہاں جملہ معترضہ لکھا جائے گا ـ استعمال ہوتا ہے، جملہ معترضہ کے شروع کرنے سے پہلے اور ختم کرنے کے بعد ایک ایک ڈیش لگا کر درمیان میں جملۂ معترضہ لکھا جاتا ہے۔

۱۰)مربع قوسین [ ]

اس علامت کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں دوسرے کی بات نقل کرتے ہوئے درمیان میں اپنی طرف سے وضاحتی الفاظ یا تنقید وتبصرہ بڑھایا جاتا ہے، گویا یہ مؤلف یا مضمون نگار کے ''ادراج'' کو ظاہر کرتا ہے۔

۱۱)خطِّ فاصل(/)

یہ خط ترچھی صورت میں لکھا جاتا ہے اور حسبِ ذیل مواقع میں استعمال ہوتا ہے:

(الف) مختلف قسم کی سندات ، دستاویزات اور فارموں کے اندراجات میں متبادل اسماء اور افعال کے درمیان، جیسے: تصدیق کی جاتی ہے کہ مسمّٰی/مسماۃ ------ ----بن/بنت----------

(ب) جن تین عیسوی مہینوں کے شروع میں الف ہے، ان سے قبل تاریخ لکھ کر خطِ فاصل لگادیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے میں غلطی واقع نہ ہو جیسے: ۱/اپریل، ۱۵/اگسٹ، ۵/اکتوبر۔

(ج) ماخذ کا حوالہ دیتے وقت جلد اور صفحہ کے درمیان جیسے: بدائع الصنائع ۲/ ۱۵۸۔

۱۲)خطِ مستقیم(---)اور نقطے(.....)

یہ دونوں علامتیں عام طور پر محذوف کلمات کے لئے استعمال ہوتی ہیں، تحقیقی مقالہ لکھنے والوں کو اسی طرح تمرینِ فتویٰ کرنے والے طلبہ کو بکثرت اس علامت کو استعمال کرنے کی نوبت آتی ہے، دلیل کے طور پر جس کتاب کی عبارت پیش کرنا ہوتا ہے ، اس میں بقدرِ ضرورت عبارت نقل کرکے جگہ جگہ حذف کی علامتیں لگادی جاتی ہیں۔

ضروری نوٹ: یہ تمام علامتیں سطر کے متوازی لگتی ہیں، صرف علامتِ اقتباس (واوین) سطر کے اوپر لگائی جاتی ہے۔(دیکھئے: تحریر کیسے سیکھیں :۲۴۹ تا ۲۶۸؛علمی موضوعات پر مطالعہ وتحقیق کا طریقہ:۱۷ تا ۱۹)وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

مؤلف کی دیگر کتابیں

(۱) عاملین اور محصلین زکوٰۃ۔ایک تجزیہ

یہ اپنے موضوع پر ایک مفصل اور جامع کتاب ہے، جس میں نصوص اور عباراتِ فقہاء کی روشنی میں صحیح نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کی گئی ہے، اس میں جمہور علماء کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

(۲) طہارت اور نماز کے مسائل۔قرآن وحدیث کی روشنی میں

فقہِ حنفی کے مطابق طہارت ونماز کے مسائل کو قرآن وحدیث سے مدلل کیا گیا، حوالہ جات کا غیر معمولی اہتمام ہے، حدیث کی صحت وسقم اور اس کے درجہ کو بھی بیان کیا گیا ہے، مسائل میں پائے جانے والے اختلافاتِ ائمہ کی بھی نشاندہی اس میں کی گئی ہے، زبان عام فہم اور شستہ ہے، تلگو زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور انگریزی ترجمہ زیرِ عمل ہے۔

(۳) صدائے حق

یہ اُن مختلف علمی واصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے؛ جو مختلف حالات وواقعات کے تناظر میں لکھے گئے، جن میں سے اکثر ملک وبیرونِ ملک کے مشہور جرائد ومجلوں میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

(۴) سکونِ خانہ

یہ کتاب انتہائی بیش بہا اور معلومات افزاء ہے، اس میں رشتہ ازدواج کی نزاکت وتقدس، میاں بیوی کا مقام ومرتبہ، دونوں کے ایک دوسرے پر قانونی واخلاقی حقوق وغیرہ پر سیر حاصل بحث ہے۔

(۵) علمی بے راہ روی کے اسباب اور جاوید احمد غامدی کے بعض نظریات کا جائزہ

اِس کتاب میں علمی بے راہ روی کے اسباب پر بہت خوب روشنی ڈالی گئی ہے اور موجودہ دور کے بعض جدید نظریات اور اسلاف سے ہٹ کر اپنا نقطہ نظر پیش کرنے والوں میں بالخصوص جاوید احمد غامدی کے کچھ نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(۶) عصری تعلیم: ضرورت اہمیت افادیت

اس حوالے سے اسلام کے سنہری دور اور مسلم سائنسدانوں کی خدمات اور ان کے حیرت انگیز کارناموں پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اور مسلمانوں کو دعوتِ فکر دی گئی ہے۔

اس کتاب کے بارے میں

مجھے بڑی مسرت ہے کہ اس اہم موضوع پر میرے عزیز دوست جناب مفتی محمد مکرم محی الدین حسامی قاسمی زید مجدہ استاذ دار العلوم حیدرآباد نے قلم اٹھایا ہے اور ''تحفۃ المفتی والقاضی'' کے نام سے یہ مفید کتاب مرتب کی ہے، جس میں ایک طرف شعبۂ افتاء کی درسی کتابوں کا تعارف، فتاویٰ نویسی کے اصول وآداب، فتاویٰ سے مناسبت کے لئے مطلوبہ جدوجہد پر روشنی ڈالی گئی ہے تو دوسری طرف قضاء کے مختلف مراحل سے متعلق احکام اور ان کی عملی مشق بھی پیش کی گئی ہے اور اس ذیل میں مختلف دستاویزات کا مسودہ بھی شامل کیا گیا ہے، جس سے عملی کام میں سہولت بہم پہنچتی ہے، اخیر میں اس موضوع سے غیر متعلق؛ لیکن طلبہ کے لئے مفید ایک مضمون کا اضافہ کر دیا گیا ہے، اور وہ ہے: مقالہ نگاری کے اصول وضوابط۔ راقم الحروف نے اس کتاب کے اکثر حصہ کا مطالعہ کیا ہے، اور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ طلبۂ عزیز کے لئے ایک مفید کتاب ہے۔

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ہر بات باحوالہ بیان کی گئی ہے، اور فقہائے کرام کی منتشر ابحاث کو سلیقہ کے ساتھ یکجا طور پر ذکر کیا گیا ہے، غرض یہ ایک عمدہ اور بہترین کتاب ہے، علمائے کرام بالخصوص شعبہ افتاء وقضاء کے طلبہ کے لیے ایک بڑی نعمت ہے، اس سے ان کو بڑی حد تک رہ نمائی ملے گی اور ان کے لئے ان دونوں شعبوں میں معاون ثابت ہوگی، ہر طالب علم کے پاس یہ کتاب ہونی چاہیے تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنا لائحہ عمل طے کرے اور ایک ماہر وجید مفتی وقاضی بن کر ملت کی خدمت کر سکے۔

امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم